فرار کی پانچ عظیم کہانیاں

اسد اللہ غالب

پیش کش: ملت ڈاٹ کام

بھارتی کیمپ سے فرار

طوائف الملوکی، انارکی، انتشار اور نظریاتی منافقت کے جلو میں ۱۶ دسمبر کی منحوس صبح طلوع ہوئی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کا پاکستان اپنی تمام تر روشن روایات کے ساتھ لخت لخت ہو کر رہ گیا۔

اسلاف کے تمام کارنامے اور برصغیر کی پوری مسلم تاریخ ملیامیٹ ہو کر رہ گئی۔

۱۶ دسمبر ۱۴ اگست پر خط تنسیخ پھیر دیا۔

ڈھاکہ سے روانگی۔ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

۸۲ دسمبر کو اسٹیشن چھوڑنے کا حکم ملا۔ یہ پندرہ سو افراد کا قافلہ تھا جس میں ایم، او، سی، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ڈھاکہ سے بذریعہ ریل نرائن گنج تک پہنچے۔ دن بھر یہاں ٹھہرایا گیا۔ بھوک اور پیاس سے بچے بلبلا اٹھے۔ بوڑھا آسمان ان کی آہوں سے لرزتا رہا، لیکن چانکیہ کی شقی القلب اولاد پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

اتنی بڑی تعداد کے لئے صرف ایک اسٹیمر تھا۔ نتیجہ یہ کہ ۳۰ دسمبر تک سب لوگ کھلنا پہنچ سکے۔ ۳۱ دسمبر کو کھلنا سے انجانی منزل کی طرف بذریعہ ریل سفر شروع ہوا، قرائن سے معلوم ہوتا تھا، وہ انڈیا کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔ سفر مسلسل جاری رہا۔ یہاں تک کہ رانچی شہر کا ریلوے اسٹیشن آیا۔ دوسری مرتبہ چاولوں کی غذا دی گئی۔ کچھ لوگ پیٹ میں زبردستی چند نوالے جھونک سکے۔ اکثر بھوکے رہے۔ حلق خشک ہو رہے تھے، مگر ایک قطرہ پانی دیکھنے کو بھی نہ ملا۔ دل کی دنیا ویران تھی۔ اس لئے خاموشی غالب رہی۔

اس اسٹیشن پر ایک انڈین مسلم نوجوان، گارڈز کے کڑے پہرے کے باوجود گاڑی کے قریب آ پہنچا اور بولا: ”میری والدہ نے مجھے حکم دیا ہے ہمارے پاکستانی مسلمان بھائی بہنیں اور بچے انڈین قیدی

ہیں، ان تک پہنچیں اور ہر ڈبے میں دس دس روپے کی بھارتی کرنسی پہنچا دو۔ اس کار خیر میں تمہیں شہادت بھی مل جائے، تو یہ میری اور تمہاری، دونوں کی خوش نصیبی اور بلند مرتبے کا باعث ہوگی۔"

رانچی سے الہ آباد۔ لذت شوق بھی ہے، لذت دیدار بھی ہے۔

رانچی سے گاڑی چلی۔ کچھ نوجوانوں نے دوران سفر میں قدرتی مناظر دیکھنے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے کھڑکی توڑ ڈالی۔ سبھی حیران تھے بنیا انہیں کہاں لے جا رہا ہے؟ ایک ہی قسم کی زمین، فصلیں اور نشیب و فراز۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ استقلال اور خودداری کے باوجود خطرات کے پہلو غالب تھے۔ بالآخر ۲ جنوری ۷۲ء کو گاڑی کا سفر ختم ہوا۔ ٹھیک پانچ بجے شام گاڑی الہ آباد کے پلیٹ فارم پر جا لگی۔ گو سب لوگ قیدی تھے، لیکن باہمی رفاقت نے قید کا احساس نمایاں نہ ہونے دیا۔

سب ساتھیوں کا جائزہ لیا گیا۔ کچھ بھوک اور پیاس کی شدت سے بے ہوش پائے گئے، نہ خوراک میسر تھی، نہ کہیں پانی کا نشاں ملتا۔ سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی، مگر چہروں پر اب بھی عزم جھلک رہا تھا۔ گاڑی رکنے پر پتہ چلا راستے میں کارپورل نواب الدین نے کھڑکی توڑ کر گاڑی سے چھلانگ لگا دی۔

میجر راجندر سنگھ کی ڈیوٹی الہ آباد اسٹیشن تک تھی۔ وہ ایک شریف انسان تھا اور اس نے راستے میں کسی کو ناحق تنگ نہ کیا اور دوران سفر میں کوئی تلخی پیش نہ آئی، لیکن الہ آباد ریلوے اسٹیشن پر ایک سکھ کرنل اپنے عملے کے ہمراہ بپھرے ہوئے چیتے کی طرح نمودار ہوا۔ بدنما شکل، مکروہ آواز، کرخت لب و لہجہ، وہ درشت کلامی سے چنگھاڑا:

"تم ہمارے قیدی ہو۔ نگاہیں نیچی رکھو، سوال کا جواب گردن جھکاتے ہوئے دو۔ نظریں ڈالنے کی جرات مت کرو۔"

کرنل کے یہ توہین آمیز الفاظ پاک مجاہدوں کے خرمن دل کو راکھ کر گئے۔ ان کے اندر قید کا صحیح احسان اجاگر ہو گیا۔ تمام چہرے ناکامی کے تصور سے مرجھائے ہوئے تھے۔ سکھ کرنل نہ جانے کتنی دیر تک طنزیہ چرکے لگاتا اور غیرت کا خون کرتا رہا۔

بہرحال مجاہدین پاک اندر ہی اندر کڑھتے رہے۔ بالآخر عشاء کے بعد اسٹیشن سے کیمپوں میں

جانے کا پروگرام بنا۔ اس مرحلے پر تمام افسر الگ کر لئے گئے اور ایئر مین الگ۔ ۵۲۵۲ کے گروپوں میں سب کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں اور گاڑیوں میں بٹھا کر کیمپوں میں منتقل کر دیا گیا۔ کیمپ ۹۳ کی خاردار تاروں کا زندان، سارجنٹ انور کے حصے میں آیا۔

کیمپ ۹۳۔۔ کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

چاروں طرف لاؤڈ اسپیکر نصب تھے اور بزدل بنیا تمسخر اور ٹھٹھے اور ننگی گالیوں پر اتر آیا۔ عارضی فتح کے نشے میں بدمست بھارتی بھانڈ، پاک فوج پر تابڑ توڑ پھبتیاں کس رہے تھے۔ اور گردنیں نیچی ہوتی چلی گئیں، ادھر کفر کا شور و شغب بڑھتا چلا گیا۔

۸ جنوری کو تمام ایئر مین کیمپ کے دو شعبوں میں بانٹ دیئے گئے۔ دونوں بلاکوں میں صرف ایک خاردار تار کا پردہ تھا: تاہم دونوں طرف کے افراد ایک دوسرے سے بات چیت کر سکتے تھے، صرف رہائشی انتظام جدا تھا۔ یہاں پاک فضائیہ کا عملہ پہنچنے سے قبل پاک فوج کے متعدد یونٹ، صوبیدار میجر کے عہدے تک موجود تھے، لیکن ایک ماہ بعد تمام جے، سی، او کیمپ ۸۳ میں منتقل کر دیئے گئے، مقصد یہ تھا کہیں سپاہی اور افسر مل کر بھارتی محافظوں کے لئے مصیبت نہ بن جائیں۔ اب بلاک اے کا انچارج حاضری بی ایچ ایم عباس (۵۱ بلوچ) اور بلاک بی کا بی ایچ ایم بادشاہ خاں (۴ فرنٹیئر فورس) مقرر کیا گیا۔ پورے کیمپ کا انچارج انڈین آرمی کا میجر بھنڈاری تھا اور اس کا معاون کیپٹن پٹھانی۔ دونوں ایک ہی سرشت کے مالک تھے اور پاک فوج کی ہتک اور رسوائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

میجر بھنڈاری یا بھانڈ!

یہ ہندو میجر انتہائی سخت روش کا مالک تھا۔ پاکستانی افراد کو اذیت پہنچا کر بے حد خوشی محسوس کرتا۔ لب و لہجہ عیاری اور مکاری سے لبریز ہوتا۔ پاکستانی فوجیوں اور سول قیدیوں کے درمیان نسلی، لسانی، گروہی اور صوبائی تعصب پھیلانا اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں زہر بھرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

اس نے کیمپ میں سب سے پہلے جو تقریر کی۔ اس کا ایک ایک لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اخلاقی اور ملی تقاضا تو یہ ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کیا جائے، لیکن اس طرح پاکستان کی نئی نسل کو پتہ نہ چل سکے گا کہ ہندو

ذہنیت کیا ہے: پاکستان اور بھارت آج جس دوراہے پر کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو بغل گیر ہونا چاہتے ہیں، یہ سوال سر پر لٹکتی ننگی تلوار کی طرح سامنے آتا ہے۔ یہ معانقہ کب تک کام دے گا؟ دو الگ تہذیبیں اور دو یار کے دو کنارے بھی کبھی آپس میں ملا کرتے ہیں؟ ان میں کتنا بعد ہوتا ہے اور کتنے طویل فاصلے حائل ہوتے ہیں، ان کا اندازہ کرنے کے لئے میجر بھنڈاری کی یہ تقریر ملاحظہ فرمائیے جو نفرت، حقارت، تعصب اور الام دشمنی کے جذبے کا جیتا جاگتا شاہکار ہے۔

اس نے کہا تھا: پاکستانیو! تم وحشی درندے ہو اور ہم سے شکست کھا چکے ہو۔ اس وقت ہماری قید میں ہو۔ تم بزدل ہو۔ ہتھیار ڈال دینے والی قوم کو زندہ رہنے کا حق نہیں پہنچتا۔ تمہارے سر میں نام نہاد برتری کا جو سودا سمایا ہوا تھا، وہ ہوا ہو چکا ہے۔ اگر یہ سر ہمارے سامنے اکڑا تو تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ ہم جو چاہیں، تمہارے ساتھ سلوک کریں۔ ہمارے انتظامات اس قدر مستحکم ہیں کہ یہاں سے کوئی شخص فرار ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہاں سے بھاگنے کی کوشش موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب تمہارا باقی ماندہ ملک بھی کچل کر رکھ دیا جائے گا۔

میجر بھنڈاری کے منہ سے اس وقت کف جاری تھا اور وہ بھانڈوں کی طرح جو منہ میں آتا بغیر سوچے سمجھے بولے جا رہا تھا۔ کیا اس نے یہ الفاظ ادا کرنے سے پہلے سوچ لیا تھا کہ اس کی قومی تاریخ کیا ہے؟ کیا اس نے یہ الفاظ ادا کرنے سے پہلے سوچ لیا تھا کہ اس کی قومی تاریخ کیا ہے؟ کیا اس کی قومی روایات میں کہیں جرات و شجاعت کا ذرا سا بھی تذکرہ موجود ہے؟ آخر وہ کس برتے پر یہ بڑ ہانک رہا تھا صرف یہی شیخی تو کافی نہ تھی کہ مشرقی پاکستان میں انہوں نے دندناتے ہوئے قدم رکھے تھے۔ یہ ان کی فوجی نہیں سیاسی جیت تھی اور وہ اس لئے ممکن ہوئی کہ خود ہماری صفوں میں میر جعفر و صادق جنم لے چکے تھے۔

میجر بھنڈاری کی خرمستیاں اور اس کے حواریوں کا غرور نشہ دکھاتا رہا۔ اس وقت کوئی شخص انہیں چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ حلقہ قفس میں آئے ابھی چند روز ہوئے تھے اور جو کچھ اچانک شکست کی صورت میں وقوع پذیر ہوا تھا، ابھی تک لوگ اس کے صدمے ہی سے سنبھل نہ پائے تھے۔

کیمپ میں مختلف ذہنیت کے افراد تھے۔ انڈین محافظ مختلف حربوں سے، پاک مجاہدوں کو تنگ

کرتے۔ معمولی بیگار کے بہانے غیور اور حساس نوجوانوں کو بزدل بنانے کی کوشش کرتے۔ ضلعی اور گروہی تعصب پھیلانے کی مذموم حرکات کے مرتکب ہوتے۔ سپاہیوں کو کم اور افسروں کو زیادہ ستاتے۔ جس طرح مشرقی پاکستان میں تخریب کاروں کے ذریعے پھوٹ ڈالی، بنگالی اور غیر بنگالی کو ٹکرا دیا، بالکل اسی طرح یہاں بھی پنجابی، سندھی، بلوچ اور پٹھان کے مناقشے کھڑے کئے گئے۔ کسی کو ناجائز رعایت دیتے، کسی کو ناحق تنگ کیا جاتا۔ اس صورت حال میں سنجیدہ افراد سہمے سہمے اور خوفزدہ دکھائی دیتے۔

ایک ماہ بعد میجر بھنڈاری، کیپٹن پٹھانی اور ان کا عملہ یہاں سے تبدیل ہو کر کسی اور کیمپ کو روانہ ہوا۔ ان کی جگہ کیپٹن اوتار سنگھ، کیپٹن کوشک اور کیپٹن بردواخ پر مشتمل نیا عملہ آ گیا۔ ان میں کیپٹن اوتار سنگھ رعونت کا پتلا اور بھنڈاری کی تصویر تھا، اس نے وہی روش اپنائی اور ایک پل بھی چین نہ لینے دیا۔

اس معرکہ کرب و بلا میں سارجنٹ انور اب تک خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ وہ ہر واردات کے مہب پہیوں تلے بری طرح کچلا جاتا۔ اس کی روح کا ایک ایک تار صدچاک ہوا، لیکن اس نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کیا، مگر شاہین کب تک چین سے بیٹھ سکتا ہے؟ نشیمن دیر تک راس نہیں آتا اور وہ پھڑ پھڑا کر وسیع نیلی فضاؤں میں سبک خرامی کرنے لگتا ہے اور شکار کو تاڑتے ہی اس پر غوطہ لگا دیتا ہے..... پاک فضائیہ کا یہ شاہین بھی صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے کیمپ میں اپنے تعلقات کو وسعت دی۔ باضمیر اور بے ضمیر افراد کا فرق پہچانا۔ آرمی کے سپاہیوں کو ٹٹولا۔ ان میں سے اکثر غیور، حساس، ایثار اور شجاعت وہ مردانگی کی صفات سے مزین تھے۔ مشکوک افراد سے بھی باہمی رابطے کا سلسلہ بحال رکھا تاکہ وقت پڑنے پر دوست دشمن سب اس کے ہمنوا بن سکیں۔

ماہ مئی شروع ہوا۔ کیمپ ۹۹ میں سے چند افراد سرنگ کھودتے پکڑے گئے۔ انہیں سزا دینے اور دکھ پہنچانے کے لئے کیمپ ۹۳ کے سیل میں لایا گیا۔ تاروں کا آہنی پردہ درمیان میں تھا۔ سیل کا نقشہ اور پاک افسروں کی حالت زار اہل کیمپ کے سامنے تھی۔ انڈین محافظ وحشت ناک سزائیں دے رہے تھے۔ کتوں کی پوری یونٹ ان پر چھوڑی گئی۔ مئی کی دہکتی ہوئی ننگی زمین اور اس پر خون سے تربتر پاک مجاہد، جن کی بوٹیاں، خونخوار کتے نوچ رہے تھے۔ اف! یہ نقشہ دیکھا نہ جاتا۔ شاید بھارتیوں نے اس کیمپ کو خوفزدہ کرنے کے

لئے ایسی بہیمانہ سزا دی تھی، لیکن اس کے برعکس اس نے مہمیز کا کام دیا اور سارجنٹ انور کوئی نہ کوئی اقدام کرنے پر سنجیدہ ہوتا چلا گیا۔

۸۲ جون ۷۲ء سے قبل کسی بھارتی میجر جنرل کی آمد کا پروگرام تھا۔ کیمپ کے دونوں بلاکوں کے حاضری انچارجوں کو حکم ملا کہ وہ ہر طرح سے اسے خوش رکھیں اور مٹی کے مختلف چبوتروں پر پاکستانی یونٹوں کے الگ الگ نام اور عملے کی مجموعی تعداد جلی حروف میں لکھی جائے۔

اہل کیمپ نے اسے اپنی توہین خیال کیا۔ انڈین افسر تو روز آتے رہتے ہیں، ایک بار رسم چل نکلی، تو یہ بیگار ہر دفعہ بھگتنا پڑے گی۔ ایک خلفشار کی سی کیفیت نے جنم لے لیا۔ بعض لوگ یہ کام کرنے کے حق میں تھے اور بعض مخالف، بھارتی محافظوں کو اس ردعمل کا پتہ چلا، تو وہ سیخ پا ہو گئے۔ انہوں نے رعونت دکھائی، رعب جمایا، حاکمانہ لب ولہجہ اختیار کای، فاتحانہ غرور اور انسانیت سوز وطیرہ اپنایا، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ آخر کیپٹن اوتار سنگھ، غرور اور مستی میں جھومتا کیمپ میں داخل ہوا۔ اس نے قید کا احساس دلا کر ڈرانا دھمکانا شروع کیا:

''اگر کسی پاکستانی نے انڈین محافظوں کے حکم کی خلاف ورزی کی، تو اسے العانیہ گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ ہم لوگ فاتح اور حاکم ہیں، تم جنگی قیدی اور مفتوح ہو۔ ہماری فوقیت تسلیم کرو اور اپنی جھوٹی برتری چھوڑ دو۔ اپنے خدا کو بلاؤ وہ تمہاری مدد کرے۔

خوب سن لو، کوئی ماں کا لال یہاں سے نہیں بھاگ سکتا۔ تم سوچتے ہو گئے افراتفری مچا کر فرار ہو جاؤ گے..... ہرگز نہیں..... اگر کسی وحشی نے فرار کی کوشش، تو پھر جواب میں موت ہے موت.....!

اور منصوبہ پلنے لگا

کیپٹن اوتار سنگھ کی بڑ سن کر مختلف ردعمل سامنے آئے۔ بعض نے باانداز خاموشی احتجاج کیا۔

کچھ حساس اور باغیرت افراد یوں کہتے نظر آئے: تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔

چند جوانوں کی زباں پر شیر میسور کا یہ مقولہ تھا: ''شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔''

یاس پرستوں نے آہ بھر کر کہا: ''قید کی اس زندگی سے موت ہی آجائے تو بہتر ہے۔

باغیرت نوجوان شوق شہادت سے سرشار تھے اور دعوت مبارزت دینے کے لئے تازہ دم اور اشارے کے منتظر کھڑے تھے، لیکن وقت کی نزاکت سازگار نہ تھی، نظم وضبط عنقا تھا۔ گو غیرت ایمانی کا جذبہ عروج پر تھا، تاہم یک جہتی اور متفقہ منصوبہ سامنے نہ آسکا۔

قید کا احساس، ہشت پا کی طرح اپنے پنجے اور گہرے گاڑ رہا تھا۔ خطرات اور تفکرات ذہنوں پر حاوی تھے۔ دس دس فٹ بلند خاردار تاریں پھلانگ نہیں سکتے، سرنگ کھونے کے لئے کھرپہ تک میسر نہیں۔ تاریں کاٹنے کے لئے بھی کٹوئی اوزار پاس نہیں۔ سب حیران ہیں کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ یہ بھی خیال آتا، جاسوسی ہوگئی، تو کیمپ پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔

بھوک اور موت کے عفریت کے خلاف جرات واستقلال کا پرچم لہرانا کارے دارد تھا۔۔ جوں جوں بے رحم وقت گزرتا گیا، لاوا پکتا رہا۔ ذہن کھول رہے تھے اور طائر آزادی بھی اسی شدت سے پر پھڑا پھڑا رہا تھا۔

بالآخر سارجنٹ انور نے حوالدار فضل احمد (۱۰ بلوچ) کے ساتھ مل کر فرار کا ایک عظیم منصوبہ تشکیل دیا۔ انہوں نے بڑی حکمت عملی سے تار کاٹنے کے لئے پلاس مہیا کرلیا۔ اگرچہ آستین کے سانپوں کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا، لیکن اب وہ انجام سے بے پرواہ ہوکر خطرات کی اندھی وادیوں میں کود جانا چاہتے تھے۔ تائید ایزدی نے اس عزم صمیم کو مزید استحکام بخشا۔

سارجنٹ انور اور حوالدار فضل احمد نے بھارتی میجر بھنڈاری اور کیپٹن اوتار سنگھ کا چیلنج قبول کرلیا تھا اور اب کسی بھی لمحے اس کا جواب دینے کے لئے تیاری کرنے لگے۔ یہ حقیقت ایک بار پھر وقت کی میزان پر سچی ثابت ہورہی تھی کہ مسلمان کا خمیر کبھی قید و بند کو قبول نہیں کرسکتا اور دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرات اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

دوسرے لوگ بھی اخبار پڑھتے اور ریڈیو سنتے، لیکن سارجنٹ انور ان سے کچھ اور اخذ کرتا۔ اس نے یہ مشغلے محض وقت گزارنے کے لئے اختیار نہ کئے تھے، بلکہ وہ شہروں کے نام، سڑکیں، بھارتی

مسلمانوں کے پتے، فون نمبر اور رہائشی حالات کا جائزہ لیتا، ان کے محلے میں مختلف واقعات حفظ کرتا، مسجدیں، چوکک، ریلوے اسٹیشن اور گاڑیوں کی آمد و رفت کے نظام الاوقات جیسے امور پر غور کرتا۔ اس کی نظر روزمرہ کے واقعات پر گڑی رہتی اور وہ ملکی اور غیر ملکی خبروں کا تجزیہ بھی کرتا۔۔ کسی بھی منصوبہ فرار کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس قسم کی معلومات از حد ضروری ہیں، کیونکہ آدمی اگر پکڑا جائے، تو کوئی کہانی گھڑ سکتا ہے۔

رفقائے سفر کی تلاش شروع ہوئی۔ جان پر کھیلنے والے اگرچہ کئی تھے، مگر مصائب و آلام میں پھنسانے اور مخبری کرنے والوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا۔ مناسب وقت کا انتظار گراں گزرنے لگا اور ایک پل صدیوں پر حاوی ہو گیا۔

پورے دو ماہ تک بھارتی محافظوں کی حرکات و سکنات کا نوٹس لیا گیا۔ صبح و شام کبھی چھپ کر اور کبھی کسی بہانے کن اکھیوں سے پہریداروں کی طرف دیکھتے رہتے اور ان کی عادات کا مطالعہ کرتے۔

ہندو میجر اور سکھ کیپٹن کا غرور حاک میں ملانے کے لئے سارجنٹ انور اور حولدار فضل احمد میدان میں کود چکے تھے۔

بھارتی چالیں

ہندوستانی جنتا نے پاکستان افواج کی ذہنیت تبدیل کرنے کے لئے مختلف حربے اختیار کئے، کیمپوں میں جو ہفتہ وار رسالے پڑھنے کو دیئے جاتے، وہ سراسر ناپاک پروپیگنڈے کا شاہکار تھے۔۔ یہ خطہ پاک کے مبینہ انتشار سیاسی لیڈروں کی چپقلش سے ''مزین'' ہوتے۔ کبھی کسی مسلمان پروفیسر کو کیمپ میں لایا جاتا اور وہ اسلام کی مجاہدانہ صفات ترک کر کے بزدلی کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا۔ ایک صاحب تو یوں فلسفہ بگھارنے لگے: ''میرے بھائیو، تمہارے لیڈروں کی ناعاقبت اندیشی نے تمہیں مصائب و آلام میں مبتلا کر دیا۔ خیر، جو ہونا تھا، ہو چکا، فتح و شکست کے افسانے عارضی ہوتے ہیں۔ اصل شے فکر آخرت ہے۔ کشت و خون، ہنگامہ و فساد اور باہم الجھاؤ شریفانہ فعل نہیں۔ ان کاموں کا انجام ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ بھارت اور پاکستان، دونوں ملک غربت کا شکار ہیں۔ جنگ کا راستہ دونوں کو تباہی کے بھیانک غار

میں دھکیل دے گا۔ ہمیں صلح آشتی کے ایک نئے دور کا آغاز کرنا چاہئے۔"

یہ صاحب اپنی تقریر پوری نہ کر سکے۔ پاک مجاہدوں نے تمسخر اڑایا اور انہیں بھاگتے ہی بنی۔ پھر کبھی ان کی شکل کیمپ میں دکھائی نہ دی۔ بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے ملک کا یہ باشندہ امن کی مالا جپ رہا تھا۔

منزل دور بھی ہے، دشوار بھی ہے۔

میجر بھنڈاری اور کیپٹن اوتار سنگھ نئے چہرے نہیں، ان سے مسلمانوں کو سابقہ ہزاروں سال قبل سے درپیش ہے۔ حوالدار فضل اور سارجنٹ انور بھی اسلام کے نئے سپوت نہیں، بلکہ عظیم روایت کا ایک روشن کردار ہیں۔ محمد بن قاسم سے برصغیر میں اس روایت کا آغاز ہوا اور یہ تا قیامت جاری رہے گی۔

گرمی کا موسم گزر چکا تھا اور بھارتی محافظ پہلے سے زیادہ ہوشیار اور چوکنا نظر آنے لگے۔ کچھ شبہ سا ہوا کہ بھارتیوں کو منصوبہ فرار کا علم ہو چکا ہے، مگر یہ محض شبہ ہی تھا۔ کچھ شبہ سا ہوا کہ بھارتیوں کو منصوبہ فرار کا فرار کا علم ہو چکا ہے، مگر یہ محض شبہ ہی تھا۔ اب انہیں اپنے آپ پر اعتماد اور بھی پختہ ہے، مگر یہ محض شبہ ہی تھا۔ اب اپنے آپ پر اعتماد اور بھی پختہ ہوگی اور انہوں نے منصوبے کو آگے بڑھایا۔ مزید چار جوان معیار کے مطابق سمجھ کر منصوبے میں شامل کر لئے گئے تھے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ حولدار حق نواز تحصیل کرک، ضلع کوہاٹ۔

۲۔ کارپورل شاہ نواز (ضلع سرگودھا)

۳۔ سپاہی محمد دین، ۱۰ بلوچ (ضلع گجرات)

۴۔ رنگروٹ محمد اسلم، ۱۵ بلوچ (ضلع جھنگ)

حوالدار فضل احمد نے حق نواز کے بارے میں شبہ کا اظہار کیا کہ وہ پٹھان ہے اور اردو روانی سے نہیں بول سکتا۔ اگر کیمپ سے باہر کہیں پوچھ گچھ ہوگئی، تو اس کا لہجہ صاف چغلق کھا جائے گا اور سب لوگ ساتھ ہی دھر لئے جائیں گے۔ سارجنٹ انور نے حق نواز کے سامنے یہ بات رکھی، مگر وہ ان کی رفاقت ترک کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوا۔ انور کئی موقعوں پر اس کا مخلصانہ جذبہ آزما چکا تھا۔ وہ ہر آزمائش میں پورا اترا۔

اس لئے اسے منصوبے میں شامل رہنے دیا گیا۔

..... بظاہر کیمپ سے باہر جانے کے تمام راستے مسدود تھے، آنکھیں خیرہ کر دینے والی گھومتی ہوئی روشنیاں، قدم قدم پر بھارتی محافظوں کی گشت، چاروں طرف بلند و بالا مینار اور ان پر مشین گنوں کے کھلے ہوئے دہانے خوف طاری کر رہے تھے، اس کے باوجود یہ چھ مجاہد مکمل راز داری سے انتظامات میں لگے رہے۔ کیمپ کا ایک ایک گوشہ بنظر غائر دیکھا گیا۔ آخر منصوبے کی تکمیل کے لئے صرف ایک ہی راستہ دکھائی دیا۔ اور وہ تھا ایک برساتی نالہ جس کے ذریعے کیمپ کا پانی باہر نکلتا تھا۔

عہد نامہ

برسات کا موسم شروع ہوا۔ آندھی اور بارش کا سماں پیدا ہو گیا۔ سب مجاہد، بھارتی پہریداروں کے نشیب و فراز سے باخبر تھے۔ ۱۱ ستمبر بابائے قوم محمد علی جناحؒ کی وفات کا دن ہے۔ پورا پاکستان اس وقت قائداعظمؒ کا سوگ منا رہا تھا، لیکن ان چھ مجاہدوں نے اس عظیم قائد کی یاد منانے کا مناسب طریقہ یہ طے کیا کہ غلامی کی بڑیاں کاٹ پھینکی جائیں اور ظلمات کا پردہ چاک کر کے رنگ و نور کے دیس، پاکستان پہنچنے کی کوشش کی جائے، چنانچہ وہ ۱۱ ستمبر ۱۹۷۲ء کو کیمپ کی مسجد میں جمع ہوئے اور اپنے مقدس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا پروگرام تیار کیا۔ آخری جزئیات پر بھی غور کر لیا گیا اور اسی شام تاروں کی باڑ کاٹ کر کیمپ سے نکلنے کا فیصلہ متفقہ طور پر ہوا۔

اس وقت منصوبے میں شریک افراد سے درج ذیل عہد نامہ لیا گیا۔

۱۔ ہم خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ کسی مرحلے پر غداری کے مرتکب نہ ہوں گے۔

۲۔ بالفرض اس راہ میں کوئی شخص شہید ہو جائے، تو باقی افراد خاموشی سے واپس لوٹ آئیں گے۔

۳۔ شام کے بعد طے شدہ مقام سے روانہ ہوں گے۔ کچھ لباس زیب تن ہو گا اور باقی ضروری کپڑے ایک پوٹلی میں الگ کمر سے بندھے ہوں گے۔

۵۔ سب سے پہلے سارجنٹ انور یا حوالدار فضل احمد باہر نکلنے کی کوشش کرے گا، باقی ان کی پیروی

کریں گے۔

ہر مجاہد سر شام اللہ کا نام لے کر طے شدہ مقام پر پہنچ گیا۔ جو باتھ روم سے ملحق تھا۔ یہاں سے کہنیوں کے بل رینگ کر تار تک پہنچنا تھا۔ تائید ربانی نے آغاز ہی میں رنگ دکھایا۔ موسلا دھار بارش نے اور بھی تندی اور تیزی اختیار کر لی۔ تار کا پہلا حلقہ انور اور فضل احمد نے مل کر پلاس کی مدد سے کاٹا۔ یہ خاردار تار بیس تاروں پر مشتمل باہم مربوط اور حلقہ نما تھی۔ اتنی جگہ بنالی گئی کہ آدمی رینگ کر باہر نکل سکے۔ یہ معمولی کارنامہ نہ تھا۔ بارش اپنے جوبن پر تھی۔ بدن پر واجبی سا لباس اور کانٹے دار تار الجھ الجھ کر جسم کو چھلنی چھلنی کر رہے تھے۔ اوپر سے محافظوں کی گشت اور واچ ٹاوروں پر مشین گنیں ہر لحظ چنگھاڑنے کے لئے تیار، بڑا پراسرار اور غیر یقینی ماحول تھا۔ ذرا سا بھی کھٹکا ہو جاتا، تو مشین گنوں کی تڑتڑاہٹیں آناً فاناً موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی۔

تار اور لیٹرین کے درمیان تین گز کا فاصلہ تھا۔ گندھی ہوئی تار کا حلقہ کٹ گیا، تو فضل احمد آگے بڑھا اور گیلری کی تار عبور کر کے برساتی نالے کی پلی میں داخل ہو گیا۔ پانی میں گرنے کی آواز سے محافظ چونک اٹھے۔ ایک انڈین محافظ دبے پاؤں پل پر نمودار ہوا۔ دائیں بائیں، آگے پیچھے دیکھا اور گزر گیا۔ اس نے باؤلے کتے کی طرح فضا کو سونگھا، لیکن کچھ محسوس نہ کر سکا۔ وہ چلا گیا اور پھر باقاعدہ گرڈ پٹرول آئی اور پلی پر سے گزر گئی۔

فضل احمد نے اپنا حلیہ سکھوں جیسا بنا رکھا تھا۔ کیمپ میں داخلے کے بعد اس نے حجامت کا سلسلہ بالکل ترک کر دیا تھا۔ سب لوگ اسے سائیں سائیں کہہ کر پکارتے۔ سارجنٹ انور نے اپنا حلیہ تبدیل کرنا مناسب نہ سمجھا، البتہ اس موقع پر دونوں نے سر پر گھاس باندھ رکھی تھی تاکہ ناگہانی سبہات سے محفوظ رہ سکیں۔

سارجنٹ انور، گیلری سے آگے بڑھا اور پلی سے لپ کر وہ دونوں رینگتے ہوئے آخری تار تک پہنچے۔ یہ بھی پہلی کی طرح بیس تاروں پر مشتمل اور حلقہ نما باہم مربوط تھی، چند لمحوں میں اسے بھی کاٹ ڈالا۔ ساتھ ہی صدائے بازگشت گونجی۔ ایک آواز پانی میں پلی کے نیچے اور دوسری آواز تاروں سے باہر۔ انڈین

محافظ شک وشبے میں مبتلا ہوئے۔ صدائے بازگشت آناً فاناً فضا میں تحلیل ہوگئی۔ اس وقت سارجنٹ انور، پلی کے نیچے تھا اور حوالدار فضل کیمپ سے باہر پانی میں چل رہا تھا۔ قریبی واچ ٹاور پر بیٹھے ہوئے محافظ نے شبے کی بناء پر چاروں طرف گھور گھور کر دیکھا، ٹارچ بھی استعمال کی، لیکن بے سود! شکار، ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

پلی کے نیچے سارجنٹ انور نے بدن سکیڑا، ایک محافظ تیزی سے پلی کے اوپر پہنچ چکا تھا، اس نے برساتی نالے میں اچھی طرح نگاہ دوڑائی۔ ٹارچ کو گھما پھرا کر ہر طرف دیکھا۔ نالے کا پانی حسب معمول شوریدہ سری سے رواں دواں تھا۔ وہ سارجنٹ انور کو پلی کے نیچے اس لئے نہ دیکھ سکا، کیونکہ اس مجاہد نے اپنے آپ کو حتی المقدور اوپر اٹھا کر پلی کی چھت سے لگا رکھا تھا۔ کئی بار محافظ نے ٹارچ کی روشنی پلی کے نیچے لہرائی، مگر قدرت خداوندی نے اس کی آنکھوں پر دبیز پردہ ڈال دیا تھا۔ تلاش بسیار کے بعد وہ منہ لگائے ناکام واپس چلا گیا۔ اس وقفے میں سارجنٹ انور کے پاس تیسرا جوان، حق نواز پہنچ گیا۔ اس نے بھی اینٹوں سے ابھرے ہوئے کناروں کے سہارے پائین پشت بلند کر لی اور پلی سے چمٹ گیا۔ نالے میں پانی کے بہاؤ میں ذرا بھی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ بارش ایک بار مدہم ہو کر پھر تیز ہوگئی۔ ہوا کے تند و تیز جھونکے اور بھی شدت اختیار کر گئے۔ یوں ماحول کی پراسراریت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

سارجنٹ انور پھرتی سے باہر نکلا اور کیمپ کا آخری تار عبور کر کے باہر چلا گیا۔ حق نواز نے بھی اس کے پیچھے چست لگائی اور کیمپ سے باہر اسے جا ملا۔ انور نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ایک محافظ بڑا مستعد نظر آ رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتا پلی پر پہنچا۔ پھر اس نے تاروں کی باڑ کی طرف دیکھا، تو اسے کٹا ہوا پایا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش کھڑا سوچتا رہا۔ پانچ منٹ تک وہ کسی سوچ میں غرق رہا۔ سارجنٹ انور جانتا تھا ایسے موقع پر ایک بھارتی کا ردعمل کیا ہوگیا؟ یہی کہ وہ ذمہ داری سے کسی نہ کسی طرح بچ جائے۔

اس کا اندازہ درست نکلا، پورے پانچ منٹ پلی پر گزارنے کے بعد محافظ وہاں سے غائب ہوگیا۔ اس کا مفاد اسی میں تھا کہ اس وقت خاموش رہے۔ اگر وہ شور مچا دیتا، تو خود غفلت اور فرض منصبی کی عدم ادائیگی کے جرم میں اسے کڑی سے کڑی سزا مل سکتی تھی۔ جونہی محافظ وہاں سے ہٹا، باقی ساتھی بھی کیمپ سے باہر پہنچ گئے۔

کفر پر حق غالب آ چکا تھا۔ انڈین میجر بھنڈاری اور کیپٹن اوتار سنگھ کا غرور خاک میں مل چکا تھا۔ ان کے چیلنج حرف غلط ثابت ہوئے۔ آج میجر بھنڈاری یا کیپٹن پٹھانی کیمپ میں ہوتے، تو یہ کارنامہ انہیں موت کی دعوت دیتا یا وہ ندامت سے سر جھکا لیتے۔ ان کی تمام حفاظتی تدابیر، ریت کے گھروندوں کی طرح زمین پر آ گریں۔ کبر و نخوت کا نشہ ہرن ہو گیا۔

موسیٰ نے فرعون کے لشکر کے سامنے نیل پار کر لیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم، کفار مکہ کا نرغہ چیر کر مدینہ پہنچ گئے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ انڈین محافظ، سکتے میں گرفتار رہے اور پاک فوج کے چھ جیالے کیمپ سے باہر آنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ بھارتی درندوں کی آنکھوں پر غنودگی کا ایسا پردہ پڑا کہ وہ وقت پر معلوم بھی نہ کر پائے کہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ اگلے دن نو بجے صبح انہیں صورت حال کا علم ہوا، تو ان کے حواس گم ہو گئے۔ وہ باہم دست و گریباں تھے۔ ہر ایک، دوسرے کو الزام دے رہا تھا۔ کوئی گیٹ کے محافظوں کو ملوث کرتا اور کوئی افسروں کو مجرم گردانتا، جن کی شیخیوں نے اس ردعمل کو دعوت دی تھی۔

تائید ربانی سے منصوبے کا ایک مرحلہ کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

موت کے سائے میں

حق نواز، سارجنٹ انور سے ملا، تو بولا: بھائی جان، خدا کی قسم! محافظ نے مجھے دیکھ لیا۔ اب کیا کیا جائے؟''

انور نے اسے تسلی دی اور طے شدہ پروگرام ترک کر کے نالے کے اندر اندر دونوں چلنے لگے۔ راہ پر خطر، گندگی اور غلاظت سے پٹی ہوئی، زہریلے سانپوں کی کثرت، بارش کی تندی و تیزی، بجلی کی کڑک، گرج اور چمک، رات کی تاریکی اور انڈین محافظوں کے تعاقب کا خوف اس پر مستزاد۔

برساتی نالے کے اندر ایک میل سفر طے کرنے کے بعد انہوں نے ماحول کا جائزہ لیا اور ہر طرح کا اطمینان کر کے وہ باہر نکل آئے۔ رات کے گھپ اندھیرے میں دوسرے چار ساتھی ان سے بچھڑ چکے تھے۔ وہ اپنے راستے پر رواں دواں رہے اور انہوں نے اپنا راستہ اختیار کیا۔ چلتے چلتے دریائے گنگا کے کنارے پہنچے۔ نیرنگی روزگار پر انور حیران تھا۔ کبھی انہی دریاؤں پر اس کے اسلاف حکمرانی کر چکے تھے اور آج وہ کسمپرسی کے عالم میں مبتلا تھا۔ کچھ کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔ کھوج مٹانے کے لئے انہوں نے ایک کشتی

کھولی اور کنارے کے ساتھ ساتھ سفر شروع کر دیا۔ ایک فرلانگ مسافت طے کرنے کے بعد کشتی کنارے پر لے آئے۔ کیچڑ وغیرہ بدن سے صاف کیا۔ پل قریب تھا اور اس پر بھارتی سنتریوں کی موجودگی لازمی تھی، مگر موسلا دھار بارش نے یہاں بھی آسانی پیدا کر دی۔ سنتری کی قوت حس سلب ہو چکی تھی۔ دونوں مجاہد اطمینان سے پل عبور کر کے دریا کے پار پہنچے۔ رات بھر سفر جاری رہا۔

۲۱ ستمبر کا سورج طلوع ہوا، ایک ریلوے اسٹیشن سامنے تھا۔ انہوں نے نماز فجر ادا کی۔ بارش تھم گئی، لباس وغیرہ تبدیل کیا، پھر وہ ریلوے پلیٹ فارم پر پہنچے۔ اسٹیشن کا نام سرائے چنڈی لکھا ہوا تھا۔ اگرچہ وہ مسلسل سفر کی وجہ سے تھک چکے تھے، مگر سفر پھر بھی پایہ سفر رہے۔ چلتے چلتے پھول پور نامی قصبے میں پہنچے، تقریباً دس بجے کا وقت تھا، تھوڑی دیر بازار میں گھومے پھرے، کچھ پکڑے کھائے۔ اس وقت تک وہ پیدل پچاس میل کا سفر طے کر چکے تھے۔ عصر تک وہ اسی قصبے میں ٹھہرے۔

یہاں سے ایک پختہ سڑک ''ہانڈیا روڈ'' گزرتی تھی اور بناس شہر ایک سو تیس میل دور تھا۔ مزید سفر شروع کرنے سے پہلے انہوں نے اپنی ضروریات کا جائزہ لیا۔ پلاسٹک کے لفافوں میں درج ذیل اشیاء موجود تھیں:

پورا لباس (دھوتی، قمیض، شلوار اور جرسی) صابن، جوتی، تیل، سیفٹی بلیڈ، سوئی دھاگا، ڈیٹول، وٹامن گولیاں اور پٹی۔

موسلا دھار بارش رک تو گئی تھی، لیکن مطلع صاف نہ ہوا تھا کبھی کبھار ہلکی بلکہ بوندا باندی ہو جاتی، جس سے ان کا لباس بھیگ گیا، اس کے باوجود انہوں نے پولپور کے ایک مسلمان دکان دار عبدالجبار سے ملاقات کا فصلہ کیا۔ اپنے بارے میں اسے صحیح معلومات بہم نہ پہنچائیں۔ صرف اتنا کہا: ''ہمارے نام محمد اکرم اور محمد افضل ہیں۔ ہم لکھنؤ جانا چاہتے ہیں۔ فلاں رہائشی محلہ ہے۔ فون نمبر ۴۰ ہم پارچہ فروش ہیں۔ ڈکیتی کا شکار ہو گئے۔ اب کچھ نقدی درکار ہے اور وہ بھی صرف اس شرط پر ہم سے جرسی یا دھوتی جو چاہے لے لو، ہماری ضرورت باعزت طریقے سے پوری ہو جائے گی۔''

دکاندار کوئی شریف آدمی تھا۔ اس نے سادہ لفظوں میں معذوری ظاہر کی اور کہنے لگا: ''میں کچھ

خریدنے کی پوزیشن میں نہیں، یہ ایک روپیہ حسب توفیق دے رہا ہوں، قبول کرلو۔"

انہوں نے روپیہ لینے سے انکار کیا۔ خاصی بحث کے بعد پانچ روپے زبردستی ان کے ہاتھ میں تھما دیئے اور کوئی چیز خریدنے کو تیار نہ ہوا، پھر اس نے ایک مسلمان ڈاکٹر کا پتہ دیا، جو اسی بازار میں تھا۔ باتوں میں ایک بنیا بھی دکان پر آ گیا۔ اس نے بھی دکاندار کی حمایت کرتے ہوئے کہا: "یہ ان داتا شریف آدمی ہے، جو کہتا ہے سچ جانو۔ اس کے پاس زیادہ رقم نہ ہوگی، تم ڈاکٹر کے پاس چلے جاؤ، وہ حسب خواہش رقم مہیا کردے گا۔"

انہوں نے موقع غنیمت جانا۔ کسی نے ان پر شک کا اظہار نہ کیا۔ پانچ روپے جیب میں ٹھونسے اور وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ بس لکھنؤ کی گاڑی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں۔ دکان دار نے بتایا: "لکھنؤ کا ٹکٹ یہاں پھول پور اسٹیشن سے لے لو۔ راستے میں پھاپھاماؤ جنکشن پر گاڑی تبدیل کر لیا، وہ سیدھی لکھنؤ پہنچا دے گی۔"

وہ دونوں پھول پور اسٹیشن پہنچے۔ ٹکٹ لیا۔ گاڑی آئی اور اس میں سوار ہو گئے۔ گاڑی ابھی روانہ ہی ہوئی تھی کہ انہیں راستہ مشتبہ معلوم ہونا لگا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ادھر ہی سے گزرے تھے۔ گاڑی کی رفتار کے ساتھ ساتھ ان کے شبہات زور پکڑتے گئے۔ جب وہ پھاپھاماؤ جنکشن پر پہنچے تو از حد پریشان تھے: تاہم انہیں یہ اطمینان ضرور تھا کہ کیمپ کے اندر نہیں، باہر ہیں اور جو خدا کو منظور ہے وہی ہوگا۔

گرفتاری ادھر ڈوبے ادھر نکلے.....

دونوں مجاہد گاڑی سے نیچے اترے۔ لکھنؤ کی گاڑی آنے میں دس منٹ کی دیر تھی۔ وہ دوسرے مسافروں کے ہمراہ پلیٹ فارم پر گھومنے لگے۔ پھر بنچ پر بیٹھ گئے۔ ایک کانٹے والا قریب سے گزرا، تو غلطی سے پوچھ بیٹھے: بھائی شام ہونے کو ہے، لکھنؤ کی گاڑی کب آئے گی؟"

یہی ایک سوال ان کے تمام مصائب کا باعث بنا۔

حق نواز کے پٹھانی لب و لہجے نے چغلی کھائی اور کانٹے والا دل میں سینکڑوں شبہات لئے آگے روانہ ہو گیا۔

سورج آغوش مغرب میں غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ گاڑی اسٹیشن میں داخل ہوئی۔ ابھی وہ رکنے نہ پائی تھی کہ انور کی نظر ایک مسلح اور تنومند پولیس مین پر پڑی۔ ارد گرد دیکھا، تو متعدد باوردی سپاہی ہر قسم کے اسلحے سے لیس گھیرا ڈال رہے تھے۔ اسی عالم میں بھاگنا بے سود تھا۔

وہ لمحہ آ چکا تھا جس سے وہ خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ اس ایک ملحے نے ان کی زندگی میں عظیم انقلاب برپا کر دیا۔

سارجنٹ انور نے حق نواز سے کہا: ''یہ لوگ ہمارے تعاقب میں ہیں۔ یوں لگتا ہے، کانٹے والے نے مخبری کر دی۔ اب مصلحت اسی میں ہے، خاموش اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔''

اس اثنا میں پولیس مین اس کے قریب آ کر بولے: ''تم لوگ کون ہو!''

سارجنٹ انور: ''مسلمان!''

سپاہی: ''تم پاکستانی معلوم ہوتے ہو؟''

انور: ''ہم اور پاکستانی۔ یہ کیا نسبت؟''

سپاہی: تم کیمپ سے بھاگ آئے ہو۔ تمہاری تلاش میں سرگرداں ہیں۔''

انور: ''کوئی ثبوت؟''

سپاہی: ''یہی کہ تمہارا حلیہ، طرز گفتار اور تمہارا لب ولہجہ ظاہر کرتا ہے، تم پاکستانی ملٹری مین ہو۔''

انور: ''نہیں، یہ سراسر غلط فہمی ہوئی تمہیں، ہم کاروباری آدمی ہیں اور لکھنؤ کے مسلمان شہری ہیں، واپس گھر جا رہے ہیں۔ میرا نام اکرم اور اس کا نام افضل ہے۔ مسلم محلہ لکھنؤ، فون نمبر ۴۰ پر معلوم کر سکتے ہو۔''

پولیس: ''تمہاری تعلیم کیا ہے؟''

انور: میں صرف پرائمری پاس ہوں، افضل مڈل پاس ہے۔''

پولیس: ''تمہارے پاس ریلوے ٹکٹ موجود ہیں؟''

انور: ''جی ہاں۔ یہ رہے ٹکٹ، ہم پھول پور سے آ رہے ہیں اور لکھنؤ تک جانا ہے۔ تم لوگ بلاوجہ

مسافروں کو پریشان کرتے ہو۔"

اس اثنا میں گاڑی پلیٹ فارم سے آ لگی۔۔ یہ دونوں اس میں سوار ہونے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھے۔ ان کے عزائم دیکھ کر پولیس والے مخمصے کا شکار ہو گئے۔ آخر ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا۔

"ہمارے ساتھ چوکی تک چلو۔ اگر معاملہ صاف ہوا، تو دوسری گاڑی لے لینا۔"

"تنگ نہ کرو۔ ہمارا سفر خراب ہوگا۔"

"ہماری بات مان لو۔ ہمیں اطلاع ملی ہے تم پاکستانی ہو اور ایک کیمپ س بھاگ نکلے ہو۔ تحقیق حال کے لئے ریلوے چوکی تک لازماً جانا ہوگا۔"

اب تک پولیس کا لب ولہجہ مودبانہ تھا، کیونکہ ان کا شبہ یقین میں نہ بدلا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے، ممکن ہے وہ غلطی پر ہوں اور بعد میں یہ لوگ الٹا مصیبت بن جائیں۔

پولیس کا محاصرہ بدستور جاری تھا۔ اچانک سادہ کپڑوں میں ملبوس ایک شخص آگے بڑھا۔ وہ غالباً کوئی انٹیلی جنس افسر تھا۔ اس نے کہا: جوانو! تمہارا سفر تو ضرور خراب ہوگا" لیکن یہ پولیس والے جو کہتے ہیں، اس پر عمل کرو۔ تمہارا فائدہ بھی ہے اور ملکی خدمت بھی۔"

مجبوراً ان کے ہمراہ چوکی پر پہنچے۔ وہاں بھی متعدد سوالات پوچھے گئے اور انہوں نے تک بندی سے الٹے سیدھے جواب دیئے۔ بالآخر ایک سب انسپکٹر نے کہا:

"تم وجیہہ نوجوان ہو۔ اس قد کاٹھ کے لوگ لکھنؤ میں نہیں بستے۔ اگرچہ تمہارے جواب درست ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے تم نے ازبر کر رکھے ہیں۔"

سارجنٹ انور نے کہا: "ہمیں حوالات میں بند کر دو اور ہمارے فون نمبر 40 پر بات کر کے دیکھ لو۔"

سب انسپکٹر نے جواب دیا: "میں قید کیوں کروں؟ میرے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں رہا فون کا سلسلہ وہ تھانہ سراؤں میں ہے، اس کے لئے وہاں جانا ہوگا۔"

اس وقت ریلوے پولیس چوکی کا سب انسپکٹر پوری حقیقت سمجھ چکا تھا اور ان لوگوں کو کسی نہ کسی بہانے بھانے لے جانا چاہتا تھا۔

اب تھانے چلنے کا پروگرام بنا۔ ابھی تک ان کا سامان محفوظ تھا۔ یہ دونوں ایک سپاہی کے ہمراہ ڈرائیور کے پاس بیٹھ گئے۔ باقی سپاہی جیپ کے پچھلے حصے میں سوار ہوئے۔ تھانے کی حدود میں پہنچے تو نیم تاریکی کا سماں تھا۔ انہوں نے گاڑی سے چھلانگ لگا کر بھاگ جانے کی صلاح کی، مگر حق نواز نے ایسی کوشش کو ناممکن قرار دیا۔

سارجنٹ انور نے اس موقع پر دل ہی دل میں ایک عظیم فیصلہ کیا۔ اس نے سوچا، اگر پولیس نے تفتیش شروع کر دی تو اس کے باقی ساتھیوں کی قسمت بھی تباہ ہو کر رہ جائے گی، کیونکہ وہ سب ابھی تک انڈیا کی حدود میں ہوں گے۔ اگر منصوبے کے بارے میں پولیس ان سے کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو گئی، تو ان سب کو گرفتار کر کے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ اس خیال سے اس نے ایک بار پھر اپنے ساتھی حق نواز کو آنکھوں کے اشارے سے اکسایا۔ شاید وہ اس کا مقصد سمجھ چکا تھا، اس نے بھی حامی بھر لی۔

وہ پروگرام کے مطابق تھانہ سراؤں کے احاطے میں جیپ سے اترے۔ سامنے تھانے کی عمارت اور پولیس کی خاصی نفری تھی۔ جیپ کے اندر بھی مسلح گارد موجود تھی۔ انور نے نیچے اترتے ہی چیتے کی سی انگڑائی لی اور قریبی سپاہی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: ''کہاں لے جانا چاہتے ہو؟''

وہ بولا: ''سامنے تھانے میں۔'' اس نے گردن گھما کر تھانے کی طرف اشارہ کیا۔ ساتھ ہی سارجنٹ انور نے جھپٹ کر اس کی گردن پر اس زور سے مکا رسید کیا کہ وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے ماتھے سے خون کا فوارہ پھوٹ بہا۔ پھر اس نے اسی سپاہی کا ڈنڈا چھین لیا اور تھانے کی دیوار پھلانگنے کے لئے جست لگائی اور پوری رفتار سے بھاگنا شروع کر دیا۔ حق نواز بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ ایک فرلانگ کے فاصلے پر فصلیں نظر آئیں۔ انور تیزی سے ان میں داخل ہو گیا، لیکن حق نواز کا پاؤں بدقسمتی سے پھسلا اور پولیس نے تعاقب کر کے اسے پکڑ لیا۔

ان گنت سپاہی انور کے پیچھے کھیت کے کنارے تک پہنچے۔ ان کے پاس اسلحہ موجود تھا، مگر پھر بھی

انہیں اندر داخل ہونے کی جرات نہ ہوئی، نہ انہوں نے فائرنگ کی۔ اندھیرا برابر بڑھ رہا تھا۔ انور ایک کھیت سے دوسرے کھیت میں داخل ہوتا چلا گیا۔ پولیس بھی اندازاً اس کے ساتھ ساتھ کناروں پر آگے بڑھ رہی تھی، اچانک انور نے اپنا رخ بدل لیا۔ پولیس والے سراغ نہ پا سکے اور وہ بخیر و خوبی ان کے نرغے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

پولیس والے انور پر آوازے کستے آگے ہی بڑھ رہے تھے اور وہ پیچھے مڑ کر سڑک کے بار دوسرے کھیتوں میں گھس گیا۔ بارش دوبارہ ہونے لگی تھی اور وہ اس حقیقت سے لاعلم تھا کہ حق نواز پولیس کی گرفت میں آچکا ہے، اس لئے خاصی دیر تک تھانے کے اردگرد گھومتا رہا تا کہ اسے اپنے ساتھ شامل کر سکے..... لیکن وہ ہوتا، تو مل پاتا۔ اگر اسے بروقت پتہ چل جاتا، تو وہ خود اتنی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ چکا ہوتا اور وہ آفات اس پر نازل نہ ہوتیں جو انتظار کی صورت میں اس پر گھر آئی۔

پولیس نے اپنا رابطہ دیہات سے قائم کر لیا۔ مزید برآں انہوں نے آرمی کو بھی اطلاع دی۔ سارجنٹ انور کے گرد ایک بہت بڑا جال بچھتا چلا گیا۔

پرات کے کسی حصے میں وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں اس کے سامنے ایک تالاب تھا اور باقی ہر طرف پولیس ناکہ بندی کئے کھڑی تھی۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والی کیفیت تھی۔ سب راستے بند ہو چکے تھے اور سارجنٹ انور تن تنہا سانس روکے کسی سوچ میں غرق ہو گیا۔

اچانک بجلی چمکی، پولیس والوں کو اس چمک میں اس کا ہیولیٰ سا دکھائی دیا۔ وہ دوڑ کر اس کی طرف بڑھے اور یہ پھرتی سے تالاب میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ کو سرکنڈوں میں چھپا لیا۔

پولیس کے سپاہیوں نے ٹارچ کی مدد سے بہتیرا تالاب میں تلاش کیا، مگر انہیں کچھ دکھائی نہ دیا۔ ناچار آگے بڑھ گئے۔ بھلا اس تیز بارش میں وہ کہاں کہاں مارے پھرتے؟

سارجنٹ انور نے اپنا سفر جاری رکھا۔ کئی گاؤں آئے اور وہ ان کے قریب سے گزر گیا۔ آخر ایک درخت کے نیچے پہنچا۔ تو بھوک، پیاس اور تھکن نے بے حال کر دیا۔ کچھ ستانے کا ارادہ کیا۔ نیند فوراً غالب آ گئی۔ بیدار ہوا، تو پھر راہ لی۔ اگلے روز بھی سفر جاری رہا۔ منزل نامعلوم، راہ پر خطر، پولیس کا تعاقب اور

فاقہ کشی کا عروج۔ اس کیفیت میں وہ ہانڈیا روڈ پر پہنچ گیا۔ اچانک ایک ٹرک گزرا۔ اس نے سڑک کے کنارے درختوں کی آڑ لے لی۔ یہ سول ٹرک تھا۔ وہ پھر اطمینان سے سڑک پر ہولیا۔ چند میل چلا ہوگا کہ ایک جیپ آتی دکھائی دی اور اس کے قریب پہنچ کر اس کی رفتار کم ہوتی چلی گئی۔ اس وقت شام ہو چکی تھی۔

اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ وہ اس جیپ والے سے لفٹ مانگے گا۔ اگر اس میں ایک ہی شخص ہوا، تو اس کا کام تمام کر کے جیپ خود سنبھال لے گا، ڈرائیونگ تو جانتا ہی تھا۔

ستم ظریفی ملاحظہ ہو یہ جیپ پولیس کی تھی اور اسی کے تعاقب میں گھوم رہی تھی۔ اس میں ایک میجر، ایک سب انسپکٹر اور دیگر سپاہی سوار تھے۔ جیسے ہی وہ اس کے قریب آ کر رکی، ایک شخص کرخت آواز بولا: ''یہ وہی پاکستانی مفرور ہے۔''

سارجنٹ انور نے یہ سنتے ہی سڑک چھوڑ دی اور کنارے سے نیچے اتر گیا۔ آگے پانی ہی پانی تھا، اس نے پولیس کا ڈنڈا پھینک دیا، یہ اس نے تھانے سے چھینا تھا۔ خود پانی میں داخل ہو گیا۔ شروع میں پانی کی گہرائی تین فٹ تھی، لیکن یہ بتدریج مزید گہرا ہوتا چلا گیا۔ جیپ میں سوار بھارتی فوج اور پولیس اس کے تعاقب میں ناکام رہی۔ مسلسل بارش اور رات کی تاریکی میں کون بھارتی سورما، پانی میں داخل ہونے کی جرات کر سکتا تھا، بالآخر مایوس ہو کر وہاں سے چل دیئے، جیپ کی روشنیاں ایک میل دور تک دکھائی دیتی رہیں، اب سارجنٹ انور، پانی سے باہر نکل آیا۔

سلسلہ فرار جاری رہا۔ پندرہ بیس میل کی مسافت طے ہو چکی تھی، ایک برساتی نالہ آیا اور وہ اس کے کنارے ہولیا۔ دن کے وقت سورج یا کسی آدمی سے اطراف معلوم ہو جاتیں، لیکن رات کے وقت بڑی دشواری پیش آتی۔ سمت کا اندازہ نہ ہو سکتا۔ قریبی دیہات شاید ہندوؤں کے تھے، کیونکہ دور دور تک کہیں سے اذان کی آواز بھی سنائی نہ دی۔

۱۳ ستمبر کو صبح سویرے وہ ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ ایک کالا کلوٹا شخص بھاگتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ انور نے بھی جواباً خشمگیں نگاہیں اس پر ڈالیں، وہ خفت مٹانے کے لئے اسی طرح بھاگ کر واپس چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد قریبی گاؤں کے اسپیکر پر آواز گونجی: ''ایک پاکستانی مفرور اس علاقے میں موجود ہے۔ سرکار نے اسے ہر قیمت پر گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا حلیہ یہ ہے: قد چھ فٹ، رنگ سفید اور سرخ، چہرہ گول بھرا ہوا، ناک پتلی لمبی، آنکھیں سیاہ، جسم مضبوط۔'' یہ اعلان بار بار دہرایا جاتا رہا۔

سارجنٹ انور سمجھ گیا کہ وہ کریہہ المنظر شخص، پولیس کا مخبر تھا، لیکن بزدل بھاگ گیا۔ اس نے گاؤں میں جا کر اعلان کر دیا۔ اب ایک گاؤں سے دوسرے اور وہاں سے تیسرے گاؤں میں پاکستانی مفرور کی خبر پھیل گئی۔

پورا علاقہ، چھ فٹ قامت کے وجیہہ نوجوان کا متلاشی تھا اور وہ خستہ حال ان کے درمیان سرگرداں تھا۔ بدن کیچڑ میں لت پت، لباس بارش سے تربتر، ڈاڑھی بڑھی ہوئی اور آنکھوں میں تھکاوٹ کی پرچھائیں۔

اب انور نے اندازے دوبارہ پھول پور کا رخ کر لیا تاکہ اس مسلمان دکان دار کے پاس پناہ تلاش کر سکے، مگر اسے معلوم نہ تھا کہ اب اس کے قدم ایک بار پھر زندان کی طرف اٹھ رہے ہیں۔

اتفاقاً اس کا آمنا سامنا دو ننھے بچوں سے ہو گیا۔ وہ شاید پرائمری اسکول کے طالب علم ہوں گے۔ اعلان کے مطابق وہ پاکستانی جاسوس کی باتیں کر رہے تھے، اسے دیکھتے ہی ان کے شبہات، یقین میں بدل گئے اور وہ آہستہ آہستہ اس کے پیچھے ہو لیے۔ سارجنٹ انور نے ایک گاؤں کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں کا راستہ اختیار کرنے کے لیے قدم تیزی سے بڑھائے۔ وہ بدستور سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے رہے، اچانک ایک پندرہ سالہ سائیکل سوار پیچھے سے آیا۔ اس وقت انور، ہندوؤں کے محلے سے گزر رہا تھا، اس سائیکل سوار نے آواز کسا: ''یہ پاکستانی جاسوس جا رہا ہے۔''

آواز سنتے ہی لمحہ بھر میں لوگوں کا ٹھٹھ لگ گیا۔ سب چھوٹے بڑے، لاٹھیوں، کلہاڑیوں اور برچھیوں سے مسلح تھے، انہوں نے سارجنٹ کو زبردستی ایک حویلی میں بٹھا دیا اور لگے پوچھ گچھ کرنے۔ اس نے رٹے رٹائے جواب دیے، جب اس نے کہا کہ وہ لکھنؤ کا مسلمان باشندہ ہے، تو وہ سائیکل سوار بچہ جو ابھی تک کھڑا محو تماشا تھا، اچانک چل دیا۔ یقیناً وہ خود مسلمان تھا، ورنہ یوں غائب نہ ہوتا۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

ایک سب انسپکٹر، آٹھ مسلح سپاہیوں کے ہمراہ موقع پر پہنچ چکا تھا، وہ دیکھتے ہی کہنے لگا: ''ہاں، یہ وہی پاکستانی ہے جو ہمیں مطلوب ہے۔'' پھر وہ ریوالور تان کر سارجنٹ انور کے سامنے کھڑا ہو گیا، پھر ایک انڈین میجر، بائیس فوجی جوان، تھانہ سراؤں کا سب انسپکٹر، اے ایس آئی اور دیگر پولیس مین بھی آ گئے۔ کفار کی نفری دو سو تک پہنچ گئی۔ دشمن کے ہر قسم کے ہتھیاروں کے سامنے پاک فضائیہ کا ایک دلیر شاہین سینہ تانے بیٹھا تھا۔

وہ اپنا عہدہ پایہ تکمیل تک پہنچا چکا تھا۔

تھانے سے فرار ہوئے اسے چوبیس سے زائد گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس اثناء میں اس کے دوسرے ساتھی، بھارتی پولیس کی دسترس سے نکل گئے ہوں گے۔

پورے دو دن کا وقفہ کچھ کم نہیں ہوتا۔

اس الوہی اطمینان کی جھلک صاف طور پر اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

اب اس کی گرفتاری باقی ساتھیوں کے لئے وبال جان نہ بن سکتی تھی۔

اس سے دل ہی دل میں درگاہ خداوندی میں التجاء کی:

''الٰہی، تیرا خطاء کار بندہ ہوں، کفر کے نرغے میں پھنس چکا ہوں، سب راستے مسدود ہیں، مجھے حوصلہ اور ہمت عطا فرما اور اس ابتلا کا سامنا کرنے کے لئے استقلال کی دولت بخش۔ آمین!''

مسلسل سفر اور فاقہ کشی کے سب بدن ٹوٹ رہا تھا، مگر وہ عزم کا پیکر، چارپائی پر بڑے سکون سے بیٹھا تھا۔ گاؤں کے زن و مرد اور بچے گلی کوچوں اور مکانوں کی چھتوں پر محو تماشا تھے۔

سب انسپکٹر بدستور ریوالور تانے سامنے کھڑا تھا، اچانک ہجوم میں سے ایک سکھ سپاہی آگے بڑھا۔ سارجنٹ انور نے اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھا، تو رائفل کا بٹ پوری قوت سے سکھ نے اس کی پیٹھ پر دے مارا۔ وہ ابھی اس ضرب سے سنبھلنے نہ پایا تھا کہ سب انسپکٹر نے ریوالور اس کے ناک پر مارا۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور خون بہہ نکلا..... اب اس کا بدن تھا اور بھارتی لاؤ لشکر کی سنگینیں اور بٹ۔ خون کے فوارے

پھوٹے اور عشق ایک ہی جست میں تمام منزلیں طے کر گیا۔

دشمن کے بوٹوں، بندوقوں کے بٹ اور رائفل کی سنگینوں کے آگے اس کا جسم گیند کی مانند ادھر ادھر لڑھک رہا تھا۔ آہستہ آہستہ بے حس ہونے لگا۔ کنپٹیوں کے زخم اس کے جسم و جاں کے رشتے کو کئی بار منقطع کر دیتے، لیکن ایک نئی سزا سہنے کے لئے وہ پھر ہوش میں آ جاتا، پھر ایک آواز آتی: ''مجرم کا سر محفوظ رکھو اور باقی جسم تختۂ مشق بنا لو۔'' معلوم نہیں یہ سلسلہ کب تک جاری رہا۔ بعد میں اس کے ہاتھ بھی پیچھے باندھ دیئے گئے۔ ان حالات میں گاؤں سے روانگی کا حکم ملا۔ سر سے پاؤں تک ایک ایک عضو درد کر رہا تھا۔ دشمنوں نے ایک ایک ہڈی کو سرمہ بنا کر رکھ دیا۔ ریڑھ کی ہڈی توڑ دی، کمر میں کئی انچ اندر سوراخ ہو گیا، لیکن سارجنٹ انور کا تنومند جسم یہ سب کچھ برداشت کر گیا..... اور یہی بات بھارتی درندوں کو کھائے جاتی تھی کہ ان کا بے پناہ ظلم و تشدد ایک شخص کو سرنگوں نہیں کر سکا۔ بالآخر تمام حدیں پھلانگ کر انہوں نے اس کے خاص حصوں پر ضربیں لگائیں۔ اس کڑی سزا کے سامنے کوئی شخص نہیں ٹھہر سکتا۔ سارجنٹ انور بھی پہلی بار چکرا کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔

حواس بحال ہوئے، تو اس نے اپنے آپ کو سدھائے ہوئے کتوں کی پوری رجمنٹ میں گھرا ہوا پایا، لیکن ان کا تر نوالہ بنانے سے پہلے اس سے پوچھ گچھ کی گئی:

''تم کون ہو؟''

''ایک مسلمان۔''

''کیا تم جنگی قیدی ہو؟ کس کیمپ سے تعلق رکھتے ہو؟''

''الہ آباد کے کیمپ ۳۹ سے۔''

''نام کیا ہے؟''

''انور۔''

''کتنے آدمی فرار ہوئے؟''

''چھ جوان۔''

''باقی کہاں ہیں؟''

''ایک شاید پولیس کی تحویل میں ہوگا، دوسروں کے بارے میں علم نہیں۔''

''فرار کا منصوبہ کس نے تیار کیا؟''

''صحیح علم نہیں۔''

''تار کیسے کاٹے گئے؟''

''پلاس کی مدد سے۔''

''پلاس کہاں سے لیا۔؟''

''میں نہیں جانتا۔''

''سرحد کہاں سے عبور کرنا تھا۔؟''

''مجھے پتہ نہیں۔''

''کون شخص کیمپ سے پہلے باہر نکلا؟''

''سائیں فضل احمد۔''

''کیا وہ تمہارا دوست تھا؟''

''نہیں۔صرف ایک دن پہلے اس سے واقفیت ہوئیں''

''تھانہ سراؤں میں تمہارا جو ساتھی گرفتار ہوے، وہ تمہیں منصوبہ ساز ٹھہراتا ہے۔ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟''

''وہ کہتا ہوگا، لیکن میں نہیں جانتا''

اس سوال کے بعد ظلم و جور کے نئے مرحلے کا آغاز ہوا۔ سدھائے ہوئے کتے اس پر چھوڑ دیئے گئے۔ انہوں نے بڑھ چڑھ کر اس پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ ٹانگیں پوری طاقت سے گھسیٹیں، بازو جھنجھوڑے اور رہی سہی ہڈیاں چبا ڈالی۔

اس کے مضبوط اعصاب ایک بار پھر جواب دے گئے اور وہ بے سدھ ہو کر گر پڑا۔ اسے کچھ معلوم

نہیں کب اور کیسے کتے ہٹائے گئے؟ کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا، تو پھر انہی سوالات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ حس سابق اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

زندگی اور موت میں پانچ منٹ کا وقفہ

انڈین میجر غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں کے سامنے کچھ بکتا رہا۔ پر اے، ایس، آئی کو قریب بلایا اور سارجنٹ انور کی قسمت کا فیصلہ ہونے لگا۔

ادھر کاتب تقدیر مسکرا رہا تھا۔

فیصلہ یہ ہوا کہ قیدی قریب المرگ ہے۔ اسے شوٹ کر دیا جائے، تو بہتر ہے۔ رپورٹ میں لکھ دیا جائے، یہ کیمپ 39 سے فرار ہوا، پھاپھاماؤ جنکشن پر پکڑا گیا..... ریلوے پولیس کے ایک سپاہی کو زخمی کر کے بھاگ نکلا۔ مجبوراً گولی چلانا پڑی تا کہ مزید جانی نقصان نہ پہنچائے۔

انڈین میجر نے لال انگارہ آنکھوں سے سارجنٹ انور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ''ارے پاکستانی! اپنے بھگوان کو یاد کر لو۔ صرف پانچ منٹ کی مہلت دی جاتی ہے پھر شوٹ کر دیئے جاؤ گے۔''

میجر نے ریوالور کی ٹھنڈی نالی اس کے سینے پر جمادی اور انگلیاں ٹریگر پر رکھ لیں۔ پھر وہ گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

اتفاق ملاحظہ ہو، اے، ایس، آئی، مسلمان تھا اور اس کا نام عزیز الدین تھا۔ وہ فوراً پیچھے ہٹ کر تھانہ سراؤں کے سب انسپکٹر دیوان کے پاس گیا۔ دونوں نے کچھ کانا پھوسی کی۔ دو منٹ گزرنے سے پہلے وہ بھی سارجنٹ انور کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

زندگی کے لمحات ختم ہونے میں صرف تین منٹ باقی تھے۔

دیوان نے میجر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''خبردار! اس پاکستانی کو گولی نہیں ماری جائے گی۔''

میجر: ''ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔ ہم مختار مطلق ہیں۔ تم کون ہو روکنے والے؟''

دیوان: (انتہائی غصے کے عالم میں) ''یہ میرا علاقہ ہے اور میں اس شخص کا ذمہ دار ہوں۔ تم نے اس پر گولی چلانے کی حماقت کی، تو میں یہ معاملہ عدالت تک لے جاؤں اور پورا علاقہ تمہارے خلاف بھگتا

دوں گا جو تمہیں مجرم بتلائے گا۔ بھلا زندہ پکڑ کر مار دینا کہاں کی شرافت ہے؟''

میجر: ''یہ پاکستانی ہمیں کوئی اتہ پتہ نہیں بتلاتا، اس لئے گولی کا مستحق ہے، اور یہی ہمارا دستور ہے۔''

دیوان: ''تمہارا دستور ہے، تو ہوا کرے، میں تمہیں اس مجنونانہ فعل کا ارتکاب ہرگز نہیں کرنے دوں گا۔''

پانچ منٹ گزر چکے تھے اور یہ ثابت ہو گیا تھا کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی موت کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

بظاہر موت کی سزا ٹل چکی تھی، لیکن سارجنٹ انور کو اپنا مستقبل تاریک تر نظر آ رہا تھا۔

اب اسے جیپ میں بٹھا کر واپس تھانہ سراؤں لے جایا گیا۔ حوالات میں اس کا بچھڑا ہوا دوست اور رفیق سفر، حق نواز بھی موجود تھا۔ انور نے اس پوچھا: ''کیا بیان دیا؟''

اس نے کہا: ''مار پیٹ سے تنگ آ کر کیمپ سے باہر آنے کا راستہ اور پلاس کے بارے میں بتا چکا ہوں۔''

حق نواز کا ہاتھ سوجا ہوا تھا اور بدن لہولہان۔ انور نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''جو کچھ ہو چکا، اسے بھول جاؤ اور آئندہ ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال دو۔ پھر میں جانوں اور میرا کام۔ موت بار بار نہیں آتی، اس لئے خوفزدہ ہونے کے کیا معنی۔؟''

تھانہ سراؤں.....خود کی ہے یہ منزل اولیں

اب پولیس کی باری آئی جو جبر و قہر کا مجسمہ تھی۔ جوش جنوں میں بپھرے ہوئے مست ہاتھی کی طرح جلاد سپاہی ان کے گرد گھومنے لگے۔ کوڑے پر کوڑا برس رہا تھا اور خون کے چھینٹے داستان استقلال کو حنا رنگ بنا رہے تھے۔ انور کا جسم اس سلوک کا عادی تھا، حق نواز مار نہ سہہ سکا اور آہ و زاری کرنے لگا۔ اس پر تشدد کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے پہلے بیان سے منحرف ہو چکا تھا، جبکہ پولیس کا مقصد یہ تھا کہ تمام راز معلوم کر کے ان دونوں کا خاتمہ کر دیا اور پھر جلد از جلد باقی ساتھیوں کو پکڑا جائے۔

رات بھر، ایک ایک گھنٹے بعد جلاد بدلتے رہے اور بہیمانہ انداز سے نشانہ ستم بنا کر فخر محسوس کرتے رہے۔

اور دو انسان اس تشدد کے آگے مردانہ وار ڈٹے ہوئے تھے۔

۱۴ ستمبر ۷۲ء کا سورج طلوع ہوا۔ پولیس تازہ دم تھی اور یہ دونوں نیم مردہ حالت میں بے حس و حرکت ایک تاریک کمرے میں بند..... فاقہ کشی کا چوتھا دن تھا اور بدن اور روح کے درمیان نازک سا رشتہ باقی رہ گیا تھا۔ سارجنٹ انور کمرے سے باہر نکال کر دیوان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا: ''ارے پاکستانی، تم جانتے ہو کل تمہیں گولی سے بچایا ہے۔ صرف چند راز بتا دو، پھر چھوڑ دوں گا: ورنہ ایسی سزا ملے گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔''

ایسی ہی دھمکیاں دینے کے بعد اس نے سوالات شروع کر دیئے:

''تمہیں بارڈر کہاں سے کراس کرنا تھا؟''

''مجھے علم نہیں۔''

''پلاس کہاں سے حاصل کیا تھا؟''

''مجھے خبر نہیں، سائیں فضل احمد جانتا ہے''

''سائیں فضل کہاں ہے، وہ سرحد کہاں سے پار کرے گا؟''

''میں نہیں جانتا۔''

اس سوال نے دیوان کی امنگوں پر پانی پھیر دیا۔ اب دونوں کو الٹا لٹکا دیا گیا اور ہٹے کٹے سپاہی کوڑے برسانے لگے۔ وہ تھک جاتے، تو تازہ دم نفری آ جاتی۔ ظلم و تشدد کے اس عالم میں انہیں ایسا کیف و سرور محسوس ہوا جس کی حقیقت وہ آج تک نہیں سمجھ پائے۔

شام کا اندھیرا پھیلا، تو انہیں پھر کمرے میں بند کر دیا گیا۔ ایک سپاہی ڈیوٹی پر آیا اور ان کی ڈگمگاتی کیفیت دیکھ کر تڑپ اٹھا۔ اس نے پوچھا: ''تم مسلمان ہو؟''

جواب اثبات میں ملا، تو اس نے استفسار کیا: ؟؟ کچھ کھایا پیا؟''

جواب نفی تھا۔

وہ چند لمحوں کے لئے وہاں سے چلا گیا اور پھر واپس ڈیوٹی پر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ننھا بچہ چائے لے آیا۔ ایک پیالہ حق نواز نے لے لیا، لیکن سارجنٹ انور کے ہاتھوں میں اتنی سکت نہ تھی کہ پیالہ تھام سکے۔ حق نواز ہی نے اس کے ہونٹ کھولے اور حلق میں چائے انڈیل دی۔ کچھ معدے میں پہنچی اور کچھ باہر گر پڑی۔ بچہ دوبارہ جا کر چپاتیاں بھی لے آیا۔ حق نواز نے چھوٹے چھوٹے لقمے بنا کر بچوں کی طرح انور کے منہ میں ڈالے۔ اس طرح قدرے دماغی توازن ٹھیک ہوا اور زندگی کا احساس ہونے لگا۔

انور اور حق نواز کا جسم سردی اور بخار کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ ایثار پیشہ سپاہی نے دو پھٹے پرانے کمبل بھی فراہم کر دیئے۔ ایک گھنٹہ ڈیوٹی دینے کے بعد وہ شریف زادہ چلا گیا۔ دوبارہ تھانے کے احاطے میں وہ نظر نہ آیا۔ ممکن ہے افسران بالا کو اس کی حرکتوں کا علم ہو گیا ہو اور وہ عتاب کا سزاوار ٹھہرا ہو۔

اس کے بعد جو سپاہی ڈیوٹی دینے آئے، وہ ان کے جسم میں سنگینیں چبھوتے اور بٹ مارتے، لیکن اب انہیں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی۔ ان کا جسم ہر قسم کا سلوک برداشت کر سکتا تھا۔

تھانے ہی میں اس سائیکل سوار لڑکے کا باپ بھی انور کے پاس کسی نہ کسی بہانے پہنچ گیا اور ان دونوں کو دیکھ کر خوب رویا۔ اس نے حسرت اور تاسف کے لہجے میں کہا: ''کاش! میں بروقت گاؤں میں تمہارے پاس پہنچ سکتا، تو جان پر کھیل کر بھی تمہیں بچا لیتا اور پولیس کے ہتھے نہ چڑھنے دیتا۔ لیکن مقدر نے ساتھ نہ دیا اور میرے آنے تک پولیس اور فوج تمہارا محاصرہ کر چکی تھی۔''

وہ کتنی ہی دیر آہیں بھرتا رہا۔ پھر یہ کہتا رخصت ہو گیا: ''پتہ نہیں، میں اپنے لڑکے کے اس گناہ کی تلافی کیونکر کر سکوں گا، حشر میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ میں ایک ایسے بچے کا باپ تھا جس نے اپنے ہی ایک مسلمان بھائی کو کافروں کے شکنجے میں دے دیا۔''

۲۲ ستمبر کو انہیں ہتھکڑیاں پہنا کر تھانے سے نکالا گیا اور اے، ایس، آئی عزیز الدین کے ہمراہ الہ آباد کی کچہری میں لے جایا گیا۔ مجسٹریٹ نے انہیں دیکھتے ہی پوچھا: ''کیا ان کی مرہم پٹی کروائی گئی ہے؟''

عزیز الدین نے نفی میں جواب دیا، تو مجسٹریٹ نے حکم دیا: ''جاؤ اور سب سے پہلے ان کی مرہم

پٹی کرواؤ۔''

اس پر عزیز الدین انہیں ایک ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ وہاں سے مقامی جیل پہنچا دیا گی۔ پولیس نے آٹھ دن کے لئے ان کا ریمانڈ لیا تھا، لیکن ان کے منہ سے کوئی راز اگلوانے میں کامیاب نہ ہوئی۔ مقامی جیل میں انہیں ایسی کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا جو سزائے موت پانے والے مجرموں کے لئے خاص طور پر بنائی گئی تھیں۔ بہر حال چار روز تک ان تنگ و تاریک تہ خانوں میں گزارنے کے بعد قلعہ الہ آباد کے سیل میں منتقل کر دیا گیا۔ اب تک سوائے سادہ سی مرہم پٹی کے ان کے علاج معالجے کی طرف قطعاً کسی نے توجہ نہ دی تھی۔ وہ دن بھر سیل میں پڑے زخموں سے کراہتے۔ رات کو اسٹریچر پر ڈال کر کسی ویران اور ڈراؤنے ماحول میں لے جاتے اور سفاک گورکھا سپاہی سنگینیں چبھو کر منصوبہ فرار کی تفصیلات پوچھتے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک مشق ستم جاری رہتی اور پھر آنکھوں پر پٹی باندھ کر واپس سیل میں لا کر بند کر دیئے۔ متواتر سولہ دن تک اس لرزہ خیز اور وحشت ناک بربریت کا نشانہ بنے رہے۔ جب کمینہ دشمن ہر حربہ آزمانے کے باوجود ناکام رہا، تو مجبوراً انہیں کیمپ نمبر ۳۹ کے سیل میں پہنچا دیا گیا۔ اس عقوبت خانے میں اٹھائیس دن گزرے۔ یہاں کا عملہ پہلے دی ہوئی سزاؤں سے بے خبر تھا، اس لئے انہوں نے نئے سرے سے ظلم کا آغاز کر دیا۔ وہ آوازے کستے، گالیاں بکتے، طعن و تشنیع سے کام لیتے اور پھر درندوں کی طرح تکا بوٹی کر دینے کو جھپٹتے۔

ایک انڈین افسر نے انور کو ان مراحل سے گزرتے دیکھا۔ تو بے اختیار پکار اٹھا:

''انور انسان نہیں، کوئی فافوق الفطرت مخلوق ہے۔ وہ عزم کا مجسمہ اور شجاعت کا پیکر ہے۔'' دشمن میں اسے خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور تھا۔

اس وقت بھارتی کار پردازوں نے فیصلہ کیا کہ سارجنٹ انور کو کسی نہ کسی بہانے ختم کر دیا جائے، کیونکہ جو کچھ اس پر بیت چکی ہے، اس کی تفصیلات دنیا کے سامنے آ گئیں، تو تہلکہ مچ جائے گا اور رام رام کی مالا جپنے والا برہمن انڈیا، دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔

ایک بھارتی کیپٹن کوشک نے انور کو اس فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ ٹھیک ہے تم ہمارے دشمن ہو اور ہم تمہارے دشمن، لیکن یاد رکھو تمہیں ختم کرنے کا منصوبہ بن چکا ہے۔'' اور پھر اس نے راز داری

کے لہجے میں کہا: ''یاد رکھو آئندہ جس وقت بھی تم تاروں کے قریب پھٹکے، تمہیں گولی ماردی جائے گی اور مشہور یہ کیا جائے گا کہ تم فرار ہونا چاہتے تھے۔''

سارجنٹ انور نے جواب دیا: ''صاحب، جورات قبر میں گزارنی ہے، وہ اس دنیا میں نہیں آسکتی۔ میری زندگی اور موت کا فیصلہ تم نہیں، میرا خدا کرے گا۔''

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک۔

سیل کی میعاد ختم ہو چکی تھی اور اب انہیں کیمپ میں واپس بھیج دینے کا پروگرام بنا اور اے بلاک کے بجائے بی میں منتقل کر دیا گیا۔ بہر حال کیمپ والوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور آنکھیں فرش راہ کر دیں۔ احباب کے حسن سلوک سے جلد ہی ان کے زخم مندمل ہونے لگے۔

چار ماہ بعد ایک نئی افتاد بجلی بن کر گری۔ کیمپ میں ایک سرنگ کا انکشاف ہوا۔ یہ تقریباً مکمل تھی۔ ایک دن مزید مل جاتا، تو کئی افراد وطن پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے۔ چونکہ سارجنٹ انور، پہلے فرار ہونے کی کوشش کر چکا تھا، اس لئے اب بھی چند دیگر افراد کے ساتھ اسے دھر لیا گیا۔

جب لوگوں کو علم ہوا کہ انور کو ناحق ماخوذ کیا گیا ہے، تو ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ ہڑتال کر دی گئی۔ کیمپ کے باہر بھارتی فون نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ ادھر اہل کیمپ نے اینٹیں اور ڈنڈے جمع کر لئے۔ ایک رات اسی طرح گزر گئی۔ صبح لوگوں نے حاضر دینے سے انکار کر دیا۔

کیمپ میں اچانک افواہ پھیل گئی کہ سارجنٹ انور کا ایک بازو اور ایک ٹانگ سیل میں توڑ دی گئی ہے۔ اس خبر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بھارتی محافظوں نے ہر ممکن طریقے سے مفاہمت کی کوشش کی، مگر کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا۔ بات بڑھ کر دسورے کیموں تک چلی گئی۔

تین دن کی مسلسل ہڑتال نے بھارتیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور سرنگ کے سلسلے میں گرفتار شدہ تمام جوان غیر مشروط واپس کر دیئے گئے۔ ۳۰ نومبر ۱۹۷۳ء کو ۹ بجے صبح اس نے پاک سرزمین پر قدم رکھے اور وہ بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر بجالایا۔

جرنیل کا فرار

پیرس سے پچاس میل دور، شمالی جانب، موسم بہار کی خوشبوؤں سے لبریز علاقے میں ایک فرانسیسی بکتر بند گاڑی دوڑی چلی جا رہی تھی۔ یہ اوائل جون کا ایک حسین مگر وحشت ناک دن تھا..... وحشت ناک اس لئے کہ کیلنڈر، ۱۹۴۰ء کا سن ظاہر کر رہا تھا اور نازی جرمنی کی فوجیں، فرانس کو تاراج کئے جا رہی تھیں اگرچہ بکتر بند گاڑی میں موجود تینوں آدمی لاعلم تھے، لیکن جرمن ٹینک اور پیدل دستے ان کا محاصرہ کر چکے تھے۔ ایک جرنیل، ڈرائیور کے برابر بیٹھا ہوا تھا اور اس کا ایڈی کانگ، ایک نوجوان لیفٹیننٹ پچھلی سیٹ پر ہچکولے کھا رہا تھا۔ کئی دوسرے ماتحتوں کی طرح وہ بھی جرنیل سے خوف زدہ رہتا۔ گزشتہ خوف ناک ہفتوں کے دوران میں اس کے احساسات بدل کر رہ گئے۔ وہ خوف محسوس کرنے کے بجائے جرنیل کو چاہنے سا لگا۔

لیفٹیننٹ لیسلر نے اپنے جذبے کی شدت محسوس کی، تو وہ حیران سا رہ گیا، کیونکہ جرنیل میں ایسی کوئی خوبی نہ تھی کہ اس سے محبت کی جاتی۔ اس کے برعکس اسے دیکھ کر وحشت اور نفرت سے ہونے لگتی، مگر اب لیسر جان گیا تھا، باہر کا خول، اندرونی انسان کا غماز نہیں۔

بیرونی خول نے جنرل ڈی فورگ کو دوسروں سے دور دور رکھا۔ دیواریں حائل ہوتی چلی گئیں،

اسے کوئی پروانہ تھی۔ اس کا اختیار اور دبدبہ بڑھ چکا تھا اور یہی کچھ وہ چاہتا تھا۔ وہ دنیا کو اپنی اونچی اور طاقتور ناک کے اوپر سے دیکھتا اور جائزہ لیتا کہ اس میں خرابی کیا ہے اور اسے درست کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اعلیٰ فوجی افسروں کے ساتھ ڈی فورگ سنجیدہ اور متین رویہ اختیار کرتا۔ ''میں تمہارا ماتح تو ہوں، مگر تم سے کمتر ہرگز نہیں۔'' یہ اس کا اصول تھا۔ اس پر حکم چلانے والے بے ہتھیار ہو کر رہ جاتے، وہ اپنی مرضی اس حد تک مسلط کر دیتا کہ معاملہ نافرمانبرداری کی حد تک پہنچ جاتا، مگر دوسرے اسے قبول کرنے پر مجبور تھے۔

اپنے ماتحتوں کے لئے تو وہ دیوتا تھا..... رعب داب اور طنطنے کا مالک جرنیل، اسی لئے ان وحشت ناک لمحوں میں لیفٹیننٹ لیسلر اپنے آپ سے یہ سوال پوچھنے پر مجبور ہو گیا: کیا وہ ایسے درشت جرنیل کے لئے ضرورت پڑنے پر جان قربان کر سکتا ہے؟..... اور اس کا جواب اثبات میں تھا۔ بکتر بند گاڑی سخت ہچکولے کھا رہی تھی۔ اسے اپنے معدے میں کرب کی لہری اٹھتی محسوس ہوئی۔ اس کی ایک ایک ہڈی چٹخنے لی۔

کسی آدمی نے اب تک زبان نہ کھولی تھی۔ وہ دس منٹ پہلے گاڑی میں بیٹھے تھے۔ لیسلر کی آنکھیں، جرنیل کی گرد سے اٹی اور پسینے سے شرابور گردن پر جمی تھیں۔ جس سے جنگ چھڑی، ڈی فورگ کا چہرہ پھیلتا گیا، ہونٹ بھینچے چلے گئے، ناک اکڑ گئی، آنکھوں سے شعلے پھوٹنے لگے اور ان کے نیچے دائرے اور سیاہ ہو گئے۔

لیفٹیننٹ لیسلر ایک رونگٹے کھڑے کر دینے والی قدرتی تباہی کا عینی شاہد تھا۔ ایسے یوں لگا جیسے کوئی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو رہا ہو یا کوئی وسیع براعظم سمندر میں ڈوب گیا ہو۔ یہ فرانس تھا جو لیفٹیننٹ کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہا تھا۔ ایک دنیا اور ایک تہذیب اپنے انجام کو پہنچ رہی تھی۔ اس کے اثرات جرنیل کے چہرے پر عیاں تھے اور وہ انہیں چھپا نہ سکتا تھا۔ روز بروز، لمحہ بہ لمحہ قوم کا وجود دو نیم ہو رہا تھا۔ کوئی قوت اسے روکنے پر قادر نہ تھی۔ جنرل ڈی فورگ یہ سب کچھ جان کر احساس کی آنچ پر جلنے لگا اور کسی غیر مرئی عمل نے لیفٹیننٹ لیسلر کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ اس وقت ڈی فورگ ہی فرانس کی ایک زندہ علامت ہے۔

لیسلر اونگھنے لگا۔ سورج کی حدت اور پھولوں سے لدے پھندے درختوں کی خوشبو نے اس کی

آنکھیں بند کر دیں۔ اس نے سوچا ''جب میری دنیا اختتام پذیر ہے، تو جون کا دن کتنا سہانا لگ رہا ہے۔ تاریخ کے اس فیصلہ کن موڑ پر کائنات کس قدر لاتعلق بن گئی ہے!''

''تیز چلاؤ۔'' ڈی فورگ نے چیخ کر ڈرائیور سے کہا اور لیسلر پھر حقائق کی دنیا میں لوٹ آیا۔ ''کیا تم اور تیز نہیں چلا سکتے۔''

اسی لمحے تیز رفتار بکتر بند گاڑی کے بائیں جانب توپ کا ایک گولہ پھٹا۔ لوہے کے دہکتے ہوئے ٹکڑے ٹائروں میں گھس گئے۔ گاڑی، ڈرائیور کے کنٹرول میں نہ ہی اور ٹوٹتے، شیشوں، پھٹتے گولوں اور دبی بی چیخوں کے درمیان گاڑی لڑکھتی چلی گئی۔ لیفٹیننٹ لیسلر عقبی حصے میں لڑھکنیاں کھانے لگا۔ ڈی فورگ اچھل کر سڑک کے کنارے گھاس میں گر پڑا۔ وہ ہوش و حواس کھو چکا تھا۔ جرمن فون کے ایک دستے نے گھات سے نکل کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ ایک کپتان کی نظر جب ڈی فورگ پر پڑی، تو اس کے تھکے ماندے چہرے پر مسرت جھلک اٹھی۔

''ایک جرنیل!'' اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

ڈی فورگ نے آنکھیں کھولیں اور جرمن کپتان کو نفرت سے دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھا۔ اس کی داہنی ٹانگ قدرے زخمی ہو گئی تھی۔ تاہم اس نے کسی سے مدد نہ مانگی۔ وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ ماحول پر کاٹ کھانے والی خاموشی چھا گئی تھی۔

ناتجربہ کار لیسلر کو کچھ پتا نہ تھا جنگ کس قدر تیز اور فیصلہ کن ہوتی ہے۔ جب اس کی ابتداء ہوئی، یہ اسی وقت انجام کو پہنچ گئی۔ گاڑی میں سے اس نے ڈی فورگ کو جرمنوں کے نرغے میں دیکھا، تو اس کے منہ سے آہ بلند ہوئی۔ ڈی فور، فرانس کا بہترین جرنیل تھا، لیکن اب جرمنوں کی قید میں تھا۔

''ہمیں چلنا چاہئے۔'' جرمن کپتان نے اپنے احساس جرم کو چھپاتے ہوئے کہا اور ڈی فورگ لنگڑاتا ہوا ان کے آگے آگے چل پڑا، لیسلر اور ڈرائیور کو بھی گاڑی سے نکال کر قیدی بنا لیا گیا۔

پہلے وہ ڈویژن میں پہنچے، پھر آرمی ہیڈ کوارٹر میں، جہاں سیڈان کے محاذ پر پیش قدمی کرنے والے جرمن جرنیل نے ڈی فورگ سے ہاتھ ملانا چاہا، مگر فرانسیسی جرنیل نے اسے پرے جھٹک دیا۔ یہاں سے

انہیں دریائے رائن کے پار، بون کے نواح میں ایک بہت بڑے گھر میں پہنچا دیا گیا۔ انواع واقسام کے کھانوں سے تواضع کی گئی۔ لیفٹیننٹ لیسر، حیران تھا آخر معاملہ کیا ہے؟

''یہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہے گا۔'' ڈی فورگ نے نوجوان افسر کے خیالات بھانپتے ہوئے کہا۔ ''جرمن کچھ چاہتے ہیں۔''

''ایک قیدی ان کی کیا ضرورت پوری کرسکتا ہے؟''

''کسی بھی جنگی قیدی کے ساتھ تین طرح سلوک کیا جاسکتا ہے۔ چاہے اسے قید میں رکھیں، قتل کر ڈالیں یا اپنے مفاد میں استعمال کرلیں..... جرمن مجھے استعمال کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ میرا کردار جانتے ہیں میں ایسا آدمی نہیں۔ ایک فرانسیسی کو ہمیشہ فرانس کا خیال رکھنا چاہئے۔''

''ہم قید میں رہ کر فرانس کی کیا خدمت کرسکتے ہیں؟'' لیسلر نے پوچھا۔

''میں فرار ہونے کی کوشش کروں گا۔'' ڈی فورگ کے منہ سے جچے تلے لفظ نکلے۔ ''میں فرانس کی پکار سے انکار نہیں کرسکتا، نہ اپنی قسمت کو ٹھکرا سکتا ہوں۔''

''فرار؟'' لیسلر نے جرنیل کی زخمی ٹانگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم تو اچھی طرح چل بھی نہیں سکتے۔''

''فرار ہونے کے لئے چلنا کوئی لازمی شرط نہیں۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا۔ ''اگر بھاگنا چاہیں، تو سو طریقے نکل آتے ہیں۔ تم جانتے ہو میں پچھلی جنگ میں بھی جرمنوں کی قید سے بھاگ نکلا تھا۔ اس وقت میرے اندر سے آواز اٹھی تھی اب مجھے باہر سے پکار سنائی دے رہی ہے۔ فرانس کو میری ضرورت ہے مجھے ضرور فرار ہونا چاہئے، اسی لئے میں بھاگ نکلوں گا۔''

اگلے دن جرمن ہائی کمان کی طرف سے ایک کرنل، ڈی فورگ سے ملنے آیا۔ اس نے موجودہ جنگ اور فرانس اور جرمنی کے آپس کے تعلقات پر تبصرہ کرنے کو کہا۔ ڈی فورگ کا جواب تھا: ''جنگ فرانس جس قدر بھی تباہ کن ہو، اسے فیصلہ کن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ محض ایک لڑائی ہے۔ فرانسیسی بیڑہ صحیح سالم ہے۔ بحیرہ روم کی وسعتیں سامنے ہیں۔ شامی افریقہ میں نیا محاذ کھولا جاسکتا ہے۔ انگلینڈ بھی جنگ جاری

رکھے گا۔ ہٹلر محض رود بار انگلستان کو جرمنوں کے خون سے رنگین کرتا رہے گا۔"

جرمن کرنل خاموشی سے سنتا رہا۔ اپنی باری پر اس نے کہا۔ "ہمارے اخذ کردہ نتائج مختلف ہیں۔ ہمارے نزدیک فراس اور جرمنی کا اشتراک دونوں ممالک کے لئے منفعت بخش ثابت ہوگا، خصوصاً تمہاری ذاتی حیثیت کے لئے تو اور بھی سودمند رہے گا۔"

ڈی فورگ نے تنک کر جواب دیا۔ "کوئی آدمی اپنے دشمن سے اشتراک عمل نہیں کرتا۔"

جرمن کرنل نے مایوسی کے عالم میں اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں معلوم ہونا چاہئے ہائی کمان نے یہ امر فراموش نہیں کیا کہ تم پہلی جنگ عظیم میں بھی قیدی بنے تھے اور پھر بھاگ نکلے۔ اس بارے ایسا نہ ہونے دیا جائے گا۔"

اگلی صبح ڈی فورگ کو صبح سویرے جگا کر روانگی کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس کے ایڈی کانگ لیفٹیننٹ لیسلر کو ساتھ جانے کی اجازت نہ ملی۔ وہ مایوس سا ہو گیا۔ "جرات و استقلال کا مظاہرہ کرو۔" ڈی فورگ نے اسے نصیحت کی۔ "آخری نتائج ہمارے حق میں ہوں گے۔"

پھر وہ لنگڑاتا ہوا مرسڈیز میں بیٹھ گیا۔ ایک جرمن کپتان اور سارجنٹ اس کی حفاظت پر متعین تھے۔ تھوڑے ہی سفر کے بعد ڈی فورگ نے اندازہ لگایا کہ ان کا رخ کدھر ہے، وہ جرمنی کے چپے چپے سے واقف تھا۔

دوپہر اور پھر شام تک سفر جاری رہا۔ ہر منٹ ڈی فورگ کو فرانس سے اور آزادی سے دور لے جا رہا تھا۔ انہوں نے تقریباً پورا جرمنی عبور کر لیا اور انتہائی مشرقی کونے میں سیکسونی پہنچ گئے۔ جو چیکوسلواکیہ کی سرحد سے زیادہ دور نہیں۔

بالآخر مرسڈیز ایک بلند و بالا پہاڑ کے قدموں میں رک گئی۔ سورج کی آخری کرنوں میں ڈی فورگ نے پہاڑ کے اوپر کوئی قدیم قلعہ دیکھا جو کسی دیو کی طرح اسے ہڑپ کر جانے پر تلا بیٹھا تھا۔

کچھ فاصلہ انہوں نے پیدل طے کیا۔ قلعے میں نقل و حرکت سے ڈی فورگ نے اندازہ لگایا کہ وہ اس کے منتظر تھے۔ ایک لیفٹیننٹ بھاگم بھاگ آیا۔ "جنرل، معاف فرمایئے، میں تمہیں دروازے پر نہ مل

سکا۔'' اور پھر وہ اسے ایک کمرے کی طرف لے چلا جہاں ڈی فورگ کو بند کر دیا گیا۔ چھوٹے سے کمرے میں ایک بستر، ایک میز، ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی اور ایک بیسن تھا۔ ایک کونے میں سوراخ کیا ہوا تھا، یہی اسے حوائج ضروریہ سے فارغ ہونا تھا۔

ڈی فورگ نے کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا اور پھر لیفٹیننٹ کو مخاطب کیا جو تالا لگانے کے بعد ابھی پھاٹک کے سامنے موجود تھا۔

''اس قدر گندہ کمرہ! میں سوچ بھی نہ سکتا تھا فوج محاذ جنگ سے پیچھے بہتر صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔''

لیفٹیننٹ کا چہرہ سرخ ہو گیا، ڈی فورگ کے لہجے میں ایسا تحکم تھا کہ اسے معذرت خواہی کے الفاظ ڈھونڈنے پڑے۔ ''سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔''

اس نے کہا۔ ''کیا تم کچھ کھانا چاہو گے؟''

''نہیں میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

قدموں کی آواز دور ہوی چلی گئی اور ڈی فورگ پہلی بار ایک کمرے میں تن تنہا بند تھا۔ یہ خالی خولی کمرہ اس کی نئی حقیقت تھا۔ فوجوں کی کمان اس سے چھن گئی تھی اور وہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

اپنی نسل کے دوسرے لوگوں کی طرح اس نے بھی فرانس کے بارے میں ایک تصور باندھ رکھا تھا، یہ کہ فرانس پریوں کی دیوی ہے جس کے لئے بادشاہ اور نائٹ جانیں قربان کرتے رہے۔ ڈی فورگ نے ہمیشہ یہی خواب دیکھا کہ وہ اپنی دیوی کا نجات دہندہ ثابت ہو گا، لیکن آج جب مادر وطن کو اس کی شدید ضرورت تھی وہ میلوں دور پہاڑ کی بلندی پر بنے ہوئے قلعے میں بند تھا۔

دو ہفتے اس قید تنہائی میں رکھا گیا۔ کسی آدمی کی اس نے شکل تک نہ دیکھی، نہ باہر سے کوئی خبر سنائی دی۔ ایک صبح جون کے اواخر میں جیل کا کمانڈر کرنل بارڈس ڈروف اس سے ملنے آیا۔ ''آج میں تمہارے لئے ایک اچھی خبر لایا ہوں۔'' اس نے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے کہا۔ ''قید تنہائی ختم ہوئی اور اب تمہیں دوسرے قیدیوں کے ساتھ رکھا جائے گا۔''

ڈی فورگ نے جرمن کرنل پر نظریں جماتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرے ساتھ اب جو سلوک کرنے والے ہو، شروع ہی سے کیا جاتا، تو بہتر تھا۔''

''نہ جانے کتنا عرصہ اسی حالت میں رہنا پڑتا، اگر ایک اہم واقعہ رونما نہ ہوتا۔'' کرنل بارڈس ڈروف نے قدرے توقف سے کہا۔ ''تمہاری حکومت نے معاہدہ صلح پر دستخط کر دیئے۔ فائرنگ اور قتل و غارت گری بند ہوگئی ہے۔ چند ہفتوں میں انگلینڈ کی قسمت کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔''

''تمہاری توقعات فضول ہیں۔'' ڈی فورگ نے کہا۔

''بعد میں دیکھا جائے گا۔ اب میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ تم عام قیدیوں کے ساتھ رہو گے۔ اس جگہ سے زیادہ تر فرانسیسی جرنیل قید ہیں، تمہیں بھی یہاں صرف اسی لئے بند کیا گیا ہے کہ اس قلعے سے فرار کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ گھوم پھر کر دیکھ لو اور اطمینان کر لو۔ ہمیں تمہارے سابقہ ریکارڈ کا علم ہے، تم پچھلی جنگ میں بھاگ گئے تھے۔ ہم تمہاری ذہانت کی داد دیتے ہیں۔ اب بھی اسی ذہانت اور چالاکی کا مظاہرہ کرو، تمہیں یقیناً مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں آپس میں معاہدہ کر لینا چاہئے۔''

''کیسا معاہدہ؟''

''ایک افسر کی حیثیت سے زبان دو کہ فرار کی کوشش نہ کرو گے۔'' جرمن کرنل نے کہا۔

''یہ معاہدہ تو فضول ہے، تم ابھی کہہ چکے ہو اس قلعے سے فرار کی کوشش کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔'' ڈی فورگ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ تجویز تمہارے فائدے کے لئے پیش کی گئی ہے۔''

''مجھے تمہارے مفاد کی فکر ہیں'' ڈی فورگ نے طنزیہ کہا۔

''تو کیا وعدہ کرتے ہو؟''

''یہ وعدہ فضول ہے۔ میں کہہ چکا ہوں۔'' ڈی فورگ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، تم ایک بار آنکھوں سے قلعے کا مشاہدہ کر لو۔ میرا خیال ہے تم کوئی احمقانہ قدم نہ اٹھاؤ

گے۔ یہاں سے نکلنے کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم خود رہا کر دیں، دوسرے سینکڑوں فٹ بلندی سے چھلانگ لگائی جائے، تم کس طرح جانا چاہتے ہو، سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو۔''

ڈی فورگ نئے اور مستقل کوارٹر میں منتقل ہوا، تو سب سے پہلے اس کی جس شخص سے ملاقات ہوئی، وہ جنرل ہیوبرٹ بونیو تھا۔

''ہیلو!'' اس نے کہا۔ ''آخر دوسروں سے آملے۔''

''تم دیکھ ہی رہے ہو۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا۔

''کئی دن سے افواہ گردش کر رہی تھی کوئی جرنیل قید تنہائی میں ہے۔ بعض کا اندازہ تھا کہ تم ہو، لیکن میرا دل نہیں مانتا تھا، بلکہ میں شرط بھی لگانے پر تلا بیٹھا تھا۔''

''ہاں بھئی، دوسروں کی طرح میں بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا۔''

''تم کہہ سکتے ہو دوسروں کی طرح قابو میں آ گیا، لیکن اب کیا ارادے ہیں؟ یہاں تو اکثر جرنیل جرمن پروپیگنڈے کے تحت کہہ رہے ہیں ہمیں شکست ہو چکی ہے، جنگ ختم ہو گئی، اب ہمیں ان سے تعاون کرنا چاہئے اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟''

''نہیں، کوئی اور راستہ بھی ہونا چاہئے، یہ لوگ بھیڑ بکریاں ہیں، جرات، استقلال، انہیں معلوم نہیں ان کا مطلب کیا ہے؟'' ڈی فورگ تقریباً چیخ رہا تھا۔

''ہمارے درمیان روبکس اور پالسی بھی ہیں، وہ فرار ہونا چاہتے ہیں۔ کسی دوسرے موضوع پر بات ہی نہیں کرتے۔''

''انہیں کوئی ترکیب بھی سوجھی ہے۔''

''آہ! یہ قلعہ ایک ایسا ڈبہ ہے جس پر ڈھکنا نہیں۔ وہ ہمیں برسوں قید میں رکھ سکتے ہیں۔ میں سوچ سوچ کر پاگل ہو گیا ہوں۔'' جنرل بونیو نے کہا۔

''تمہیں بھاگنے کی ایسی بھی کیا جلدی ہے؟''

''اوہ! تم نے سنا نہیں، قید سے ایک ہفتہ قبل میری شادی ہوئی تھی۔''

شاید وہ کچھ اور بھی کہتا، اتنے میں جنرل پالیسی آ گیا اور وہ قلعے کا جائزہ لینے کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ قلعہ ایک نیم بیضوی سطح مرتفع پر واقع تھا، چاروں طرف چٹانوں کی قدرتی دیواریں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھیں۔ صرف ایک جگہ سے نیچے زمین پر نظر پڑ سکتی تھی۔ یہاں پتھروں کی دیوار تعمیر کر دی گئی تھی، تقریباً ڈیڑھ سو فٹ بلند۔ ڈی فورگ نے جھک کر نیچے کی طرف دیکھا، تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا، ناقابل بیاں خوف ناک خلا اس کا منہ چڑا رہا تھا، لیکن پہلی نظر میں اس نے اپنے لئے فرار ہونے کا یہی مقام منتخب کر لیا۔ وسائل اور ذرائع پر بعد میں غور کیا جا سکتا تھا۔

''فرار کا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے۔'' ڈی فورگ نے پوچھا۔

''صدر دروازہ! جہاں سے ہم سب داخل ہوئے۔ وہاں ہر وقت مسلح گارد تعینات رہتی ہے۔ فرض کیجئے! انہیں ختم کر کے آدمی باہر نکل بھی جائے، تو آخر اس کا بنے گا کیا؟ یہی نا کہ فوراً سائرن ہو جائے گا، اسے پکڑ کر واپس قید کر دیا جائے گا، یا گولی سے کام تمام سمجھئے، لے دے کر یہی دیوار ہے جس کے اوپر سے کودا جا سکتا ہے۔'' پالسی نے کہا۔

''اس کے لئے پروں کی ضرورت ہے۔'' جنرل بورکس نے کہا جو اس اثناء میں یہاں پہنچ چکا تھا۔

''رسی یا تار؟'' ڈی فورگ نے تجویز پیش کی۔

''اتنی لمبی ملے گی کہاں سے؟ اور مل بھی جائے، تو کیا ہم میں اتنی جرات ہے کہ اسے مضبوطی سے تھام کر نیچے سینکڑوں فٹ گہرائی میں اتر سکیں۔''

''میں نے جو کچھ سوچ رکھا تھا، اس سے یہ بدتر مقام ہے۔'' ڈی فورگ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس پر بہت سوچنا پڑے گا۔''

ڈی فورگ کی مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔ سہانا موسم گرما، اس کے اندرونی کرب کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ اکثر پتھریلی دیوار کے پاس کھڑا ہو کر نیچے پھیلے ہوئے قدرتی مناظر میں کھو جاتا۔ یہ دنیا اس کی پہنچ سے باہر تھی۔ درختوں سے اٹی ہوئی اس وادی اور بل کھاتے دریا سے آگے، دور افق کے قریب آزاد فضائیں اسے اپنی جانب کھینچتیں، لیکن پتھریلی دیوار اور ۱۵۰ فٹ کی گہرائی کے آگے اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی۔

دوسرے سوجرنیلوں کی طرح قیدی کی حیثیت سے وہ بھی شرمندگی محسوس کرتا، لیکن انہوں نے اس صورت حال سے چھٹکارا پانے کے متعلق سوچنا بند کر دیا۔ ڈی فورگ ایسا انسان نہ تھا جو اتنی جلدی ہمت ہار بیٹھتا۔ اگرچہ اس نے پالیسی، روبکس اور بونیو سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چھوڑ دی، لیکن اندر ہی اندر کڑھتا رہتا۔

ایک دن وہ دیوار کے پاس کھڑا تھا کہ جیل کا کمانڈر کرنل بارڈس ڈروف بھی وہیں آنکلا۔

''کہو، میں نے تم سے کیا غلط کہا تھا؟..... کوئی ملی جگہ فرار ہونے کے لئے؟ زمانہ امن میں ان جرمن نظاروں سے محظوظ ہونے کے لئے دور دراز سے سیاح آتے ہیں۔ سنا ہے تم بھی ان میں دلچسپی لیتے ہو۔ ہاں، ہاں، دیکھو اور لطف لو۔'' ایک ہی سانس میں کرنل سب کچھ کہہ گیا۔

رات ڈی فورگ اپنے بستر پر لیٹا، تو پتھریلی حقیقتیں اس کی نظر میں پھر گئیں۔ فرار کا کوئی راستہ اسے اب تک نہ سوجھا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ تکیے میں چھپا لیا اور رونا شروع کر دیا۔ وہ رو رہا تھا کہ وہ کیسا مرد ہے؟ وہ رو رہا تھا کہ تمام قوت اس سے چھین لی گئی ہے، لیکن ان آنسوؤں نے اس کے دل اور دماغ دھو ڈالے۔ اسے اپنے سامنے ایک واضح مقصد نظر آیا۔ اس مقصد کی لگن سے اس کا رشتہ حیات استوار رکھا، ورنہ اس کی ذات کبھی کی ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہوتی۔

ڈی فورگ اور بونیو روزانہ اکٹھے سیر کیا کرتے۔ فرار کے موضوع پر بات چلتی، تو بونیو کہتا:

''اگر ہم کوئی منصوبہ سوچیں بھی، تو یہ حرامی گارڈ سارا کام خراب کر دیں گے۔''

''میں نے اس پر غور کر لیا ہے۔'' ڈی فورگ جواب دیتا۔ ''رات کو ان کی تعداد دوگنی ہو جاتی ہے، اس لئے ہمارا آپریشن دن کے وقت عمل میں آنا چاہئے۔

''بے شک دن کے فائدے بھی ہیں، مگر وہ ہر پندرمنٹ بعد چکر لگاتے رہتے ہیں۔'' یونیو نے کہا۔

''کیا میں نہیں جانتا؟'' ڈی فورگ نے غصے میں کہا۔ ''اس کے باوجود فرار ہونے کے لئے یہی وقت اور یہی مقام موزوں ہے۔''

''سراسر خودکشی۔''

''اور کوئی راست نہیں، پندرہ منٹ کافی ہیں۔ آدمی میں فیصلے کی قوت ہونی چاہئے۔''

''اور رسی۔''

''رسی! اگر مل جائے، تو آدھا منصوبہ مکمل ہو جاتا ہے۔''

''ایک سو پچاس فٹ لمبی رسی ملنا بھی تو ایک مسئلہ ہے۔''

''لیکن یہ مسئلے کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا۔ ''بہر حال ہمارا آپریشن دو حصوں میں منقسم ہے: ایک تو قلعے سے باہر نکلنا اور دوسرے جرمنی سے فرانس یا سوئٹزرلینڈ پہنچنا۔ پہلے مرحلے کے لئے ہمیں رسی چاہئے اور دوسرے کے لئے بیرونی مدد۔''

یہ تھا ڈی فورگ کے سوچنے کا انداز ہ وہ مسائل کو بالکل فوجی مشق کی حیثیت سے لیتا۔ اس کی یہ عادت شروع ہی سے تھی۔ پہلی جنگ عظیم میں وہ شدید زخمی حالت میں جرمنوں کے ہاتھ لگا اور ابھی اس کے زخم مندمل بھی نہ ہو پائے تھے کہ بھاگ نکلا۔ اگر چہ اس وقت وہ مقبوضہ بلجیم کے ایک ہسپتال میں تھا اور وہاں کی آبادی نے دوستانہ رویہ اختیار کیا۔ یہاں وہ ایک قلعے میں قید تھا اور باہر چپے چپے پر گستاپو اور دشمن جرمن عوام تھے۔

گزشتہ تجربہ ڈی فورگ کی بوڑھی ہڈیوں میں نئی توانائیاں بھر دتا اور وہ ایک نئے عزم کے ساتھ فرار کے منصوبے پر غور کرنے لگتا۔

''تمہاری باتیں نری بے ہودہ ہیں۔'' یونیو تنگ آ کر کہتا۔

''صبر!'' ڈی فورگ جواب دیتا۔ ''صبر سے کام چلے گا۔''

''یہ میں کر سکتا ہوں اور نہ مجھ میں یہ خصلت پائی جاتی ہے۔'' یونیو یہ الفاظ ادا کرتے وقت اپنی دلہن کو تصور میں لاتا جس سے وہ شادی کے بعد جی بھر کے باتیں بھی نہ کر سکا تھا۔

قلعے پر بوریت کی فضاء طاری تھی۔ جنرل ڈی فورگ کا ذاتی خادم، گبوری ہر صبح سات بجے اسے جگاتا اور چپاتی اور کافی کا ناشتا پیش کرتا۔ ساتھ ہی وہ قلعے کے دوسرے حصے میں پیش آنے والے واقعات

سے بھی جرنیل کو آگاہ کرتا۔ اس کی باتوں سے پتا چلتا کہ عام فرانسیسی فوجی بھی قید میں بددل نہیں ہوئے، نہ انہوں نے ذہنی طور پر شکست قبول کی ہے۔ اگرچہ کچھ جرمنوں سے مل گئے تھے اور بعض بیماری کا بہانہ کر کے قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی درخواست دیتے، مگر جرمنوں نے سخت اصول متعین کر رکھے تھے اور وہ ہر بیمار کو واپس فرانس بھیجنے پر آمادہ نہ ہوتے۔

پھر بھی ایک فرانسیسی جرنیل قید سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے مختلف ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو مریض بنا لیا اور جب تشخیص کی گئی، تو وہ واقعی سرطان کے آخری درجے میں مبتلا تھا۔ اسے دو گھنٹے کے نوٹس پر قلعے سے نکال دیا گیا اور مرنے کے لئے فرانس بھیج دیا گیا۔ یہ سارا عمل اس قدر سرعت سے ہوا کہ ڈی فورگ اس کے ہاتھ کوئی خفیہ پیغام بھی نہ بھیج سکا۔

اسی دن سر راہ ڈی فورگ اور کرنل بارڈس ڈروف کا آمنا سامنا ہو گیا۔ ''میری ہمدردی قبول فرمائیے۔'' اس نے بیمار جرنیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بڑا افسوس ناک واقعہ ہے اور میں سخت افسردہ ہوں۔''

''کیا ہی اچھا ہو اگر ایسے مریضوں کو ذرا پہلے جانے کی اجازت مل جائے۔ غریب کوئی علاج ہی کرا لیں۔ شاید موت کے منہ میں جانے سے بچ سکیں۔'' ڈی فورگ نے تجویز پیش کی۔

''بار بار معائنہ کرنا پڑتا ہے۔ کچھ قوانین ہیں جن کی پابندی مجھ پر لازمی ہے۔'' کرنل بارڈس ڈروف نے جواب دیا۔

''میں صرف خصوصی کیسوں کی بات کرتا ہوں۔ یہ سراسر انسانی مسئلہ ہے۔''

''مجھے پورا پورا احساس ہے اور یقین رکھو آئندہ میں ذاتی دلچسپی لے کر حکام بالا کو ان کی طرف متوجہ کروں گا۔ ہم نہیں چاہتے تم میں سے کسی شخص کی جان یہاں نکلے۔''

ڈی فورگ نے جرمن کرنل کے ذہن میں ایک بات بٹھا دی تھی اور وہ اس سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ ہر وقت اسی ٹوہ میں رہتا کون شخص بیمار ہے اور گھر جا رہا ہے تا کہ وہ اس کے ہاتھ بیوی کو خفیہ پیغام بھجوا سکے۔

اس دوران میں حالات نارمل ہو گئے اور فرانس سے پہلی ڈاک موصول ہوئی۔ اس میں اس کی بیوی کا خط بھی تھا۔ اس نے محسوس کیا جیسے خون نئے سرے سے اس کی رگوں میں گردش کرنے لگا ہے۔ خط ملنے میں ایک ماہ لگ جاتا، لیکن اب زندگی کی کوئی آس تو تھی۔ بیرونی دنیا سے ایک تعلق تو استوار ہو گیا تھا، پھر یہ ہوا کہ گھر سے ایک پیکٹ موصول ہوا۔ اگرچہ جرمنوں نے اسے اچھی طرح دیکھ بھال لیا تھا، لیکن پھر بھی ڈی فورگ کے کام کی چیز اس کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ یہ چند فٹ رسی تھی جس سے پیکٹ باندھا گیا تھا۔ اس کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسے ماؤزے تنگ کا ایک قول یاد آیا۔ ''اگر آدمی کو ایک ہزار میل کا فاصلہ طے کرنا ہے، تو پہلا قدم اٹھا کر اس کی ابتدا تو کر دی جائے۔'' اور اب آزادی کی طرف ڈی فورگ پہلا قدم رکھ چکا تھا۔ طویل اور مضبوط رسی کا ایک ٹکڑا تو اسے میسر آ گیا تھا۔

اس نے قلعے کے ڈاک خانے میں متعین فرانسیسی فوجی پکوشے کو گانٹھا اور اس سے کہا۔ ''تمام پیکٹوں کی رسیاں اتار کر اسے پہنچا دی جائیں۔ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے، کسی کو اس کا علم نہ ہونا چاہئے۔ اس میں میری بھی بھلائی ہے اور تمہاری بھی۔'' ڈی فورگ نے مزید کہا۔ ''اور اسی میں فرانس کی بھلائی ہے۔''

اس کا نوکر، گبوری ہر دوسرے تیسرے دن پکوشے کے پاس جاتا اور رسی لا کر جرنیل کے حوالے کر دیتا۔ اس نے تمام ٹکڑے چھپا رکھے تھے۔ اگرچہ یہ عمل بڑا سست تھا، تاہم منزل کی طرف قدم اٹھانے کی ابتداء تو ہو گئی تھی۔ اب دوسرے مرحلے کے لئے اسے بیرونی امداد کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے وہ کسی بیمار کی تلاش میں رہتا جس کے ہاتھ پیغام بھجوا سکتا۔ جب ایسا کوئی کیس سامنے نہ آیا، تو اسے ایک اور ترکیب سوجھی۔ کسی فرانسیسی جرنیل کو مصنوعی طور پر اس قدر بیمار کر دیا جائے کہ جرمن رحم کھا کر اسے قید سے رہا کر دیں۔ اس مقصد کے لئے اس کی نظر انتخاب جنرل یونیو پر پڑی جو اپنی دلہن کے لئے بے چین تھا۔ ''میں ہر وہ کام کرنے پر تیار ہوں جو انسانی بس میں ہے۔'' اس کا کہنا تھا۔ ''بس کسی طرح بخیریت فرانس پہنچ جاؤں۔''

ڈی فورگ نے سوچ سوچ کر ایک ترکیب نکال لی۔ یونیو خوب ہشاش بشاش رہے۔ وہ یہی تاثر دے کہ قید کو اس نے اٹل حقیقت سمجھ کر قبول کر لیا ہے اور اسے وطن واپس جانے کی کوئی خواہش نہیں، قلعے کی

انتظامیہ کے خلاف کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔

بونیو نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ وہ خوب کھاتا، قہقہے لگاتا، گہری نیند سوتا، کھیلوں میں حصہ لیتا، اس طرح اس کے وزن میں اضافہ ہونے لگا۔ ہر ہفتے ان کا طبی معائنہ ہوتا تھا۔ جرمن بڑی احتیاط برتتے تھے کہ کوئی جرنیل بیمار ہو کر قید میں مرنے نہ پائے۔ طبی معائنے میں بیماری کے اثرات دیکھ کر مناسب علاج معالجہ کیا جاتا۔

ایک دن کرنل بارڈس ڈروف کی ملاقات جنرل ڈی فورگ سے ہوئی، تو کرنل نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں تم میں سے کچھ لوگ یہاں پہلے سے زیادہ خوش ہیں، وہ جیل کو تفریحی مقام کی حیثیت دے رہے ہیں۔''

''میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا۔ ''کوئی فرانسیسی، جرمن قید خانے کو یہ حیثیت دے گا۔''

''اونہہ! جنرل بونیو کو دیکھو۔ چند ماہ پہلے وہ ہڈیوں کا ڈھانچا تھا اور اب اس کا وزن تیزی سے بڑھ رہا ہے اور چہرے پر خون کی سرخی دوڑ رہی ہے۔'' کرنل نے کہا۔

''ہاں! یہ تو اور معاملہ ہے۔ تم لوگ قلعے کا انتظام کرتے ہو، ہمارے ساتھ سلوک بڑا فیاضانہ ہے۔ کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا، اس لئے بونیو کو قید راس آ گئی ہے۔ آخر آدمی اور کر بھی کیا سکتا ہے۔''

یہ الفاظ اس شخص کے منہ سے ادا ہوئے تھے جسے وہ ۴۰ ڈویژنوں سے زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ کرنل بارڈس ڈروف نے ڈی فورگ کے لہجے میں تبدیلی دیکھی، تو اسے ایک گونہ اطمینان محسوس ہوا۔ آخر اس نے ان فرانسیسی جرنیلوں کی زندگی خوش گوار بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ انہیں روزانہ تین وقت کھانا ملتا، پھر کنٹین الگ تھی جہاں سے قید، جرمنوں کی دی ہوئی خصوصی رقم سے چیزیں خرید سکتے۔ کھیل کود کی سہولتیں میسر تھیں۔ یہ سب کچھ ان کا دل جیتنے کے لئے کیا گیا تھا اور ڈی فورگ کے الفاظ ظاہر کر رہے تھے کہ جرمن اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

لیکن یہ ڈی فورگ کی ایک چال تھی۔ وہ جرمنوں کا اعتماد حاصل کر کے اپنے مقاصد پورا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جنرل یونیو کو اپنی اس گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ ''ہمارا منصوبہ صحیح کام کر رہا ہے۔''

''ہمیں اب دوسرے مرحلے کر آغاز کر دینا چاہئے۔'' بونیو نے جواب دیا۔

''جلد بازی اچھی نہیں۔'' ڈی فورگ نے کہا۔ ''ابھی اس تاثر کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔''

پہلے موسم سرما نے ڈیرے ڈال دیئے اور سکسونی کے قلعے میں فرانسیسی جرنیل ٹھٹھر ٹھٹھر گئے۔ ان میں سے کچھ یہ توقع لگائے بیٹھے تھے کہ فرانسیسی فوج کی شکست کے بعد انگلینڈ میدان میں نہیں ٹھہر سکتا۔ ''جس قدر جلد جنگ کا خاتمہ ہو، بہتر ہے۔'' لیکن ڈی فورگ کے نظریات مختلف تھے۔ اس کا خیال تھا جرمن کسی صورت میں رودبار عبور نہیں کر سکتے۔ برطانوی بحریہ اور فضائیہ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے قابل ہے اور جلد یا بدیر روس اور امریکہ بھی متفقہ دشمن کی گردن پر ہاتھ ڈال دیں گے۔

دن اور ہفتے گزرتے رہے۔ بوریت اور مایوسی کی دھند کثیف ہوتی چلی گئی۔ جرنیلوں کا وجود کسی بھی مطلب سے عاری تھا، ان کی زندگی کا کوئی واضح مقصد باقی نہ رہا۔ وہ حالات کے تھپیڑوں سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو گئے، لیکن ڈی فورگ اور بونیو ایک مقصد کے لئے زیادہ تھے۔ ڈی فورگ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے رسا بٹنے میں مصروف تھا، مگر اسے فکر لاحق تھی کہ یہ اس کا وزن نہ سہار سکے گا۔ پھر اس سے بھی زیادہ تشویش یہ تھی کہ جرمنی میں آٹھ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے وہ فرانس یا سوئٹزرلینڈ کی سرحد پر کیسے پہنچے گا؟ بالآخر اس نے ایک ٹھوس منصوبہ سوچ لیا اور سب سے پہلے بونیو کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کیا۔

''اگلے ہفتے جب تمہارا وزن ہو جائے، تو اس کے بعد خوراک کم کر دو۔ وزن تیزی سے گرنے لگے، تاہم ڈاکٹروں سے کسی قسم کی شکایت نہ کرو۔ وہ یہ نہ سمجھیں تم جان بوجھ کر لاغر ہو رہے ہو اور اس طرح قید سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو۔ وزن میں کمی کے اسباب وہ خود تلاش کرنا چاہیں، تو کرتے رہیں۔ بالآخر جب تم اس قدر کمزور پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں قید سے رہا رنے پر مجبور ہو جائیں، تو میرا پیغام میری بیوی کو پہنچا دینا۔ میں یہ پیغامات تمہاری جیکٹ کے کالروں میں سی دوں گا۔

''ٹھیک ہے۔'' بونیو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں نے خفیہ پیغام رسانی کے لئے ایک کوڈ بھی بنا لیا ہے۔ اس سے میری بیوی کو مطلع کر دینا۔'' قدرے توقف کے بعد ڈی فورگ نے کہا۔ ''اور میں نے فرار کا ایک حقیقی منصوبہ بھی سوچ لیا ہے۔

''میرا خیال ہے یہ اس منصوبے سے آسان ہوگا جس پر میں عمل پیرا ہوں۔'' یونیو نے رائے دی۔

''اس سے زیادہ خطرناک ہے۔ میں دیوار کے اوپر سے کودوں گا۔''

''یہ کام کیسے کروگے؟'' برنیو نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ایک رسے کی مدد سے۔''

''رسا! کیسا رسا؟''

''ہمارے پیکٹ جن رسیوں میں بندھے ہوتے ہیں، ان کی مدد سے میں مضبوط رسا بٹتا رہتا ہوں۔''

''لیکن یہ مضبوط نہ ہوگا۔'' تمہیں ایسا رسا چاہیے جو ایک سو پچاس فٹ لمبا اور دوسو پونڈ وزن سہارنے کے قابل ہو۔ چھوٹی چھوٹی رسیاں جوڑنے سے کام نہیں چلے گا۔ سراسر خودکشی کے مترادف ہے، یہ تمہارا منصوبہ! بونیو نے کہا۔ ''ہاں، اگر میں باہر چلا جاؤں تو ایک ترکیب عمل میں لائی جاسکتی ہے، ٹیلی فون کی تار یا کوئی اور شے خوراک کے ڈبوں میں چھپا کر بھیجی جائے۔ اگرچہ تمام پیکٹ اچھی طرح چیک ہوتے ہیں، لیکن اس سے بھی بچنے کے لئے سوچا جاسکتا ہے۔''

''دوسرا مرحلہ ہے قلعے سے نکل کر میں جرمنی کی سرحد کیسے پار کروں؟ اس کے لئے کسی گائیڈ کا ہونا ضروری ہے۔ اسے سوئٹزرلینڈ کی نمبر پلیٹ لگا کر ایک کار میں طے شدہ مقام پر پہنچنا چاہیے۔ وہیں میں بھی اس سے جاملوں گا۔ ہم فوراً فرانس کی سرحد کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔ اگر صبح کی صاضری کے بعد میں قلعے سے نکلوں گا، تو شام کی حاضری سے پہلے پہلے سرحد عبور کی جاسکتی ہے۔ اس وقت جرمنوں پتا چلے گا میں قلعے میں موجود نہیں، مگر وہ کچھ نہ کرسکیں گے۔ سرحد پر ہم اپنی کار چھوڑ دیں گے اور پیدل فرانس میں داخل ہو جائیں گے۔''

''راستے میں کئی مقامات پر پولیس اور فوج تمہیں چیک کرے گی؟'' بونیو نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

''ہم جعلی کاغذوں کا بندوبست کر رکھیں گے، یہ کام ان کے ذمے ہوگا، جو پیچھے بیٹھ کر ہمارے فرار کا انتظام کریں گے۔ میرے پاس سوئٹزرلینڈ کا پاسپورٹ ہوگا۔ پیشہ، تجارت یا کچھ اور بھی لکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح شک وشبے کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا۔

دونوں جرنیلوں کی آرزوئیں جوان تھیں۔

اوخرخزاں کی ایک سہ پہر وہ بونیو کی جیکٹ کے کالروں میں خفیہ پیغام سی رہا تھا کہ اچانک جرمن لیفٹیننٹ ہڑبل دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آدھمکا۔ ''جنرل، تم سینے پرونے کا کام بھی کرتے ہو؟'' اس سے حیرت سے پوچھا۔

''تم دیکھ تو رہے ہو۔'' ڈی فورگ نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

''بعض جرنیل اردلیوں سے اچاسی پرو لیتے ہیں۔''

لیفٹیننٹ ہڑبل لاجواب ہو کر رہ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا، پھر اس نے رسماً سر جھکایا اور چلا گیا۔

اگلے موسم سرما نے جلد ہی ڈیرے ڈال دیئے۔ نومبر کے شروع میں قلعے پر برف باری ہونے لگی۔ قیدیوں نے سطح مرتفع پر چلنے والی یخ بستہ ہوا سے بچاؤ کے لئے لمبے کوٹ استعمال کئے، درخت ننگے ہو گئے اور زمین پر سفید برف کی چادر بچھ گئی۔

اسی دوران میں جنرل بونیو کی صحت ''پیچیدہ'' صورت اختیار کر گئی۔ اس کا وزن اس حد تک کم ہو چکا تھا کہ وہ محض ہڈیوں کا ڈھانچا بن کر رہ گیا۔ ڈاکٹر اسے روزانہ چیک کرنے کے لئے بلاتا۔ وہ بمشکل لڑکھڑاتا ہوا اس کے پاس پہنچتا۔ ''ڈاکٹر، آخر میرے ساتھ معاملہ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔ ''مجھے کمزوری ی محسوس ہوتی ہے۔ آیا صورت حال تشویش ناک تو نہیں؟''

''عجب گورکھ دھندا ہے، جسم میں کسی بیماری کے اثرات دکھائی نہیں دیتے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''پھر میں روز بروز کمزور کیوں ہوتا جا رہا ہوں۔'' میری بھوک کیوں کم ہو گئی ہے؟ آخر کوئی وجہ تو ہو

گی؟''

جیل کے ڈاکٹر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، تو بونیو کو باہر کسی ہسپتال میں معائنے کے لئے لے گئے، لیکن وہاں بھی بیماری کی تشخیص نہ ہو سکی جس کا علاج کیا جاتا۔ ہسپتال سے آکر بونیو چارپائی سے لگ گیا۔

ایک روز ڈاکٹر، بونیو کے کمرے میں آیا۔ ''ڈاکٹر اب میں کیسا ہوں؟'' بونیو نے پوچھا۔

''پہلی سی حالت ہے۔''

بونیو نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اگر معاملہ تشویش ناک ہے، تو مجھے ضرور بتا دو۔''

''دراصل تمہیں کوئی پراسرار بیماری لاحق ہے۔''

ڈاکٹر خاموش رہا۔

بونیو نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔ ''تو پھر میں قریب المرگ ہوں۔؟''

''امید! کس بات کی؟'' اس سوال کے ساتھ ہی بونیو نے سر گھمایا اور ڈاکٹر کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''تم دو مہینے میں دو سو بار معائنہ کر چکے ہو، مگر بیماری کا پتا نہ لگا سکے۔ آہ! مجھے صرف ایک بات کا افسوس ہے۔''

''بتائیے، وہ کیا بات ہے؟'' ڈاکٹر نے مشتاقانہ لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں، یہ پہنچ سے باہر ہے۔''

''اگر میرے بس میں ہو، تو میں مدد کے لئے تیار.....'' وہ فقرہ پورا نہ کر سکا۔ بونیو نے بات کاٹ دی اور بڑبڑایا: نہیں، یہ ناممکن ہے..... لیکن اگر میں اس سے مل نہیں سکتا، تو خط لکھ دیتا ہوں، اسے بھیج دینا..... میں نے ابھی تک اس کو اپنی بیماری کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ پتا نہیں، اچانک میری موت کی خبر سن کر اس پر کیا بیتے گی؟ ہم تو چند دن بھی اکٹھے نہ گزار سکے۔''

ڈاکٹر جانے کے لئے اٹھا۔ ''میں کچھ کر سکتا، تو ضرور کروں گا۔''

چند روز یوں ہی گزر گئے۔ آخر ایک دن کرسمس سے پہلے کرنل باڑوس ڈروف اس کے پاس آیا۔

''جنرل، میں تمہارے لئے کرسمس کا تحفہ لایا ہوں۔ وہ یہ کہ تم گھر جا رہے ہو۔ ہائی کمان نے انسانی بنیادوں پر تمہاری رہائی کے احکام صادر کر دیئے ہیں۔''

''اس کا دوسرا مطلب یہ ہے، میری موت یقینی ہے۔ تمہیں اب میرے بچنے کی قطعاً امید نہیں؟''

بونیو نے انتہائی تصنع سے یہ الفاظ منہ سے نکالے۔ وہ چھ مہینے سے اس منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔ اب جبکہ کامیابی کی منزل دو ایک قدم کے فاصلے پر تھی، اس نے کسی قسم کی گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا تاکہ اس کے اشتیاق اور بے صبری کا پتا نہ چلے۔

بونیو کی رہائی کی خبر قلعے میں پھیل گئی۔ جنرل پالسی اور روبکس نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ خوشگوار ہنی منی مناؤ۔''

اگلے ہی دن اسے رخصت کر دیا گیا۔ اس نے وہی جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے کالروں میں ڈی فورگ کا خفیہ پیغام سلا ہوا تھا۔

کرسمس گزر گیا۔ جنوری آیا اور اختتام کو پہنچ گیا۔ ڈی فورگ کو گھر سے کسی خط کا شدید انتظار تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا، اس کا پیغام اس کی بیوی کو پہنچ گیا یا نہیں؟

اوائل فروری کے ایک بوجھل دن ایک خط موصول ہوا۔ اس نے کمرے کی تنہائی میں اسے کھولا اور مطلب کی بات تلاش کرنے کے لئے جلدی جلدی سارے خط پر نظر دوڑائی۔ جب وہ ان سطروں پر پہنچا۔ تو اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

''کرسٹائن یہاں ہے اور اس کی خبر تمہیں جلد دوں گی۔''

وہ اسی پیغام کی تلاش میں تھا۔ فرانس میں کسی ٹھکانے سے اس کا رابطہ قائم ہو چکا تھا۔

وہ بڑا جذباتی سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس خط کو مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنے آپ سے کہا۔ ''اب ناممکن کو ممکن بنا دیا جائے گا۔''

☆☆☆

''ناممکن!'' رائیوت نے کہا۔

''یہ خودکشی کے مترادف ہے۔'' گلانڈ نے رائے ظاہر کی۔

بونیو کے چہرے پر مایوسی طاری تھی اور مادام ڈی فورگ بھی ناخوش تھی۔ وہ پے بہ پے صدمے کے باوجود زندگی کی توانائیوں سے معمور تھی اور برے سے برے وقت میں بھی اپنے خاوند کی مدد کے لئے آمادہ تھی۔ اسی نے ان تینوں آدمیوں کو اپنے گھر جمع کیا تھا، تاکہ ڈی فورگ کے فرار کا جامع منصوبہ تیار کیا جا سکے۔ بونیو کو رہا ہوئے ایک ماہ گزر چکا تھا۔

مادام نے نرم و نازک آواز میں کہا۔ ''وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے ضرور نکلنے کی کوشش کرے گا۔ ہم سب اس کی فطرت سے واقف ہیں، وہ نچلا بیٹھنے والا آدمی نہیں۔''

رائیوت نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''

یہ شخص جنگ فرانس میں چیف آف اسٹاف رہ چکا تھا اور اب دشمن حکومت نے یہاں اسے لیان کے دفتر اطلاعات میں متعین کر رکھا تھا۔ یہاں خفیہ طور پر فرانسیسی فوجی افسروں کی تنظیم نو کا کام ہو رہا تھا۔ اس حیثیت سے اس کے تعلقات وسیع تھے، اسی لئے مادام ڈی فورگ نے اس سے مدد مانگی تھی، لیکن شاید وہ ایک بات نہ جانتی تھی، رائیوت نے ایک ایسا گروہ بھی تشکیل دے رکھا تھا جو فرانسیسی فوجیوں کو جرمنوں کی قید سے فرار ہونے میں مؤثر کردار ادا کر دیا تھا، تاہم آج تک کسی نے اس قلعے سے فرار کا منصوبہ نہ بنایا تھا جہاں جنرل ڈی فورگ اور دیگر ایک سو کے قریب فرانسیسی جرنیل نظر بند تھے۔

''لیکن اس منصوبے سے کام نہ چلے گا جو اس نے بنا بھیجا ہے۔ یہ کئی مقامات پر خطرناک ثابت ہوگا۔'' رائیوت نے توقف کے بعد کہا۔

''یہی نکتہ میں نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی۔'' بونیو نے جواب دیا۔ ''مگر اس کا کہنا تھا خطرات مول لینے ہی پڑتے ہیں۔''

''یہاں تو قدم قدم پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کار میں کوئی شخص جائے، پھر واپس آئے۔ گسٹاپو اور فوجی جاسوسوں کی نظریں اس پر جمی ہوں گی۔ پھر پٹرول کی راشن بندی ہے۔ جب تک ہم منصوبہ مکمل کریں گے یہ پابندیاں اور سخت ہو سکتی ہیں۔ اس قدر مسافت کے لئے پٹرول کا حصول ناممکن ہوگا۔''

رائیوت اپنی بات پر اڑا رہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔

''منصوبہ ناقابل عمل ہے۔'' گلانڈ نے کہا۔ وہ ایک جرات مند میجر تھا اور لیان کے ملٹری انٹیلی جنس یونٹ میں کام کر رہا تھا۔ ''لیکن مجھے اس کے بنیادی خیال سے اتفاق ہے کہ کوئی اسے لینے جائے۔''

''دونوں آدمیوں کو مروانا چاہتے ہو۔'' رائیوت نے تیزی سے جواب دیا۔

''ہم منصوبے میں ترمیم کر لیتے ہیں۔ کار کے بجائے گائیڈ، ریل گاڑی میں جائے اور اسی طرح واپس آئے..... وہ ہجوم سے فائدہ اٹھا سکیں گے اور انہیں پہچاننا مشکل ہوگا۔''

''ٹھیک ہے، ہمیں سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے چاہئیں۔'' رائیوت نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تو اس کا رسائی ماہ میں مکمل ہوگا۔ پھر اس کی مضبوطی کا مسئلہ ہے۔ وہی کام دے گا یا نیا میٹریل بھیجنا پڑے گا۔''

☆☆☆

موسم سرما اور پھر موسم بہار میں مادام ڈی فورگ اپنے خاوند کو حوصلہ افزاء خط لکھتی رہی۔ ہر ایک میں یہ خفیہ اشارہ بھی ہوتا، کرسٹائن کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ فرار منصوبہ ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے۔

رائیوت ہر وقت شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا ہے اس لئے گلانڈ نے منصوبے کا چارج سنبھال لیا۔ وہ ڈی فورگ کی اس تجویز کا بے حد مداح تھا کہ کوئی شخص اسے لینے کے لئے جرمنی بھیجا جائے۔ یہ سراسر شیر کے منہ میں سر دینے کے مترادف تھا۔ ڈی فورگ جیسے جرنیل کا فرار، دنیا بھر کے اخباروں کی شہ سرخیوں کا موضوع بنتا اور فرانس کو نازک وقت پر انتہائی دانش مند فوجی رہنما میسر آ جاتا۔ جرمنی کا وقار خاک میں مل جاتا اور ثابت ہو جاتا کہ پولیس اسٹیٹ اس قدر طاقت ور نہیں کہ اپنی مرضی سے کسی کو قید و بند میں مبتلا رکھے۔

رائیوت نے پھر نکتہ چینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جس لمحے ڈی فورگ کے فرار کی خبر جرمنوں کو ہوگی، پورا ملک حرکت میں آ جائے گا۔ جنرل اسٹاف سے یہ بات سیدھی ہٹلر تک پہنچے گی۔ اس کے غم و

غصے کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔ فوج اور پولیس کا پورا نظام ڈی فورگ کو زندہ یا مردہ حالت میں گرفتار کرنے کے لئے تگ ودو شروع کر دے گا، اس لئے تمہارے منصوبے کا بنیادی نکتہ یہ ہونا چاہئے کہ انہیں ڈی فورگ کے فرار کا کوئی سراغ نہ لگنے پائے۔ شروع سے لے کر آخر تک انہیں علم نہ ہو، اس نے کدھر کا رخ کیا ہے اور کس مقام سے جرمنی کی سرحد عبور کرنا چاہتا ہے۔"

یہ بات کہہ دینا آسان تھی، لیکن اسے عملی شکل دینا مشکل، مگر گلانڈ نے ایک منصوبے کو آخری شکل دے ہی لی۔ اس کی اساس وہی تھی کوئی سراغ جرمنوں کو نہ لگنے پائے۔

تفصیلات کے مطابق ڈی فورگ کو قلعے سے باہر نکلنے کا انتظام خود کرنا تھا۔ باہر سے اسے رسایا تار ضرور مہیا کر دی جائے گی۔ پھر جرمن زبان پر عبور رکھنے والا گائیڈ ریل گاڑی کے ذریعے غیر مقبوضہ فرانس سے مقبوضہ فرانس میں داخل ہوگا اور وہاں سے سیکسونی کے قلعے تک پہنچنے کی کوشش کرے گا، اس کے پاس سفر کے دوہرے جعلی کاغذات ہوں گے۔ مقبوضہ فرانس میں وہ شراب کے ڈیلر کی حیثیت سے سفر کرے گا اور جرمنی میں تیسری رائش کے عام مزدور کی حیثیت سے واپسی کے کاغذات میں لکھا ہوگا کہ وہ فرانس میں چھٹیاں منانے آرہا ہے۔ وہ اپنے ساتھ بریف کیس لے جائے گا جس میں ڈی فورگ کے کپڑے اور جعلی کاغذات ہوں گے۔ جن کی رو سے ڈی فورگ، لیان میں مصنوعی ریشم کی کسی فرم کا ایجنٹ تصور کیا جائے گا۔

گائیڈ اور ڈی فورگ قلعے کے نزدیک پہلے سے شدہ تاریخ، وقت اور مقام پر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ اگر کسی بنا پر ڈی فورگ وہاں نہ پہنچ سکے تو گائیڈ دوسرے دن اسی مقام پر پھر جا کر پتا کرے گا۔ دوسری بار بھی ان کی ملاقات نہ ہوئی تو گائیڈ فرانس واپس چلا آئے گا اور منصوبہ ختم کر دیا جائے گا۔

اگر ان دونوں کی ملاقات ہوگئی، تو سب سے پہلے وہ برلن جانے والی گاڑی پکڑیں گے، جرمنوں کو شائبہ تک نہ گزرے گا کہ کوئی قیدی بھاگ کر برلن کا رخ کر سکتا ہے۔ برلن سے وہ رات کو سٹرابرگ کی گاڑی میں بیٹھیں گے۔ یہ مقام بھی جرمنوں کے ذہن میں نہیں آسکتا۔

یہاں سے گائیڈ کا کام ختم ہو جائے گا اور ایک خصوصی گروہ ان دونوں کو لورین، السا ک کی سرحد

پار کرنے میں مدد گا۔ جس پر اس وقت جرمنوں کا قبضہ ہے۔ اگر سٹرابرگ میں کوئی گڑبڑ ہو جائے، تو ڈی فورگ اور گائیڈمل ہاؤس کے قصبے کا رخ کر لیں گے، جو فرانس اور سوئٹزرلینڈ کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ یہاں ایک اور گروہ ڈی فورگ کو بحفاظت فرانس پہنچانے کے لئے موجود ہوگا۔

منصوبے کا آخری حصہ یہ تھا کہ ڈی فورگ فرانس میں فوری طور پر کہاں اور کیسے رہائش اختیار کرے، کیونکہ نازی انتقام لینے کے لئے اسے اغواء کرنے کا قدم ضرور اٹھائیں گے۔ چنانچہ ایک ایسے مقام کا انتخاب کر لیا گیا جہاں مناسب حفاظتی تدابیر اختیار کر لی گئیں، تاکہ یہ عظیم اور مدبر جرنیل، فرانس کو قعر ذلت سے نکالنے کے لئے دوبارہ سرگرم عمل ہو سکے۔

یہ طویل منصوبہ بندی، ڈی فورگ کو بھیجنا بجائے خود ایک مسئلہ تھا۔ عام خطوں میں ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ گلائڈ نے ایک تدبیر آخر نکال ہی لی۔ نہایت باریک کاغذ پر اسے ٹائپ کر کے چھوٹی سی ٹیوب میں بند کر دیا گیا اور کیک میں ٹیوب چھپا دی گئی۔ یہ کیک سالگرہ کے تحفے کے طور ڈی فورگ کو بھیج دیا گیا۔

☆☆☆

اگلے خط میں مادام ڈی فورگ نے اپنے خاوند کو لکھا۔ ''تمہاری سالگرہ پر کیک بھیج رہی ہوں۔ امید ہے یہ ٹھیک دن وصول ہو جائے گا اور تم اس سے لطف اندوز ہو گے۔ اسے کھاتے ہوئے یہ ذہن نشین رکھنا کہ پورے خاندان نے اس کی تیاری حصہ میں لیا ہے۔ کرسٹائن نے کچھ زیادہ ہی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔''

خط میں یہ خفیہ پیغام بھی تھا۔ ''کیک میں ایک ٹیوب ہے۔''

دو ماہ بعد جواب آ گیا یہ ایک یادگار دن تھا۔ اسی روز ہٹلر نے روس پر یلغار کی تھی، لیکن ساتھ ہی فرانسیسیوں کو ہٹلر کی شکست کی امید اور قوی ہو گئی، کیونکہ ان کی رہنمائی کرنے والے جرنیل کے فرار کا منصوبہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ ڈی فورگ کا جواب امید کی کرنوں اور سلگتی تمناؤں سے معمور تھا۔

ڈی فورگ نے اپنے خط میں لمبی تار بھیجنے کی درخواست کی تھی۔

☆☆☆

گلانڈ کے زمانہ طالب علمی کا ایک دوست پیری برتل، ڈبے بنانے کی فیکٹری کا مالک تھا۔ وہ حب الوطنی کے جذبات سے سرشار اور ہم وطنوں کی خدمت کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا۔ گلانڈ نے اسے اعتماد میں لے کر کہا۔ ''ایک بہت بڑی شخصیت کو کسی قلعے سے فرار میں مدد دینے کے لئے لمبی اور مضبوط تار بھیجنی ہے۔ کوئی ایسا خصوصی ڈبہ تیار کرو کہ اس میں خوراک کی چیزوں کے علاوہ تار چھپا کر ارسا کی جا سکے۔

برتل نے اس نازک مسئلے پر اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لا کر بالآخر ایک ترکیب ڈھونڈ لی۔ خوراک کے چار ڈبوں میں تار اس طرح چھپا کر بھیج دی گئی کہ بغور جائزہ لینے کے باوجود اس کا سراغ نہ لگ سکتا تھا۔

''سب سے بہترین شے جو ڈی فورگ وصول کرے گا.....اس کی آزادی کا ٹکٹ ہوگا۔'' گلانڈ نے مادام ڈی فورگ کو بتایا۔

لیکن اس دوران میں بعض ایسی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں، جن کا علم مادام کو تھا، نہ گلانڈ کو۔ قلعے میں خوراک کے ڈبے قیدیوں کے حوالے نہ کئے جاتے تھے، بلکہ ان میں سے صرف کھانے کی چیزیں نکال کر دی جاتیں۔ خالی ڈبے پھینک دیئے جاتے۔

ایک اہم موڑ پر واقعات کی نبض رکتی محسوس ہوئی۔

قید کا ایک سال گزر رہا تھا اور جنرل (سابقہ کرنل) بارڈس ڈروف، قلعے کی زندگی سے مطمئن تھا۔ تمام فرانسیسی جرنیلوں کا رویہ حوصلہ افزا تھا۔ کسی نے فرار کی کوشش نہ کی تھی اسے اعتماد تھا، یہ ان کے بس کی بات نہیں اور وہ اس سے آگاہ ہیں، کوئی بے وقوف تھوڑے ہیں، اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ قلعہ فرار پروف ہے۔

بہار کے خوشگوار دن آئے تو بارڈس ڈروف نے فرانسیسی جرنیلوں کی اطاعت گزاری سے متاثر ہو کر انہیں اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ قلعے سے نکل کر قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور جرمن علاقے کی سیر کر سکتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے، وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کریں۔

ڈی فورگ نے یہ تجویز سن کر جواب دیا۔ ''میں اس فیاضانہ پیش کش سے فائدہ نہ اٹھا سکوں گا۔''

''آخر کیا وجہ ہے؟''

''اصول کا معاملہ ہے۔''

''اصول! اصول!'' جنرل بارڈس ڈروف بڑبڑایا۔ ''ہر وقت یہی رٹ لگائے رکھتے ہو! اگر میں تمہیں باہر سیر کی اجازت نہ دوں اور دن رات قلعے کی چار دیواری میں قید رکھوں، تو کیا تم فرار ہو سکتے ہو؟''

''اگر فرار کے مواقع حاصل نہیں تو انسان کیوں معاہدہ کرلے کہ وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرے گا۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا۔

دوسرے جرنیلوں نے اس کی حمایت نہ کی، بلکہ اس پیش کش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پالسی اور روبکس نے تو قلعے کے ارد گرد آٹھ دس مربع میل کا علاقہ خوب دیکھ بھال لیا۔ انہیں کہیں سے نقشے اور ریلوے ٹائم ٹیبل بھی مل گئے۔ روبکس تمام اطلاعات ڈی فورگ کو پہنچا دیتا۔ ان دونوں نے ریلوے کے اوقات تقریباً حفظ کر لئے۔ ڈی فورگ کو پتا چل گیا کہ قلعے سے دس میل دور ایک ضلع بیدداشو ہے۔ یہاں سے دن کو سوا بجے برلن کے لئے گاڑی روانہ ہوتی ہے۔ وہاں تک وہ پیدل جا سکتا ہے۔ برلن سے سٹرابرگ کی گاڑی رات کو 10\25 پر چلتی ہے۔ اس طرح سفر کا مسئلہ آسان تھا۔

موسم گرما کے وسط میں، روس پر ہٹلر کی یلغار کے چھ ہفتے بعد وہ ذہنی طور پر پریشان سا ہو گیا۔ اسے سارا منصوبہ غیر یقینی سا نظر آنے لگا۔ فرض کیجئے وہ قلعے سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن طے شدہ مقام کا راستہ بھول جائے یا اس مقام پر اسے گائیڈ نہ ملے، تو کیا نتائج نکلیں گے؟ ان امکانات کے پیش نظر اسے اپنے طور پر جرمنی سے نکلنا ہوگا۔ اس مرحلے پر لباس اور جعلی کاغذات اور سفر کے مصارف کے لئے جرمن کرنسی درکار ہوگی۔ اس نے متبادل منصوبے پر غور شروع کیا۔

جرمن محافظ چاکلیٹ کے بڑے شوقین تھے۔ ڈی فورگ پارسلوں میں آنے والے سارے تحائف ان کے ہاتھ بیچ دیتا۔ اس طرح جرمن سکے کا مسئلہ جزوی طور پر حل ہو گیا۔ جزوی طور پر اس لئے کہ جمع شدہ رقم پورے سفر کے اخراجات کے لئے اب بھی ناکافی تھی۔

اس نے قلعے سے نکلنے کے لئے سب سے پہلے جنرل روبکس کو اعتماد میں لیا۔ وہ اتنے جامع منصوبے سے بڑا متاثر ہوا۔ بیدداشو کے قصبے سے گاڑی پکڑنے کے خیال کو بھی اس نے سراہا، کیونکہ یہ جگہ سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز تھی۔ پر بہار وادی اور دیگر قدرتی مناظر سے محظوظ ہونے کے لئے ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کا تانتا بندھا رہتا۔ ڈی فورگ با آسانی ان میں گھل مل کر اپنے آپ کو پولیس کی نظروں سے بچا سکتا تھا۔

روبکس نے نقشے کی مدد نے ڈی فورگ کو بتایا کہ وہ قلعے سے نکل کر جنگل میں سے گزرنے والی سڑک کے ذریعے اس قصبے میں پہنچ سکتا ہے۔ قصبے سے تھوڑی دور ادھر سڑک خم کھا کر ایک وادی میں اترتی ہے۔ یہی پہاڑی ندی پر لکڑی کا چھوٹا سا پل ہے۔ یہ مقام گائیڈ سے ملنے کیلئے انتہائی مناسب رہے گا۔

''لیکن تمہیں سب سے پہلے قلعے سے باہر نکلنے کا مرحلہ سر کرنا ہوگا۔'' روبکس نے کہا۔ ''تمہارا رسا کہاں ہے؟''

''مدت سے اسے بٹ رہا ہوں۔ فروری، مارچ تک تیار ہو جائے گا۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا اور دونوں اس مقام کی طرف چل دیئے جہاں سے وہ نیچے اترنا چاہتا تھا۔

رسے کو پکڑ کر ایک سو پچاس فٹ تک نیچے سرکنا بہت دشوار ہے۔ ہاتھوں کا گوشت اڑ جائے گا۔'' روبکس نے کہا۔

''میری تجویز یہ ہے رسے کے آخری سرے پر ایک ڈنڈا باندھ کر اس پر بیٹھ جاؤں اور تم میں سے چند جرنیل آہستہ آہستہ رسا نیچے سرکاتے رہیں۔''

''بہت خوب!'' روبکس نے داد دیتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

سرما اور خزان کے موسم گزر گئے۔ ڈی فورگ اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن رہا۔ اس نے جرمنوں کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرنے کے لئے تجویز پیش کی کہ قلعے میں جرمن زبان کی کلاسیں شروع کی جائیں۔ جنرل بارڈس ڈروف بڑا خوش ہوا اور تجویز فوراً عمل میں آ گئی۔ اس سے ڈی فورگ کے

راستے کی ایک اور رکاوٹ دور گئی۔ اب وہ کسی بھی جرمن شہری کی طرح جرمن زبان فر فر بولتا۔

روس پر جرمنوں کے حملے نے ڈی فورگ کی ضروریات پر بھی اثر ڈالا۔ وہ اس مہم کا قریبی جائزہ لینے کے لئے جرمن اخبارات غور سے پڑھا کرتا۔ بعض دوستوں کی درخواست پر اپنے مطالعے سے انہیں بھی مستفید کرنے لگا۔ وہ اخباروں میں چھپے ہوئے سرکاری اعلامیوں سے پراپیگنڈے کو چھان پھٹک کر الگ کر دیتا اور صحیح صحیح تجزیہ کرتا۔ سب جرنیل فن حرب میں اس کی مہارت اور تجربے سے پہلے ہی متاثر تھے، لیکن اب تو اس کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا اور وہ اس کے مرید ہو کر رہ گئے۔ ڈی فورگ وقت پڑنے پر ان کا تعاون حاصل کر سکتا تھا۔ دوسری طرف جرمن انتظامیہ کو پختہ یقین ہو گیا کہ ڈی فورگ نے قید کو حقیقت سمجھ کر قبول کر لیا ہے اور فرار کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس تاثر نے اس کی تمام سرگرمیوں پر پردہ ڈال دیا۔

موسم گرما کا ایک اتوار تھا، رات کے آخری حصے میں اچانک قلعے کی بتیاں بجھ گئیں۔ پتا چلا جاپان نے پرل ہاربر پر حملہ کر دیا ہے اور امریکی بحری بیڑہ تباہ ہو گیا ہے..... اب جرنیلوں کے بحث مباحثے نے ایک اور رخ اختیار کر لیا، وہ سوچنے لگے جلد یا بدیر امریکہ، انگلینڈ کو بیس بنا کر فرانس میں فوجیں اتارے دے گا، اور اس طرح جنگ کا پانسہ پلٹ جائے گا۔

ڈی فورگ کے جذبات میں آگ لگ گئی۔ اس کے اندازے کے مطابق فرانس ایک بار پھر میدانِ جنگ میں اپنی فوجیں کھڑی کرنے والا تھا۔ ڈی فورگ اسی فوج کی کمان کرنا چاہتا تھا۔ قید میں ہونے کے باوجود اس کی امیدیں جوان تھیں، اس نے تمام سیاسی اور جنگی امکانات پر غور کیا نتیجہ یہی نکلا، فرانس ایک بار پھر اپنی شان و شوکت حاصل کرے گا۔

کچھ عرصے بعد، دسمبر کے وسط میں اسے اپنی بیوی کا خط ملا جس میں لکھا تھا، وہ خوراک کے چار ڈبے بھیج رہی ہے اس میں تار چھپا دی گئی ہے۔ ڈی فورگ نے قلعے کے ڈاک خانے میں متعین فرانسیسی کارپول پکوشے کو آگاہ کر دیا۔

''جنرل، تم نئے قوانین سے باخبر ہو۔'' پکوشے نے جواب دیا۔ ''ڈبے، قیدیوں کے حوالے نہیں کئے جاتے۔''

''تم جانتے ہو، یہ میرے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے؟'' ڈی فورگ نے بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''کوئی نہ کوئی ترکیب نکالو۔''

''ڈاک خانے میں متعین جرمن عملے کو بھاری رشوت دیئے بغیر یہ کام نہ ہو سکے گا، بہرحال میں کوشش کر دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

اگلے روز صبح سویرے وہ ڈی فورگ کے کمرے میں پھر موجود تھا۔ اس نے چاروں خالی ڈبے جرنیل کو دیتے ہوئے کہا۔ ''ان میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں، تم حیرت زدہ ہو گے یہ سب کچھ جرمنوں کی نذر ہو گیا ہے، میرا خیال ہے خالی ڈبے تمہارے لئے عظیم تحفہ ہیں۔''

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ڈی فورگ تار نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ باریک تانبے کی بنی ہوئی تھی۔ وہ اسے بل دے کر مضبوط بنا سکتا تھا۔

آزادی..... بالآخر اس کے ہاتھوں میں تھی۔ اس نے بارڈس ڈروف اور جرمنی کی پوری فوجی تنظیم کو جل دے دیا تھا، اب وہ ان کے فلک بوس پتھریلے ''فرار پروف'' قلعے سے کسی لمحے بھی نکل سکتا تھا اور دنیا کی کوئی طاقت اور جاسوسی نظام ڈی فورگ کا راستہ روکنے کے قابل نہ تھا۔

☆☆☆

1942ء کے اوائل میں آپریشن کرسٹائن' نے ایک اور رخ اختیار کر لیا۔ یہ ایک انفرادی معاملے کی حیثیت سے شروع ہوا تھا۔ ایک شخص کے ذہن میں فرار کی ننھی سی خواہش نے جنم لیا تھا۔ وہ اپنے وطن کی نجات کے لئے مؤثر کردار ادا کرنا چاہتا تھا، اس لئے یہ فرانس کا قومی مسئلہ بن گیا۔ وشی حکومت کے چوٹی کے فوجی افسر اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھایا جا رہا تھا اور پھر اچانک ''آپریشن کرسٹائن'' نے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر لی اور سمندر پار واشنگٹن میں وائٹ ہاؤس کے اعلیٰ دماغوں کی سوچوں کا محور بن گیا۔

امریکہ اور برطانیہ، یورپ کی فتح کے لئے منصوبہ بندی کے ابتدائی مراحل میں تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ یورپ پر زبردست ہلہ بول دیں، دوسری یہ کہ شمالی افریقہ میں فوجیں اتار دی جائیں۔ دونوں ہی میں فرانس

کی سرزمین کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ انہیں کسی اہم فرانسیسی، سیاسی یا جنگی مدبر کی حمایت حاصل ہو۔

روز ویلٹ اور وزارت خارجہ کو ڈیگال کسی طرح بھی قابل قبول نہ تھا، لہٰذا فرانس میں امریکی سفیر کو سگنل ملا کہ وہ مناسب شخص تلاش کرے۔ جو فن حرب کا ماہر ہو اور جسے فرانسیسی فوج اور عوام کی مکمل حمایت حاصل ہو۔

امریکی سفیر نے جنرل بونیو، گلانڈ اور رائیوت سے رابطہ قائم کیا۔ ان کے ذریعے ڈی فورگ سے یہ سوال پوچھا گیا، آیا وہ فرانس کو آزاد کرانے کے لئے صدر روز ویلٹ کے ساتھ کام کرنے پر آمادہ ہے؟ آمادگی کی صورت میں وہ کون سی شرائط عائد کرنا چاہے گا؟

☆☆☆

جنرل ڈی فورگ، تاریک راتوں کو تنہائی میں تار بٹنے میں مگن رہتا۔ وہ تانبے کی باریک تار کو بل دے دے کر مضبوط بنا رہا تھا۔ کام کرتے اس کے ہاتھ جلنے لگتے اور پٹھوں میں درد شروع ہو جاتا۔

اسے داخلی سکون کی دولت میسر نہ تھی۔ قلعے سے باہر وقت کی تیز رفتار کا احساس اس کی روح کو گھن کی طرح کھا رہا تھا۔ بالآخر مارچ کی ایک تنہا شب کو اس نے تار مکمل کر لیا اور اگلی صبح اپنی بیوی کے نام خط میں خفیہ پیغام بھیج دیا۔ ''ربن تیار ہے۔''

ایک ہفتے بعد اسے بیوی کی طرف سے خط موصول ہوا۔ اس نے سوچا اتنی جلد اس کے اپنے خط کا جواب نہیں آ سکتا، لیکن وہ یہ اندازہ نہ کر سکا، خط کے مندرجات اس کے خوابوں کو حقیقت کا روپ بخش دیں گے، اس نے خط کی خفیہ زبان پر غور کر کے اصل مطلب نکالا، تو امریکیوں کا استفسار اس کے ذہن میں لاکھوں موم بتیوں کی طرح فروزاں ہو گیا۔ اس کی بلند ترین آرزوائیں پوری ہو رہی تھیں۔ اسی جوش کے عالم میں اس نے امریکی تجویز کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔

''جنرل ڈی فورگ، صدر روز ویلٹ کی پیش کردہ باہمی تعاون کی تجویز کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ تسلیم کرنے کو تیار ہے۔

1۔یکم ستمبر 1939ء سے پہلے کی فرانسیسی سرحدیں قائم رہیں گی اور فرانس کی علاقائی یکجہتی برقرار رہے گی۔

2۔فرانس کو اقتدار اعلیٰ حاصل رہے گا۔

3۔جنرل ڈی فورگ، فرانسیسی محاذ پر اتحادی فوجوں کا کمانڈر انچیف ہوگا۔

4۔فرانسیسی سکے مارک اور ڈالر کی شرح تبادلہ اس حساب سے ہوگی جس حساب سے انگلینڈ نے جنرل ڈی گال سے مارک اور پونڈ کی شرح تبادلہ طے کر رکھی ہے۔''

یہ طویل پیغام، عام کوڈ سے بھیجنا ممکن نہ تھا۔ڈی فورگ نے اسے فرنچ جرمن ڈکشنری میں رکھ دیا اور باہر چہل قدمی کے لئے نکل کھڑا ہوا۔رات کی خاموشی میں اسے سامنے سے ایک اور شخص آتا دکھائی دیا۔ یہ جنرل پالسی تھا۔اس نے ڈی فورگ کو دیکھتے ہی چونکا دینے والا انکشاف کیا۔

''جنرل روبکس کو بارڈس ڈروف نے طلب کیا ہے۔ممکن ہے اس کی کسی نے چغلی کھائی ہو کہ وہ فرار کی کوشش کر رہا ہے۔''

''یہ تو بدترین خبر ہے۔اگر روبکس نے وہاں تسلیم کر لیا، تو جرمن ضرور سوچیں گے کہ باقی جرنیل بھی ایسے منصوبے بنا رہے ہیں.....''ڈی فورگ نے پریشانی کے لہجے میں کہا۔

''ہم اس کا انتظار کرتے ہیں۔''پالسی نے کہا۔''اسی سے حقیقت حال کا پتا چلے گا۔'' آدھ گھنٹے تک وہ بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر ٹہلتے رہے۔روبکس واپس آیا، تو اس نے کہا۔''ایک قابل یقین خبر ہے۔''

''کیا تمہیں رہا کر دیا گیا۔''پالسی نے پوچھا۔

''بالکل یہی معاملہ ہے، بات کچھ یوں ہے کہ جاپانی حکومت، ٹوکیو کے فرانسیسی فوجی اتاشی سے خوش نہیں۔میرے تعلقات کبھی ان سے بہت خوشگوار تھے، اسی لئے انہوں نے تجویز پیش کی ہے کہ مجھے اس عہدے پر ٹوکیو بھیجا جائے، تبھی حالات سدھر سکتے ہیں۔''

''بڑی خوشی کی خبر ہے۔''ڈی فورگ نے کہا۔''جانے سے پہلے مجھے مل لینا کچھ پیغام دینا چاہتا

ہوں۔''

اگلے دن صبح سویرے روبکس نے جانے کی تیاری مکمل کر لی۔ الوداعی ملاقات کے لئے ڈی فورگ کے کمرے میں آیا، تو اس نے دو پیغام دیئے، ایک تو امریکی تجویز کا جواب تھا اور دوسرے میں بیوی کو یہ اطلاع دی گئی کہ وہ ہر طرح سے تیار ہے، اب دن کا انتخاب کر لیا جائے۔ اس کے نزدیک جمعہ کا دن مناسب رہیگا۔ اس روز سوموار تک سیکورٹی انتظامات ڈھیلے کر دیئے جاتے ہیں۔ گائیڈ سے ملاقات کا مقام اس نے بیدداشو کے نزدیک لکڑی کا پل تجویز کیا جو قصبے کے مغرب میں واقع ہے۔

''انہیں بتانا، میں ہر طرح تیار ہوں اور ان کے اشارے کا منتظر بیٹھا ہوں۔'' ڈی فورگ نے تیسری بار زور دے کر کہا۔

اور روبکس نے تیسری بار اسے یقین دلایا کہ وہ فرانس پہنچتے ہی سب سے پہلا کام یہی کرے گا۔ اس نے ڈی فورگ کے فرار میں مددگار ثابت ہونے والی کچھ چیزیں بھی تحفہ دیں۔ ان میں جرمن کرنسی، ریلوے ٹائم ٹیبل، قلعے کے نواحی علاقے کا نقشہ، جرمن، سوئٹزرلینڈ سرحد کا نقشہ، قطب نما، ہیٹ اور ایک برساتی شامل تھی۔

ڈی فورگ کے مسائل بڑی تیزی سے معجزانہ طور پر حل ہو رہے تھے۔

☆☆☆

روبکس کی روانگی کے ہفتوں بعد تک ڈی فورگ، اضطراب کی ناقابل بیاں کیفیت میں مبتلا رہا۔ رات کو بستر میں لیٹتے وقت اس کے ذہن پر وہی خیال حاوی ہوتا، جو اس وقت صبح بیدار ہوتے وقت اس کے سامنے آتا۔ خدایا! باہر نکلنے کا اشارہ کب ملے گا؟ وہ سانپ کی طرح اندر ہی اندر سوسو بل کھاتا۔

انتظار کی گھڑیاں موت سے زیادہ دردناک تھیں!

اور اسی لمحے ایک مہیب خطرہ منڈلانے لگا۔ پیرس میں ہٹلر کے سفیر آٹو ابیز کے کانوں میں کہیں سے بھنگ پڑ گئی کہ ڈی فورگ، فرار کے منصوبے بنا رہا ہے۔ اس نے فوراً برلن میں وزارت خارجہ کے قونصل جنرل کو آگاہ کیا، جہاں سے جرمن ہائی کمان کو اطلاع کر دی گئی۔ ہائی کمان نے فوراً وارننگ جاری کر دی اور

سیکسونی کے قلعے کے کمانڈر جنرل بارڈس ڈروف سے ہنگامی فون پر رابطہ قائم کیا۔ جب اس نے پیغام وصول کر کے ریسیور نیچے رکھا، تو اس نے بانہیں پھیلا دیں اور گردن اکڑا کر کہا۔

''فرار! فرار۔'' وہ چلایا۔ ''وہ اس قلعے سے فرار کا خواب کیسے دیکھ سکتا ہے؟''

پھر اس نے اپنے سیکنڈ ان کمان کو طنزاً کہا۔ ''جاؤ دیکھو، شاید اس کے کمرے سے کوئی خود ساختہ ہیلی کاپٹر مل جائے!!''

اسی سہ پہر 5 بجے اچانک ڈی فورگ کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ حیرت کے مارے اس کے ہاتھوں سے جرمن اخبار نیچے گر پڑا۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

ایک جرمن سارجنٹ نے گرج کر حکم دیا۔ ''ہینڈز اپ! ہم کمرے کی تلاشی لینے آئے ہیں۔

''تلاشی.....!'' ڈی فورگ کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اسے اپنا خوفناک انجام دکھائی دے رہا تھا۔ انجانے اندیشوں کا طوفان اس کے دل و دماغ میں موجزن تھا۔

''آؤ'' اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔ اس نے جذبات کی کشمکش پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی لیفٹیننٹ ہٹرل کی معیت میں چار جرمن سپاہی اندر گھس آئے اور باؤلے کتوں کی طرح ہر شے الٹ پلٹ کرنے لگے۔ سب سے پہلے اس کے سوٹ کیس کی تلاشی لی۔ ہٹرل جلدی جلدی کپڑے باہر نکال کر فرش پر ڈھیر کر رہا تھا۔ جب اس کی نظر، ٹیرولین ہیٹ، برساتی اور عام پتلون پر پڑی، تو ڈی فورگ کانپ کر رہ گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے مہیب پہاڑ اس کے سر پر آن گرا ہو، لیکن ہٹرل نے ان کی طرف خاص توجہ نہ دی۔

اب جرمن سپاہیوں نے شیلف پر رکھے ہوئے برتن اور کھانے کے ڈبے ٹھونک بجا کر دیکھے۔ ایک برتن، آلوؤں سے بھرا ہوا تھا، ان کے نیچے ڈی فورگ نے ریلوے ٹائم ٹیبل چھپا رکھا تھا۔

''میرا خیال ہے، سبزی رکھنا کوئی جرم نہیں۔'' ڈی فورگ نے ماحول کو غیر سنجیدہ بنانے کی کوشش کی۔

لیفٹیننٹ ہٹرل نے سر کی جنبش سے ظاہر کیا، اسے کوئی اعتراض نہیں۔

جرمنوں کے لئے تلاشی کا کام بے سود ثابت ہو رہا تھا۔ کوئی ایسی شے برآمد نہ ہوئی جس سے شائبہ

بھی گزرتا کہ فرانسیسی جرنیل فرار ہوسکتا ہے۔ آخر جاتے جاتے ہٹرل نے بھاری بھرکم جرمن ڈکشنری اٹھائی۔ اس کے اندر دس اور بیس کے جرمن نوٹ چھپا رکھے تھے۔ ڈی فورگ، قلعے سے فرار ہوکر جرمن علاقے میں ان سے خرید وفروخت کرسکتا تھا۔

''موسیو جنرل، ہم جانتے ہیں تم جرمن پریس میں سے تمام مضمون، فرانسیسی میں ترجمہ کر لیتے ہو؟'' لیفٹیننٹ ہٹرل نے طنزاً کہا۔

''نہیں، تمہارا خیال غلط ہے۔'' ڈی فورگ نے بات کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرا سیف ہے۔ اسے احتیاط سے کھولنا۔''

''سیف! بڑی دلچسپ خبر سنائی۔'' یہ کہہ کر ہٹرل نے ڈکشنری کھولی جیسا کہ ڈی فورگ کا اندازہ تھا یہ درمیان سے کھلی، جہاں خاصی تعداد میں فرانسیسی نوٹ رکھے تھے..... ''ہاں، یہ تمہارا سیف تو ہے، لیکن حضرت ذرا یہ بتایئے رقم لی کہاں سے؟''

''یہ میرے پاس اس وقت سے ہے جب میں یہاں آیا تھا۔ جنیوا کنونشن کی رو سے مجھے جیب خرچ رکھنے کا حق حاصل ہے۔ قلعے کے افسروں نے خود یہ قندرہ ہزار فرانک رکھنے کی اجازت دی تھی۔''

''ٹھیک ہے۔'' ہٹرل نے کہا۔ ''لیکن یہ رقم تمہارے کسی کام نہیں آسکتی، لہٰذا اسے ہمارے پاس جمع کرادو۔''

''یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا۔ ''بہرحال تم نے یہ تو دیکھ لیا کہ میں نے بجا طور پر ڈکشنری کو سیف قرار دیا تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے ہٹرل سے ڈکشنری لے لی اور اسے میز پر رکھ کر خود اس کے اوپر بیٹھ گیا۔ ''میں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا، اسے ہاتھ مت لگانا۔ اب میں اس کی حفاظت کرنے میں حق بجانب ہوں۔''

''گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔'' ہٹرل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں اسے چھیننے کیا ارادہ نہیں رکھتا اور گواہوں کی موجودگی میں تو ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔''

جواب میں ڈی فورگ نے لہجہ بدل لیا۔ ''سنئے لیفٹیننٹ صاحب، تم نے تلاشی لے کر میری بے

عزتی کی ہے۔ تمہیں یہاں سے نہ کچھ مل سکتا تھا نہ ملا، لیکن تمہارے شک اور عدم اعتماد نے میرے وقار کو سخت ٹھیس پہنچائی ہے۔ مناسب سمجھتے ہو، تو میرے جذبات سے قلعے کے کمانڈر بارڈس ڈروف کو آگاہ کر دینا۔''

تلاشی لینے والی پارٹی ناکام واپس چلی گئی۔

اگلے دن تقریباً اسی وقت، اس کے کمرے کے دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی، اب کے بارڈس ڈروف خود آیا تھا۔ ڈی فورگ نے بڑی سرد مہری سے اس کا استقبال کیا۔

''جنرل، میں معذرت کرنے آیا ہوں۔ مجھے افسوس ہے میرے اسٹاف کے ہاتھوں تمہاری تذلیل ہوئی۔''

ڈی فورگ نے ان رسمی الفاظ کا جواب نہ دیا۔

تین دن بعد اسے اپنی بیوی کا پیغام موصول ہوا، جس کا وہ بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس کی خفیہ زبان اس نے روبکس کے ہاتھ بھیجی تھی۔ پیغام میں لکھا تھا:

''آڈلی، مئی کے آخری جمعہ کو روانہ ہوگی اور وہ اپنے چچا سے مارسیل کے ریلوے اسٹیشن پر دن کے ایک بجے ملاقات کرے گی۔''

جب اس نے پیغام کا ترجمہ کیا، تو مفہوم یہ نکلا کہ اسے مئی کے آخری جمعے کو قلعے سے نکل کر بید داشور ریلوے اسٹیشن کے نزدیک لڑکی کے پل پر، دن کے ایک بجے اپنے گائیڈ سے ملنا ہوگا۔

اس نے کلینڈر پر نگاہ ڈالی۔ مئی کے آخری جمعے میں دس روز باقی تھے۔ وہ اس قدر جذبات میں آ گیا کہ اسے خاصی دیر تک سدھ بدھ نہ رہی وہ کہاں ہے اور کیوں ہے؟..... ''دس دن.....! صرف دس دن.....!'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔

اسے قلعے میں آئے ہوئے دو سال ہونے کو تھے اور آخر کار وقت آ گیا تھا کہ وہ عام انسانوں کی طرح آزادی کی نعمت سے مالا مال ہو سکے۔ اب یہ قلعہ، اس کی کائنات نہ رہا تھا۔ وسیع افق اس کے سامنے بازو پھیلائے ہوئے تھا۔ کوئی طاقت اور کوئی مشکل اس کیراستے میں حائل نہ ہو سکتی تھی۔

''دس دن.....! صرف دس دن.....!''

جب وہ حقائق کی دنیا میں واپس آیا، تو خط کے باقی مندرجات پر غور کرنے لگا۔ ایک اور خفیہ پیغام کا اس نے ترجمہ کیا، تو اس کے جذبات میں پھر ہلچل مچ گئی۔ امریکیوں نے اس کے پیغام کا جواب دے دیا تھا۔

''شرائط منظور ہیں۔''

اور نیچے، صدر روز ویلٹ کے دستخط کندہ تھے۔

اگلے دس دن تیزی سے گزر گئے اور ڈی فورگ، بے وزنی کی سی کیفیت میں، مہینے کے آخری جمعے کا منتظر رہا۔

فرانس میں، گلانڈ اس وقت تک ڈی فورگ کے فرار کو کامیاب بنانے کے لئے چوبیس افراد کو گانٹھ چکا تھا۔ جغرافیائی لحاظ سے یہ لوگ وشی سے سٹرابرگ تک پھیلے ہوئے تھے، لیکن صرف دس روز پہلے وہ گائیڈ غائب ہو گیا، جسے بید داشو کے مقام پر ڈی فورگ کو لینے جانا تھا۔ کوئی اور ہوتا، تو اس کے اعصاب جواب دے جاتے، لیکن گلانڈ میں استقلال اور ثابت قدمی کے جو ہر موجود تھے اس نے چند دنوں میں ایک نئے گائیڈ کا انتظام کر لیا۔ یہ شخص نوجوان صحافی تھا۔ وہ غیر معروف سے پرچوں میں چھپتا، اسی لئے اس کا نام زیادہ جانا پہچانا نہ تھا..... مادت!

☆☆☆

''تم مشن کے خطرات سے اچھی طرح آگاہ ہو؟'' گلانڈ نے سوال کیا۔ ''اگر تم پکڑے گئے تو دشمن تمہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے تمہارے جسم میں بارہ گولیاں داغ دے گا۔''

''میں اصولی طور پر ہر قسم کا چیلنج قبول کرنے کو تیار ہوں، مگر مجھے کچھ تفصیل بھی تو بتاؤ۔'' مادت نے پوچھا۔

رائیوت اور گلانڈ نے اسے ساری تفصیل سمجھائی۔ یہ ایک سیدھی سادی مہم تھی، اسے نہ جیل کی فصیلیں پھلانگنا ہوں گی اور نہ دشمن کے سراغ رساں ایجنٹوں سے خنجر آزمائی کرنا پڑے گی۔ بس وہ ریل کے ذریعے ''مصدقہ جعلی کاغذات'' کے ساتھ جرمنی میں داخل ہو گا، اپنے آپ کو بریسلو کی کسی کمپنی کا الیکٹرک

مکینک ظاہر کرے گا اور ڈی فورگ کو مقررہ مقام پر مل کر سول کپڑے اور ''مصدقہ جعلی کاغذات'' دے گا تاکہ وہ بھی واپسی کا سفر بلا خطر طے کر سکے۔

''ہم نے تمہاری سہولت کے لئے ایک اور آدمی کا انتظام بھی کیا ہے، جو پہلے مرحلے میں ڈی فورگ کی اشیاء، مقبوضہ علاقے میں لے جائے گا اور وہاں ایک رات قیام بھی کرے گا، تو اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اسی مقبوضہ فرانسیسی قصبے میں اس کی محبوبہ مونیکا رہتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس سے ملاقات کے منصوبے بنانے لگا۔

''تم ڈی فورگ کو پل کے پاس با آسانی پہچان لو گے۔ وہ تمہیں دیکھ رہا ہوگا، اگرچہ وہ تم سے واقف نہیں۔ تم اس پاس ورڈ سے اسے مخاطب کرو گے۔ ''مارگن، فرٹز'' اور وہ جواب میں صرف ''مارگن'' کا لفظ کہے گا۔ اس طرح دو فرانسیسی، جرمنی میں ایک دوسرے سے شناسا ہوں گے۔'' گلانڈ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ لیکن یاد رکھو واپسی کے سفر میں دونوں کے درمیان فاصلہ رہنا چاہئے۔ ایک دوسرے پر نظر ضرور رکھو، مگر جرمنوں شائبہ تک نہ ہونے دو کہ تمہارا آپس میں کوئی تعلق ہے۔ اس طرح خطرہ آدھا رہ جائے گا۔ اگر وہ پکڑا گیا، تو تم بچ جاؤ گے اور تم گرفتار ہوئے، تو وہ سلامت رہ سکتا ہے۔''

یہ ہدایات سن کر مادت کے ذہن کے دریچے اور فراخ ہو گئے۔

☆☆☆

منصوبے اس وقت بڑے خوشنما اور بے ضرر نظر آتے ہیں، جب وہ تیاری کے مراحل میں ہوتے ہیں، لیکن عملی میدان میں قدم قدم پر ایسی رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں، جن کا پہلے تصور بھی نہیں ہوتا۔

بالکل یہی صورت حال اس شخص کو پیش آئی جو ڈی فورگ کے کپڑوں اور جعلی کاغذات کا بیگ لے کرمل ہاؤس جا رہا تھا۔ اس کا نام بلانچرڈ تھا، وہ جنگوں میں جرات مندی کے کارنامے دکھا کر بہادری کے کئی تمغے بھی حاصل کر چکا تھا۔ انہیں دونوں اس نے کئی فرانسیسی قیدیوں کو جرمنوں کے شکنجے سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا، اسی لئے گلانڈ کی نظر انتخاب اس پر پڑی۔

منگل کو وہ اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ جب فرانس کا مقبوضہ علاقہ شروع ہوا، تو چیک پوسٹ پر اس کے

سامان کی تلاشی لی گئی۔ بیگ میں میں بڑا سا بوٹ دیکھ کر جرمن سپاہی نے پوچھا۔ ''یہ تمہارے ماپ کا تو نہیں۔''

''ہاں، یہ میرے بیٹے کا ہے۔'' بلانچرڈ نے جواب دیا۔

''وہ خاصے قد کاٹھ کا ہے؟''

''ہاں وہ ماں پر گیا ہے۔'' بلانچرڈ نے مسکرا کر کہا۔

جرمن سپاہی نے موت کی سرد مہری سے بیگ واپس کر دیا اور ٹرین پھر چل پڑی، لیکن راستے میں وہ ایک جگہ ایسی رکی کہ پانچ گھنٹے بعد دوبارہ روانہ ہوئی۔ اس طرح وہ وقت گزر گیا جب اسے مل ہاؤس میں مادت سے ملنا تھا۔ بلانچرڈ نے سوچا، مادت، ہوشیار آدمی ہے اور اتنا وقت کاٹنے کا انتظام کر ہی لے گا، لیکن رات گزارنے سے بھی زیادہ یہ بات اہم تھی کہ ڈی فورگ کا بیگ، مادت کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ اگلی صبح سٹرابرگ جانے والی گاڑی پکڑ سکے۔

آپریشن کے شروع ہی میں اس قسم کی گڑبڑ، آنے والے خطرات کی نشاندہی کر رہی تھی۔

ادھر مادت، مقررہ دن اپنے پر خطر مشن پر نکل کھڑا ہوا۔ جب اس کی گاڑی، مقبوضہ فرانس میں داخل ہوئی، تو اس نے ندامت اور جرم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کھڑکی میں سے باہر نظر دوڑائی۔ اس کا مہکتا لہکتا وطن، نازی عفریت کے پاؤں تلے روندا جا چکا تھا۔ خوشبو میں بسے باغات، راکھ بن چکے تھے اور ہر طرف ویرانیوں کا مسکن تھا۔

راستے میں ایک اسٹیشن کے نزدیک، قحبہ خانے کے سامنے سینکڑوں جرمن فوجی قطار میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ مادت کی گردن، شرم کے مارے جھک گئی، وسن کی بیٹیوں کی عصمت بھی محفوظ نہ تھی۔ ساتھ ہی جرمنوں کا بھیانک کردار بھی اس کے سامنے آ گیا۔ انتقام کی سلگتی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں، اور اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا تہیہ کر لیا۔

مل ہاؤس پہنچ کر وہ گاڑی سے اترا اور پلیٹ فارم پر موجود چند آدمیوں میں سے اس کی نگائیں بلانچرڈ کو تلاش کرنے لگیں، لیکن بلانچرڈ وہاں موجود نہ تھا۔ مادت کے دل پر خوف کا ایک گولہ سا گرا۔ وہ اپنی

گرفتاری کے خوف سے لرز کر رہ گیا۔

اس نے اسٹیشن کا ایک چکر لگائی۔ پھر وہ انتظار گاہ میں گیٹ کی طرف منہ کر کے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے محسوس ہوا ایک بوڑھا قلی اس کا بغور جائزہ لے رہا ہے، وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اسٹیشن کے سامنے ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ وقت گزارنے کے لئے ایک کیفے میں پہنچا، لیکن کوئی آرڈر دینے سے پہلے اسے یاد آ گیا اس کے پاس جرمن کرنسی موجود نہیں۔ ناچار پھر اسٹیشن کا رخ کرنا پڑا۔ اس نے مقررہ وقت سے آدھ گھنٹہ اوپر بلانچرڈ کا انتظار کیا۔ وہ دوبار، گلی سے گزرا اسٹیشن گیا۔ اس وقت قلی جا چکا تھا۔

مادت کو تشویش ضرور لاحق تھی، مگر وہ پرامید تھا۔ بلانچرڈ کو اس کے پروگرام کا علم تھا اور اگر وہ جرمنوں کے ہاتھ گرفتار نہیں ہو گیا، تو اگلی صبح سٹرابرگ کی طرف گاڑی چلنے سے پیشتر ڈی فورگ کا بیگ اس کے حوالے کر دے گا۔ اسے یاد آیا بلانچرڈ نے ایک بارمل ہاؤس میں دربان اسٹریٹ کے مکان نمبر 9 میں کسی آدمی کا نام لیا تھا۔ اس نے وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ مختلف لوگوں سے دریافت کرتا ہوا وہ اس گلی میں پہنچ گیا۔ اگرچہ اس کا نام اب تبدیل ہو چکا تھا۔ سیاہ آنکھوں والے ایک نوجوان نے دروازہ کھولا۔

مادت نے پوچھا، میں، موسیو بلانچرڈ کا دوست ہوں۔ اس نے مجھ سے یہاں ملنے کا وعدہ کیا تھا.....

''موسیو.....کون؟''

''بلانچرڈ، موسیو بلانچرڈ۔''

میں اس نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں۔

''لیکن.....''

دروازہ کھٹاک سے بند ہو گیا۔ مادت نے پھر زور سے گھنٹی بجائی، وہی نوجوان الٹے پاؤں واپس آیا اور ایک پٹ کھولتے ہوئے بولا: میں نے کہہ دیا مجھے کسی بلانچرڈ کا علم نہیں، زیادہ اصرار کرنا اچھا نہ ہوگا۔

مادت ایک بار پھر بند کمرے کی ٹھوس اور کڑوی حقیقت کو گھور رہا تھا۔

وہ بے دلی سے واپس اسٹیشن کی طرف چل دیا، لیکن اسے یقین سا ہو چلا تھا بلانچرڈ ہرگز نہ آئے گا۔

اس نے سوچا، رات کسی ہوٹل میں گزار لینی چاہئے۔ اگرچہ پولیس معائنے وغیرہ کے لئے وہاں آسکتی ہے، مگر اس کے کاغذات ٹھیک ٹھاک ہیں، تو اسے کیا غم ہے؟..... اور پھر اچانک اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

مونکیا..... یہ نام اس کے ذہن میں بڑی دیر کے بعد آیا۔ درحقیقت وہ اس قدر تفکرات میں گھرا ہوا تھا کہ پہلے اپنی محبوبہ کے متعلق سوچ بھی نہ سکا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا مونیکا کے گھر پہنچ گیا۔ وہ اسے اچانک یہاں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ مادت نے کمال چالاکی سے ایسی کہانی گھڑی کہ وہ کوئی شک نہ کر سکی۔ یہاں اسے کھانا بھی ملا اور رات بھی بڑے آرام سے گزر گئی، لیکن ساتھ ہی وہ اس بے فکری سے سویا کہ صبح بروقت نہ جاگ سکا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو سٹرابرگ کی گاڑی چلنے میں صرف پندرہ منٹ باقی تھے، اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اور ناشتہ کئے بغیر اسٹیشن کا رخ کر لیا۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا، یا اللہ! بلانچرڈ کو کہیں نہ کہیں سے ضرور نازل کر دے۔

گاڑی چلنے میں صرف تین منٹ باقی تھے کہ وہ پلیٹ فارم میں داخل ہوا۔ وہاں بلانچرڈ بڑی بے تابی سے اس کا منتظر تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بیک وقت ان کے منہ سے یہ سوال نکلا۔

''رات کو یہاں کیوں نہ ملے؟''

فضول بحث کا وقت نہ تھا۔ اس نے بلانچرڈ سے ڈی فورگ کا بیگ وصول کیا، ٹکٹ لی اور گاڑی میں سوار ہو کر ایک نشست پر بیٹھ گیا۔

منصوبہ ایک بار پھر صحیح راہوں پر چل پڑا تھا۔ مادت کو اس کی کامیابی کا یقین ہو گیا، اس کے خیالات ٹرین کی رفتار کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہے تھے۔ سٹرابرگ میں ایک شخص رائبر اس کا منتظر تھا، جو اسے جرمن کرنسی دے گا تاکہ وہ سفر کے دوران میں ضرورت کی اشیاء خرید سکے۔ مادت ن ے محسوس کیا اسے ہر طرح کا تحفظ دیا گیا ہے۔ مختلف لوگ ایک جذبے سے سرشار ہو کر اس منصوبے کو کامیاب بنانے

میں مصروف تھے۔ اس راہ میں وہ جانیں تک گنوا سکتے ہیں، مگر منزل پا لینے کی صورت میں انہیں احساس کامیابی کے سوا اور کچھ ملنے کی توقع نہ تھی۔

گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ سٹرابرگ میں رکی۔ وہ سامان اٹھائے پلیٹ فارم پر پہنچا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق یہاں رائبر نے اس کا استقبال کیا اور اسے جرمن کرنسی مہیا کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور گاڑی فرینکفرٹ کے لئے چلی۔ مادت نے اس کا ٹکٹ لیا اور منزل کی طرف چل پڑا۔ وادی رائن کے نظارے اس نے ٹرین میں سے دیکھے۔ فرینکفرٹ سے آگے ریفرٹ، لیپزگ اور ڈرسڈن کے لئے اسے گاڑی بدلنا پڑی، جو راستے میں بار بار رکتی رہی۔ کہیں کہیں رائل ایئر فورس کی بمباری سے ریل کی پٹڑی کو نقصان پہنچا تھا، لیکن یہ ان بلند بانگ دعووں کے مقابلے میں کچھ نہ تھا جو بی بی سی اور وائس آف امریکہ سے نشر کئے جا رہے تھے۔ جنگی معیشت کے نتیجے میں چند ناگزیر تبدیلیوں کے سوا جرمنی کی صورت حال معمول کے مطابق تھی اور مادت کو اس میں کچھ فرق نظر نہ آیا۔

بیدداشو کے لئے گاڑی روانہ ہونے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ مادت نے زیادہ تر وقت دریائے ایلی کے کناروں پر گھوم پھر کر گزارا۔ آسمان صاف تھا اور موسم خوشگوار، گاڑی نے ٹھیک وقت پر وادی ایل کا رخ کیا جو مئی کی اس سہانی صبح کو دلکش مناظر پیش کر رہی تھی۔ تیس پینتیس میل کا سفر جلدی ہی طے ہو گیا۔ گاڑی ہر چھوٹے بڑے اسٹیشن پر رکتی بالآخر بیدداشو کے نواح میں پہنچ گئی۔ مادت کو کھڑکی میں سے پہاڑ پر وہ قلعہ صاف نظر آ رہا تھا، جہاں ڈی فورگ اور دوسرے فرانسیسی جرنیل قید تھے۔ قلعہ دور سے بالکل ایسے لگتا جیسے کائنات پر چھایا ہوا ہو۔ پوری وادی اس کے سامنے ایک ایک چھوٹا سا نقطہ دکھائی دیتی تھی۔

مادت نے لمحہ بھر سوچا، سینکڑوں فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگانا از حد مشکل کام ہے۔ آیا ڈی فورگ زندہ سلامت باہر نکل سکے گا؟ یہ سوال اسے خاصا پریشان کر رہا تھا۔ پروگرام کے مطابق اس وقت تک یا تو وہ قلعے سے نکل کر لکڑی کے پل کی طرف آ رہا ہو گا یا پھر بلند و بالا دیوار کے قدموں میں ہڈی پسلی تڑوائے کراہ رہا ہو گا۔

جب گاڑی، بیدداشو کے اسٹیشن پر رکی، تو مادت نے اندازہ لگایا اس وقت تک کیا کچھ رونما ہو چکا

ہے۔ کیا ڈی فورگ جنگل میں سے گزر کر اس کی طرف آ رہا ہے؟ کیا جرمنوں کو اس کے فرار کا علم ہو گیا ہے اور وہ اس علاقے کے چپے چپے میں پھیل کر ہر اجنبی کی تفتیش کر رہے ہیں؟ سوالوں کی یلغار نے مادت کو جھنجھلا کر رکھ دیا۔

جب وہ سوٹ کیس اور دیگر سامان اٹھائے نیچے اترا، تو اسے فضاء میں کوئی غیر معمولی تبدیلی دکھائی نہ دی۔ اس نے سارا سامان اسٹیشن پر جمع کرا دیا۔ سورج سر پر آ چکا تھا اور موسم میں گرمی کا رجحان غالب تھا۔ مادت کے سامنے ایک چھوٹی سی کچی سڑک تھی کچھ دور تک ریلوے لائن کے بائیں جانب چلی گئی تھی اور پھر دائیں طرف مڑ کر ایک گھنے جنگل میں غائب ہو جاتی تھی۔ اسی جنگل میں سے ڈی فورگ کو ظاہر ہونا تھا۔ اگر وہ اس وقت نہ آیا، تو مادت کو اگلے روز پھر یہیں پہنچ کر اس کا انتظار کرنا تھا اور اگر وہ پھر بھی نہ آ سکا، تو مادت، مشن ترک کر کے فرانس چلا جائے گا۔ وہ سڑک پر ہو گیا۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا لکڑی کے شکستہ پل پر پہنچ گیا، جو ایک پہاڑی ندی کے اوپر بنا ہوا تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر دوڑائی، کچھ زیادہ انتظار نہ کرنا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ جگہ، جسے وہ اب تک کسی نقشے پر سیاہی کے ایک دھبے کی حیثیت سے جانتا تھا، بڑے خوبصورت قدرتی نظارے پیش کر رہی تھی۔ ندی کے دونوں کناروں پر پتوں سے لدے پھندے درخت بہار دکھا رہے تھے۔ داہنی جانب سرسبز گھاس کا قطعہ، پاپلر کی ایک خوبصورت قطار تک پھیلا ہوا تھا۔ شہری ہنگاموں سے مانوس، مادت کے کان پہلے پہل تو سوائے موت کی سی خاموشی کے کچھ نہ سن سکے۔ مگر آہستہ آہستہ اسے ندی کے ترنم کا احساس ہوا۔ پھر پرندوں کے ابدی گیتوں اور ہوا کی سرگوشیوں نے اسے گدگدایا..... متحارب فوجوں سے دور، بہت دور یہ کس قدر پرسکون مقام تھا!!

مادت نے ایک بار پھر گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر سامنے سڑک پر نظریں گاڑ دیں۔ درختوں کے سایوں میں سے ایک ہیولیٰ.....

مادت نے اپنے آپ کو ماحول میں اس طرح جذب رکھا جیسے کوئی سیاح قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

اب وہ متواتر گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس کے اضطراب میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دونوں کی

ملاقات کا طے شدہ وقت.....ایک بجے.....قریب آ رہا تھا۔ اب صرف ایک منٹ باقی تھا۔ گلانڈ نے بار بار اسے بتایا تھا، ڈی فورگ وقت کا بڑا پابند ہے۔ ''وہ کبھی لیٹ نہیں ہوتا۔'' یہ الفاظ، ان کا لب ولہجہ اور ان کا زور ابھی تک مادت کے کانوں میں گونج رہا تھا.....لیکن اس دفعہ وہ ضرور دیر کرے گا۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟ اس کے ساتھ کیا بیتی؟ وہ آیا کیوں نہیں'' اسی طرح کے بدترین امکانات پر وہ غور کرتا رہا۔

کسی نزدیکی فیکٹری میں سائرن کی آواز بلند ہوئی۔ اگلے ہی لمحے بیدا شو کا گھڑیال بجا۔ مادت نے بھی اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔

مادت کانپ اٹھا۔ انجانے اندیشوں سے رواں رواں لرز گیا۔

''ڈی فورگ آج نہ آئے گا۔ منصوبہ ناکام ہو جائے گا'' مادت نے حقیقتوں کے تاریک اور بھیانک چہرے کا تصور کیا، تو اسے ساری عمارت دھڑام سے گرتی محسوس ہوئی۔

☆☆☆

مادت سے بالکل مختلف ڈی فورگ نے اپنے منصوبے کی عمارت کسی مفروضے کی بنیاد پر کھڑی نہ کی تھی۔ اس نے اپنے کیریئر کے طویل عرصے میں کئی مفروضے بنائے اور پھر انہیں عملی شکل بھی دی، اسی لئے وہ جانتا تھا انتہائی سوچ بچار کے بعد بننے والا منصوبہ بھی بسا اوقات کسی مرحلے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اوائل جوانی میں ایک ایکشن پر بھیجتے وقت اسے بتایا گیا تھا وہ دائیں طرف سے حملہ کرے، مگر جب میدان میں پہنچا اور اس نے صورت حال کا جائزہ لیا، تو پتا چلا داہنی طرف سے ایڈوانس کرنا اپنے آپ کو موت کے بھیانک غار میں دھکیلنے کے مترادف ہے، جبکہ بائیں طرف سے دشمن پر ہلہ بولا جائے، تو چند منٹوں میں میدان اس کے ہاتھ میں رہے گا۔ اسی تجربے کی بنیاد پر ڈی فورگ نے اپنا اولین اصول یہ بنایا کہ اگر حقائق آپ کے منصوبے کے مطابق نہیں، تو منصوبے میں حقائق کے مطابق ترمیم کر لیجئے۔''

فرار کے طے شدہ منصوبے کی رو سے ایک گائیڈ اسے جرمنی سے نکلنے میں مدد دے گا۔ ڈی فورگ نے سوچا اگر اس سے ملاقات نہ ہوئی، تو پھر اسے کیا اقدامات کرنے ہوں گے۔ سول کپڑوں کی بدولت کسی

حد تک شناخت سے محفوظ سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ کرائے اور سفر خرچ کے لئے اس کے پاس جرمنی کرنسی بھی موجود تھی۔ اگر گاڑیوں کا طے شدہ روٹ اسے مفید دکھائی نہ دے، تو اس نے سیکسونی، باویریا، ورٹم برگ کا روٹ بھی ذہن میں رکھا۔ اس راستے سے وہ زیادہ سے زیادہ تین دن میں سرحد پار پہنچ سکتا تھا۔ کھانے پینے کے لئے اس نے مناسب مقدار میں خوراک بھی ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا تا کہ جرمنوں کے راشن ٹکٹوں کا دردسر باقی نہ رہے۔ اس نے قلعے کے مالی سے ایک تیز دھار چاقو بھی خرید لیا۔ اس کے علاوہ تھوڑی سی تار بھی بچ گئی تھی جس سے وہ پھندے کا کام لے سکتا تھا۔

مئی کے آخری جمعہ سے ایک دن پہلے تک اس کی تیاریاں ہر لحاظ سے مکمل تھیں۔ اسی روز مادت اپنا وقت، ڈرسڈن میں دریائے ایلی کے کناروں پر چہل قدمی کرتے ہوئے گزار رہا تھا۔ ڈی فورگ نے آٹھ فرانسیسی جرنیلوں سے ملاقات کر کے ان سے تعاون کا وعدہ لیا۔ اسے ان پر اعتماد تھا۔ جب اس نے بتایا وہ فرار ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، تو جنرل پالسی کے علاوہ باقی سب، دانتوں میں انگلیاں داب کر رہ گئے۔ انہیں کبھی شک بھی نہ گزرا تھا، ڈی فورگ یا کوئی اور فرانسیسی قیدی اس قلعے سے نجات حاصل کرنے کے بارے میں سوچ بھی سکتا ہے۔ اگر چہ وہ جانتے تھے اس کے فرار ہونے سے بعد میں خود ان پر کیا کچھ تشدد ہو گا، لیکن انہوں نے اس کا اظہار نہ کیا۔ ایک جرنیل نے صرف اتنا کہا۔ ''تم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو؟ قیدی ہونا، مردہ بھگوڑے سے بدرجہا بہتر ہے۔'' ڈی فورگ نے ٹھنڈے دل و دماغ سے ان کی باتیں سنیں اور انہیں جواب دے کر مطمئن کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا وہ مصمم ارادہ کر چکا ہے تو مزید بحث ختم ہو گئی۔ پھر سب چہل قدمی کرتے کرتے وہ جگہ دیکھنے گئے جہاں سے اگلے روز ڈی فورگ کو فصیل سے نیچے اترنا تھا۔ پروگرام یہ تھا صبح ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیان منصوبے پر عمل درآمد ہو گا۔ وہ جرنیل اسے ایک مضبوط تار کی مدد سے نیچے اتاریں گے اور باقی ادھر ادھر کھڑے ہو کر جرمنوں پر نظر رکھیں گے۔ جرمن گارڈ، پہلے چکر کے بعد جب دوسری بار آدھ گھنٹے بعد وہاں پہنچے گا، تو سب کام انجام پا چکا ہو گا۔

شام کو ڈی فورگ نے اپنے کمرے سے تار نکالی اور اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا: ''میں نے زندگی میں اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ رکھی۔'' پھر یہ تار وہاں دیوار کے قریب لے جا کر کنکروں کے نیچے چھپا

دی۔ جہاں سے اسے فرار ہونا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ڈی فورگ نے حسب معمول کامن روم میں جرنیلوں کو لیکچر دیا۔ جس میں اس نے جنگ کی تازہ ترین صورت حال پر تبصرہ کیا۔ اس کی آواز پہلے کی طرح گرجدار اور انداز بیاں اسی طرح موثر تھا۔ لہجے میں کسی قسم کا جوش یا گھبراہٹ نمایاں نہ تھی۔ بعدازاں اس نے اپنے کمرے میں جا کر تمام کاغذات جلا ڈالے۔ پھر وہ اپنی چھوٹی میز پر بیٹھ گیا اور دو خط لکھنے شروع کیے۔ پہلا مختصر اور رسمی سا تھا۔ اس میں فرانسیسی جرنیلوں کے نمائندے کو مخاطب کیا گیا تھا۔ جو قیدیوں کی طرف سے قلعے کی انتظامیہ کے ساتھ معاملات طے کرتا تھا۔ ڈی فورگ نے اس سے معذرت چاہی کہ وہ فرار ہو کر اس کے لئے کچھ مشکلات پیدا کر رہا ہے، تاہم اس نے امید ظاہر کی کہ وہ فرانس کے نمائندے کی حیثیت سے فرار کے اغراض ومقاصد سمجھ جائے گا اور سب کچھ برداشت کرنے کے لئے تیار ہوگا۔

دوسرے خط قلعے کے کمانڈر وان بارڈس ڈروف کے نام تھا۔ ڈی فورگ نے لکھا: ''میں قید کی زندگی برداشت نہیں کر سکتا اور فرار ہونا میرا حق ہے۔ اگرچہ میں جو اقدام کر رہا ہوں وہ سراسر حماقت اور پاگل پن کا مظاہرہ ہے اور اس میں میری جان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اگر ایسا ہوا اور میری لاش مل گئی، تو میری بیوی کو اس انداز سے اطلاع دینا کہ وہ صدمے کی متحمل ہو سکے۔ آخر میں میں تمہارے اس حسن سلوک کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جو تم نے میرے ساتھ خاص طور پر روا رکھا۔''

ڈی فورگ نے سوچا بیوی کے نام ایک تیسرا خط بھی لکھا جائے۔ پھر اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ الوداعی پیغام، اس آپریشن کے لئے منحوس ثابت ہوگا۔

جنرل بارڈس کے نام خط میں ضروری بات تحریر کر چکا تھا..... وہ میز سے اٹھ کر آخری بار قید کے بستر میں سونے کے لئے لیٹا اور یہ سوچتا ہوا خوابوں کی دنیا میں پہنچ گیا کہ اگلا دن اس کی زندگی کا نیا اور تازہ دن ہوگا۔

نئے دن کا آغاز پہلے کی طرح ہوا۔ ڈی فورگ کے خادم، گبوری نے اسے سات بجے صبح جگایا۔ کافی اور سیاہ چپاتی پیش کی۔ قلعے کے اوپر دودھیا نیلا آسمان محیط تھا۔ بادل کا کوئی ٹکڑا دکھائی نہ دے رہا تھا۔

یہ تخلیق کائنات کا پہلا دن تھا۔ ڈی فورگ نے لمبا سانس کھینچا اور گبوری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''میرے پاس ایک خبر ہے۔''

نارمن خادم اس وقت چٹان کی طرح بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ ڈی فورگ نے بتایا وہ تین گھنٹوں کے اندر اندر قلعے کی فصیل پھلانگ جائے گا۔ گبوری کی آنکھوں میں حیرت اور مسرت کے ملے جلے اثرات جھلک آئے۔

''سب سے اہم بات یہ ہے۔'' ڈی فورگ نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں آج سارا دن کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے جس سے مترشح ہو کہ میں بھاگ چکا ہوں۔ بس شام کی حاضری پر ہی انہیں پتا چلنا چاہئے۔ اس وقت تک میں بہت دور جا چکا ہوں گا۔''

پھر اس نے معمول کے مطابق خاکی وردی پہنی اور ضروری اشیاء کا بنڈل باندھا۔ سوا نو بجے لیفٹیننٹ ہٹرل، صبح کی حاضری لگانے آیا، تو دونوں نے پہلے کی طرح کسی ایک موضوع پر تبادلہ خیال شروع کر دیا۔ ہٹرل کو ان بحثوں سے مفید معلومات حاصل ہوتیں۔ ۹ بج کر ۲۰ منٹ پر ہٹرل چلا گیا۔ جب دیکھا کہ وہ بلڈنگ سے خاصا دور جا چکا ہے، تو اس نے اپنا بنڈل، کوٹ کے نیچے چھپایا اور سارے بٹن اچھی طرح بند کر لئے پھر اپنے کمرے پر آخری نظر ڈالی اور دیوار کی طرف چل دیا..... وہ بلڈنگ کے کونے پر پہنچا، تو سامنے سے جنرل بارڈس ڈروف آتا دکھائی دیا۔

ڈی فورگ کی رگوں میں سارا خون منجمد ہو گیا۔

''اتنی جلدی باہر نکل آئے۔'' بارڈس ڈروف نے پوچھا۔

''بس تمہاری طرح پھر رہا ہوں۔''

''بڑا عمدہ دن ہے۔''

''ہاں شاندار ہے۔''

''جنرل تم بڑے محتاط آدمی ہو، سب بٹن بند کر رکھے ہیں تم نے۔'' جرمن کمانڈر نے کہا۔

''کیا پتا چلتا ہے انسان کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑے۔'' ڈی فورگ نے معنی خیز فقرہ کہا۔

''کم از کم آج تو ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ بے فکری سے گھومو، پھرو۔'' بارڈس ڈروف یہ کہہ کر آگے چل دیا۔ اس وقت تک سوائے ان چند فرانسیسی جرنیلوں کے اور کوئی باہر نہ تھا، جنہیں ڈی فورگ ایک بیشتر مختلف ڈیوٹیاں تفویض کر چکا تھا۔

اس اثنا میں جنرل پالسی، اس سے آن ملا۔ وہ دونوں ٹہلتے ٹہلتے اس جگہ پہنچ گئے، جہاں سے ڈی فورگ کو دیوار سے نیچے اترنا تھا۔ نو بج کر پینتالیس منٹ پر دورا گارڈ وہاں سے گزرا۔ اس کی عمر ۴۵ برس تھی اور اس نے سول زندگی میں فوٹو گرافر کا پیشہ اپنا رکھا تھا..... وہ اکثر ڈی فورگ سے شکایت کیا کرتا اس کی غیر حاضری میں لیزگ میں اس کی دکان پر کوئی گاہک نہیں آتا، کاروبار مندا پڑ گیا ہے۔

''تمہارا کیمرہ کہاں ہے؟'' ڈی فورگ نے پوچھا۔

''ڈیوٹی پر میں اسے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔'' گارڈ نے قدرے توقف سے پوچھا۔ جنرل، تم نے یہ سوال کیوں کیا؟''

''یہ کتنا شاندار دین ہے۔ اس خوبصورت پس منظر میں میری تصویر بنا دیتے، تو عمر بھر کے لئے یادگار ثابت ہوتی۔'' ڈی فورگ نے اس کی توجہ ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے پہلے بھی میری ایک تصویر کھینچی تھی، لیکن وہ فوکس سے باہر تھی۔''

''چھیڑو مت۔'' گارڈ نے کہا۔ ''مجھے چکر پورا کرنے دو۔''

اور وہ کھٹ کھٹ قدم اٹھاتا، آگے چل دیا، لیکن اچانک رک گیا۔ اس کے قدموں سے چند انچ دور کنکریوں کے نیچے ڈی فورگ نے تار چھپا رکھی تھی۔ شاید اس نے بو سونگھ لی تھی۔ ڈی فورگ کا سانس نیچے اور اوپر کا اوپر ہی رہ گیا۔ ''بس اگلے ہی لمحے گارڈ نیچے جھک کر تار برآمد کر لے..... میں پھر اسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں دو سال سے بند ہوں۔''

ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔

ڈی فورگ نے آنکھیں بند کر لیں تا کہ حقائق کا کڑا، نوکیلا اور ہیبت ناک چہرہ نظر نہ آئے۔

پھر اس نے کن انکھیوں سے دیکھا، گارڈ کی پشت، تار کی طرف ہے اور وہ خوبصورت قدرتی منظر

میں محو ہے۔ تب جا کر اس کی جان میں جان آئی۔

اگلے لمحے گارڈ نے آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھائے اور دیوار کے ساتھ ساتھ اپنا چکر شروع کر دیا۔

خطرہ ٹل چکا تھا اور اب گارڈ کے دوسرے چکر میں پندرہ منٹ باقی تھے۔ اس دوران میں وہ اپنا آپریشن انجام دے سکتے تھے۔ ڈی فورگ نے دستی رومال سے پیشانی کو چھوا۔ یہ آپریشن شروع کرنے کا سگنل تھا۔ فوراً ایک طرف سے جنرل فرینٹ آ گیا اور پالسی کے ساتھ مل کر اس نے تار نکالی۔ اس کے ایک سرے پر ڈنڈا باندھا گیا۔ اس پر ڈی فورگ کو بیٹھنا تھا اور دونوں جرنیلوں کو بتدریج اسے نیچے چھوڑتے جانا تھا۔ باقی ساتھی ادھر ادھر کھڑے تھے اور چوکس ہو کر چاروں جانب دیکھ رہے تھے۔ کہیں اچانک کوئی جرمن سپاہی مداخلت نہ کر دے۔

''فرانس زندہ باد.....''

ڈی فورگ نے نعرہ لگایا اور دیوار سے نیچے اترنے کا عمل شروع ہو گیا پالسی اور فرینٹ نے بڑی مشکل سے تار کو قابو کر رکھا تھا۔ ایک جگہ کسی چٹان کی نوک سے تار الجھ گئی اور معاملہ بگڑتا دکھائی دیا۔ خاصی دیر تک ڈی فورگ، خلا میں معلق رہا۔ جب وہ بلندی سے نیچے دیکھتا، تو اس کا دل بیٹھنے لگتا۔ خلا اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس نے بڑی جدوجہد سے قوت ارادی کو مجتمع کیا اور اس خوف کو غالب آنے سے روکا۔

بالآخر کوئی معجزہ رونما ہوا اور چٹان سے تار الگ ہو گئی۔ دونوں جرنیل اوپر کھڑے دھیرے دھیرے اسے چھوڑ رہے تھے۔ ڈی فورگ ہوا میں تیرتا، چکر کھاتا نیچے ہی نیچے جا رہا تھا..... اچانک وہ زمین سے جا لگا اور اس آہستگی سے جیسے کوئی ماں اپنے بچے کو جھولے میں لٹا دیتی ہو۔

اس نے تار اپنے آپ سے الگ کی۔ اسے اوپر کھینچ لیا گیا۔ جب یہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی، تو وہ پاؤں پر کھڑا ہوا اور دوڑ لگا دی۔ کھلی جگہ سے گزر کر وہ جھاڑیوں میں گھس گیا۔ اس نے اپنے آپ کو ان کے درمیان زمین پر گرا لیا۔ اسے یقین تھا کسی نے نہیں دیکھا۔ گھڑی میں نو بج کر چون منٹ ہو رہے تھے۔ ''اتنے مختصر سے وقت میں یہ عظیم کارنامہ انجام پا گیا۔'' وہ اس معجزے پر حیران تھا۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اس نے فوجی وردی اتار دی اور سول کپڑے پہن لئے۔ اب وہ

بالکل کوئی سیاح معلوم ہو رہا تھا۔ جھاڑیوں کی آڑ اور درختوں کے جھرمٹ میں چھپتا چھپاتا، لکڑی کے پل کی طرف روانہ ہوا، جہاں مادت اس کا منتظر تھا۔ اب دس بج رہے تھے اور اسے تیز چلنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے پاس خاصا وقت تھا۔ راستے میں اسے عورتیں اور بچے ملے۔ ان کے دوستانہ سلام کا جواب اس نے ''مارگن، مارگن'' کہہ کر دیا۔ کسی شخص نے اس میں دلچسپی ظاہر نہ کی اور نہ اسے کسی میں دلچسپی لینے کی ضرورت تھی۔

ساڑھے بارہ بجے وہ ایک بلند جگہ پر پہنچا جہاں سے دریائے ایلی کے کنارے وادی میں بیدداشو صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک صنوبر کے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور خوبصورت قدرتی منظر کے نظارے میں محو ہو گیا۔ اسے ٹھیک ایک بجے ایک گائیڈ سے ملنا تھا اور وہ ایک سیکنڈ بھی پہلے جائے ملاقات پر نہ پہنچنا چاہتا تھا۔ بیدداشو سے برلن کے لئے گاڑی ایک بج کر پندرہ منٹ پر روانہ ہونے والی تھی۔ اسٹیشن پر بھی اس نے گاڑی کی روانگی سے ذرا پہلے پہنچنے کا فیصلہ کیا تا کہ لوگوں کو اسے شناخت کرنے کا کم از کم موقع ملے۔

قریباً پون بجے وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ بیدداشو جانے والی سڑک پر چل کھڑا ہوا۔ مئی کے سورج تلے گھنے جنگل کے سایوں سے نکلتے ہوئے اس نے قصبے میں سے کسی سائرن کی آواز سنی۔ چند لمحوں بعد ایک گھڑیال بھی گونجا۔ اسے گھڑی دیکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ ایک بج گیا ہے یا نہیں۔ چند سو گز دور لکڑی کا پل صاف نظر آیا۔ جس کے اوپر ایک طویل القامت ننگے سر والا نوجوان آدمی کھڑا تھا۔ وہ اس کی طرف نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ڈی فورگ نے اندازہ لگا لیا۔ یہی نوجوان اس کا گائیڈ ہے۔ یہ جاننے کے باوجود اس نے اپنی رفتار تیز نہ کی۔

پل پر کھڑے نوجوان آدمی کی نظریں بدستور اس پر جمی ہوئی تھیں۔ جب ڈی فورگ اس کے قریب پہنچا، تو نوجوان نے کہا۔

''مارگن، فرنز۔''

''مارگن۔'' ڈی فورگ نے جواب دیا۔

انہوں نے ہاتھ ملائے۔ ڈی فورگ کی چھوٹی، مگر چمکدار آنکھوں نے مادت کو اس انداز سے گھورا

کہ نوجوان آدمی، برف کی طرح جم کر رہ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر کھلنے والی مسکراہٹ مر گئی۔ اس نے یہ تصور بھی نہ کیا تھا کہ ملاقات اس انداز سے ہوگی۔ اس نے سوچا وہ کسی دوسرے سیارے سے آنے والی مخلوق سے ہاتھ ملا رہا ہے۔

دونوں اسٹیشن کی طرف چل دیئے۔ کسی رسمی گفتگو یا تمہید کے بغیر ڈی فورگ نے پوچھا:

''برلن کو گاڑی کب جائے گی؟''

''شام چھ بجے!''

''سوا بجے والی گاڑی کا کیا ہوا؟''

''اس کی روانگی منسوخ ہو چکی ہے۔''

ڈی فورگ کے چہرے سے مسرت کے ہلکے سے آثار غائب ہو گئے۔ اس نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''کوئی اور گاڑی یہاں سے چلے گی؟''

''ہاں، بیس منٹ بعد ایک گاڑی روانہ ہونے والی ہے!''

''ہم یہی گاڑی پکڑیں گے۔''

''مگر یہ تو مشرق کی طرف جا رہی ہے۔ اس کی منزل مقصود پراگ ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ ہم بعد میں اپنا رخ تبدیل کر لیں گے۔''

''ایسے معاملہ نہیں چلے گا۔''

''کیوں نہ چلے گا۔''

مادت نے لمبا سانس کھینچا اور کہا۔ ''سٹرابرگ میں کچھ لوگ ہمارے منتظر بیٹھے ہیں اور ان کے ذمے یہ کام ہے ہمیں سرحد پار پہنچائیں۔ ان سے ملاقات کا وقت مقرر ہے۔ اگر ہم پراگ جانے والی گاڑی پر سوار ہو گئے، تو ان لوگوں سے نہ مل سکیں گے۔''

''اور اگر ہم پانچ گھنٹے تک قلعے سے صرف دس کلو میٹر دور بیٹھے رہیں، تو جرمن ضرور ہمیں آلیں گے۔''

''ضروری نہیں وہ تلاش میں یہاں آئیں، ہم برلن کی گاڑی روانہ ہونے سے پہلے جنگل میں چھپے رہیں گے۔''

''کہیں چھپنے کی ضرورت نہیں۔'' ڈی فورگ نے چٹان کی طرح تن کر کہا۔ ''اہم بات یہ ہے میرے اور قلعے کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ ہونا چاہئے، خواہ ہم کسی سمت بھی جائیں.....اور مشرق کی سمت تو کوئی شک بھی نہ کرے گا کہ ہم یہ راستہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔''

''میرے نزدیک اہم بات یہ ہے ہم جلد از اپنے دوستوں کے پاس پہنچیں جن کی ذمہ داری ہے کہ ہمیں جرمن سرحد سیل ہونے سے پہلے فرانس بھجوا دیں۔''

ڈی فورگ اپنے نظریئے پر اڑا رہا۔ ''جرمن کے بارے میں جو بھی نقطہ نظر ہو وہ گاڑیاں پابندی وقت سے چلاتے ہیں، ان کے ذریعے ہم اپنے دوستوں کے پاس بروقت پہنچ جائیں گے۔''

مادت کا سر چکرانے لگا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ جرنیل کے ایک چپت رسید کرے۔ وہ اس کے لئے اپنی زندگی اور آزادی کو داؤ پر لگا چکا تھا اور وہ ہے کہ مانتا ہی نہیں۔ انتظار کرنے میں بھی خطرہ تھا، لیکن مشرق کا رخ کرنا، تو سراسر حماقت تھی۔ ایک بار وہ پراگ کی گاڑی میں قدم رکھ دیں، تو پھر ان کی تمام سیکورٹی، پورا مشن اور سارے منصوبے، بخارات بن کر ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے۔

اچانک وہ رک گیا۔ ڈی فورگ نے بھی قدم روک لئے۔ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''اگر ہم برلن کی طرف نہ گئے۔'' مادت کے لہجے میں گھبراہٹ کا عنصر غالب تھا۔ ''ہمارا سارا منصوبہ اور تمام انتظامات خاک میں مل جائیں گے۔''

''بھاڑ میں جائے تمہارا منصوبہ! میں ایسے بیسیوں اور منصوبے بنالوں گا۔'' ڈی فورگ نے مادت کو گھور کر دیکھا۔ ''یاد رکھو، آپریشن میں کسی نہ کسی کے ہاتھ میں کمان ہوتی ہے۔''

''بے شک جنرل۔'' مادت نے جواب دیا۔ ''لیکن صرف ایک شخص پر مشتمل فوج کی صورت میں آرڈر دینے کے بجائے مشورہ کرنا بہتر ہوگا۔''

''سول زندگی میں تمہارا کون سا پیشہ ہے؟''

''میں ایک صحافی ہوں۔''

''تو پھر میں تمہیں جانتا ہوں گا!''

''نہیں، مجھے جرنیلوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔''

''اب تو پڑ گیا ہے نا!''

مادت نے پھر کوئی اعتراض اٹھانے کی کوشش کی، تو ڈی فورگ نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''دیکھو نوجوان، جب کوئی فیصلہ ہو جائے، تو بحث بند ہونی چاہئے۔''

وہ دونوں بڑی سرد مہری سے اسٹیشن کی طرف دوبارہ چل کھڑے ہوئے۔ پلیٹ فارم پر اب خاصا ہجوم ہو گیا تھا۔ ڈی فورگ نے خاموشی توڑی۔ ''آخری بار سوچ لو، اگر میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے، تو یہیں سے پیچھے ہٹ جاؤ۔''

''نہیں، تمہیں میری قدم قدم پر ضرورت ہوگی، میں تمہیں گائیڈ کرنے آیا ہوں اور میں اپنا فریضہ ادا کروں گا' لیکن احتجاجاً تمہارا ساتھ دے رہا ہوں، کیونکہ میرے سامنے اور کوئی راستہ نہیں۔''

اس اثناء میں گاڑی، پلیٹ فارم کے ساتھ آ کر رک گئی۔ چند منٹ کے اسٹاپ کے بعد اسے پراگ کی طرف روانہ ہونا تھا۔ مادت نے پراگ کی ٹکٹ لی اور ڈی فورگ نے میونخ کی۔ ''اس میں فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیک کرنے آ گیا، تو وہ ایک اور ایک کو ملا کر دونوں کو دریافت نہیں کر سکتا۔''

مادت نے اسٹیشن سے سامان وصول کیا۔ ڈی فورگ نے فیصلہ کیا کہ وہ نئے کپڑے گاڑی کے ٹائلٹ میں تبدیل کرے گا۔

ایک بار انہوں نے پراگ کی گاڑی میں قدم رکھ دیئے، تو گانڈ کا وہ منصوبہ خاکستر ہو کر رہ گیا، جسے انتہائی غور و خوض کے بعد اس نے آخری شکل دی تھی۔

پراگ جانے والی گاڑی اس قسم کی نہ تھی جیسی ڈی فورگ یا مادت نے تصور کر رکھی تھی۔ یہ پرانے لکڑی کے ماڈل کی تھی اور اس کی ٹائلٹ آخری حصے کی بجائے درمیان میں تھی۔ ڈی فورگ کے لئے ناممکن تھا کہ ڈبے سے اٹھ کر وہاں جائے اور کپڑے تبدیل کرے۔ اس دوران میں کسی نہ کسی کی نظر اس پر پڑ سکتی

تھی۔

وہ دونوں الگ الگ بیٹھے تھے، لیکن ان کی نظریں ایک دوسرے پر جمی تھیں۔ ڈی فورگ نے اپنے آپ کو ٹیرولین ہیٹ اور کچھوے کے شیل سے بنی ہوئی سیاہ شیشوں والی عینک میں چھپا رکھا تھا۔

پچاس کلومیٹر سفر کر لینے کے بعد بوڈن باش کے ریلوے اسٹیشن تک کسی جگہ بھی پولیس یا فوج کی انٹیلی جنس نے چیکنگ نہ کی۔ یہاں سے وہ ایکسپریس گاڑی میں سوار ہوئے۔ یہ مسافروں سے پہلے ہی بھری ہوئی تھی اور لوگ پائیدانوں کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے۔ مادت اور ڈی فورگ کو ایسا ہی ماحول درکار تھا۔ ان دونوں نے ایک ٹائلٹ کے قریب کھڑے ہونے کے لئے تھوڑی سی جگہ حاصل کی۔ سب سے پہلے مادت، آنکھ بچا کر ٹائلٹ میں بیگ سمیت چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل آیا، لیکن بیگ اندر ہی چھوڑ دیا۔ ڈی فورگ پھرتی سے اندر گھس گیا۔ اس نے آرام سے پرانے کپڑے اتارے اور بیگ میں سے کپڑے نکال کر پہن لئے۔ اب اس کی ہیئت تبدیل ہو چکی تھی اور کوئی شخص بادی النظر میں اس پر شک نہ کر سکتا تھا۔ جب وہ پانچ منٹ بعد باہر نکلا، تو چہرے مہرے اور لباس سے کوئی معزز شخص دکھائی دیتا تھا۔

گاڑی نام کی ایکسپریس ثابت ہوئی۔ وہ جا بجا اسٹیشنوں کے درمیان رکتی، لیکن ایگر سے پچاس کلومیٹر دور، گا کینا کے اسٹیشن پر ایسی رکی کہ چلنے کا نام ہی نہ لیا۔ کنڈکٹر نے مسافروں کو اطلاع دی۔ ''یہ آج رات مزید سفر نہ کرے گی اور کل صبح ۵ بجے روانہ ہوگی۔''

مادت نے سن کر ڈی فورگ پر فقرہ کسا: ''تو یہ ہے تمہارے نازیوں کی پابندی وقت کا عالم!''

ڈی فورگ نے خاموش رہنے میں مصلحت سمجھی۔ اس وقت قلعے اور ان کے درمیان دو سو کلومیٹر کا فاصلہ تھا اور وہ رات بھر کے لئے بے یار و مددگار گا کینا کے اسٹیشن پر کھڑے تھے۔ جہاں کسی وقت بھی چیکنگ ہو سکتی تھی۔ پلیٹ فارم پر کچھ مسافر بنچوں پر دراز ہو گئے تھے۔ مادت اور ڈی فورگ نے بھی آمنے سامنے دو بنچوں پر قبضہ جما لیا۔ کسی دوسرے مسافر کے ساتھ گفتگو سے بچنے کے لئے ڈی فورگ نے یوں ظاہر کیا جیسے گہری نیند سو گیا ہو، لیکن اس عالم میں نیند کس کافر کو آتی! وہ کن انکھیوں سے صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ رات دو بجے کے قریب فوجی بوٹوں کی کھٹاک کھٹاک سے وہ چونک گیا۔ نیم وا آنکھوں سے اس نے

پولیس کی ایک گشتی پارٹی پلیٹ فارم پر داخل ہوتی دیکھی۔ ہر ایک سے پوچھ گچھ کرتی وہ مادت کے پاس پہنچی۔ اس نے بھی اسے مطمئن کر دیا۔ اب ڈی فورگ کی باری تھی۔

ایک کرخت آواز نے اس سے پوچھا:

''یہاں کیا کر رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟''

ڈی فورگ خاموش لیٹا رہا۔ اس کا سانس حسب معمول بھاری اور لمبا تھا۔ گشتی دستے کے کمانڈر نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور کمانڈر کے چہرے پر دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟''

''کانوں میں سیسہ ڈلوا رکھا ہے تم نے؟ کیا تم چیک ہو، پولش ہو، یا چینی؟ کیا جرمن زبان نہیں سمجھتے؟''

ڈی فورگ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کمانڈر کی طرف گھورتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میں الیشن نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ جرمن ہوں، لیکن یاد رکھو میں شرافت سے جواب دے رہا ہوں اور تمہیں بھی شرافت سے کام لینا ہوگا۔'' پھر اس نے اطمینان سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ''مصدقہ جعلی کاغذات'' نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ ''یہ لو، ان پر نظر ڈالو۔''

گشتی دستے کے کمانڈر نے غور سے کاغذات دیکھے۔ ڈی فورگ نے سانس بند کر لیا۔ مادت بھی موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ ''شاید ہمارا ڈرامہ ابھی ختم ہو جائے'' اس نے سوچا، لیکن کمانڈر نے کاغذات واپس ڈی فورگ کی جھولی میں پھینگ دیئے۔

''اچھا، تم کہاں جا رہے ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اب کے آواز میں تحکم تو ضرور موجود تھا، مگر تشکیک کے عنصر سے پاک تھی۔

''مجھے میونخ جانا ہے۔ یہ ہے میرا ٹکٹ، اور جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، گاڑی منسوخ ہو جانے کی بناء پر دوسروں کی طرح صبح تک انتظار میں لیٹا ہوں۔''

گشتی دستہ مطمئن ہو کر آگے بڑھ گیا۔

مادت نے کھسر پھسر کے انداز میں کہا: ''تم بہت زیادہ خطرہ مول لے لیتے ہو۔ یاد رکھو رعب جمانے سے کام نہ چلے گا۔ تم ہو تو بھگوڑے۔''

''میں اچھی طرح جانتا ہوں، مجھے کیا کرنا ہے۔'' ڈی فورگ کے مسکت جواب سے اسے خاموش کر دیا۔ اب کے بعد وہ گہری نیند سو گئے۔ پانچ بجے گاڑی نے سیٹی بجائی، تو وہ ہڑبڑا کر اٹھے اور اس میں سوار ہو گئے۔ ایگر تک سفر بڑے آرام سے طے ہوا۔ راستے میں مادت نے ڈی فورگ کو فرانس کی موجود حالت کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔

''تحریک مزاحمت، مختلف شکلوں میں منظم ہو رہی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''کچھ عورتیں تمہیں ماتم کرتی دکھائی دیں گی، حالانکہ ان کا کوئی بھی قریبی عزیز فوت نہیں ہوا۔''

'وہ کس کا ماتم کرتی ہیں؟'' ڈی فورگ نے پوچھا۔

'فرانس کا۔''

''میں اسے جذباتی بے ہودگی کا نام دوں گا۔'' ڈی فورگ نے تیکھے لہجے میں جواب دیا۔ ''فرانس مرا نہیں، نہ یہ مر سکے گا۔ خرابی صرف فرانسیسیوں میں ہے۔ سیاہ پٹیاں باندھنے کے بجائے انہیں ہتھیار اٹھانے چاہئیں۔''

''ان حالات میں یہ کیسے ممکن ہے؟''

''انہیں راستہ دکھانے کی ضرورت ہے اور میں اسی کام کے لئے وہاں جا رہا ہوں۔''

مادت نے سوچا یہ اس کا کام نہیں، اس لئے وہ خاموش رہا۔ گاڑی چھک چھک کرتی ایگر کے اسٹیشن پر جا رکی۔ وہ نیچے اترے اور پلیٹ فارم پر گاڑیوں کی رونگی کا بورڈ دیکھنے لگے۔ اس وقت ساڑھے چھ بجے تھے اور سات بجے میونخ جانے والی گاڑی منسوخ کر دی گئی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ ان کی کوئی گاڑی وقت پر نہیں چلتی۔''

''ممکن ہے وہ ہمیں روکنے کے لئے جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہوں۔'' اس لطیف مزاح پر مادت

مسکرا دیا۔

ایک اور گاڑی سوا چار بجے سہ پہر پراگ سے آنے والی تھی اور کی منزل نورمبرگ، سٹٹ گارٹ تھی۔ سٹرابرگ پہنچنے کے لئے شمالی رخ پر یہ سب سے خطرناک راستہ تھا۔ ڈی فورگ کو جرمن پولیس سب سے زیادہ اسی روٹ پر تلاش کر سکتی تھی، لیکن ان کے سامنے کوئی اور راستہ نہ تھا۔ ۲۴ گھنٹوں میں وہ قلعے اور اپنے درمیان صرف ۲۵۰ کلومیٹر حائل کر سکے تھے۔

انہوں نے سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور وہ نورمبرگ، سٹٹ گارٹ والی گاڑی کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ مادت نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ وہ اب حرکت کرتے رہنے ہی کے حق میں تھا۔

پھر بھی انہیں دس گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ خوش قسمتی سے پلیٹ فارم پر خاصی تعداد میں مسافر جمع ہو گئے تھے اور ان کے درمیان گھس کر انہوں نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ اسٹیشن پر ہی علیحدہ علیحدہ انہوں نے کھانا کھایا اور باتھ روم میں جا کر شیو کی۔ ابھی ڈی فورگ، باتھ روم ہی میں تھا کہ مادت نے چند مسافروں کو اس کے فرار کے بارے میں باتیں کرتے سنا۔ یہ خبر، ریڈیو پر بھی نشر ہوئی تھی۔ سہ پہر کے اخباروں نے اسے پہلے صفحے پر چھاپا۔ انہوں نے ڈی فورگ کی وہ تصویر دی تھی، جو قلعے میں داخل کے وقت اتاری گئی تھی، ڈی فورگ شیو کر کے باہر نکلا، تو مادت نے اسے اطلاع کر دی۔

''یہ تصوری، فوکس سے باہر ہے، مجھے پہچاننے کے لئے مجھ سے شناسائی ضروری ہے۔'' ڈی فورگ نے کہا۔

تمام اخباروں نے ایک ہی انداز میں خبر شائع کی تھی۔ اسے پراپیگنڈہ منسٹری نے خصوصی ہدایات کے ساتھ جاری کیا تھا۔ تصویر کے نیچے جلی حروف میں درج تھا۔

''مفرور فرانسیسی جرنیل ڈی فورگ۔''

خبر کا متین یہ تھا: ''فرانسیسی جرنیل ڈی فورگ، جو جرمنوں کا جنگی قیدی تھا، سیکسونی کے قلعے سے بھاگ نکلا ہے۔ بھگوڑے جرنیل کو فرار میں مدد دینے والا، شخص موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور جرنیل کو گرفتار کرنے والا دو لاکھ روپے کے انعام کا مستحق ہوگا۔ جنرل ڈی فورگ کا قد ۶ فٹ ۳ انچ ہے۔ سر کے

بال اور مونچھیں بھورے رنگ کی اور جرمن زبان، فرانسیسی لہجے میں بولتا ہے۔ اس کے متعلق تمام معلومات فوری طور پر کسی بھی فوجی یا پولیس کے دفتر میں پہنچائیے۔''

مادت نے خبر پڑھنے کے بعد کہا: دو لاکھ روپے انعام.....! انہوں نے تمہاری بھاری قیمت لگائی ہے۔'

''اور تم پکڑے گئے، تو یاد رکھو کیا سزا ملے گی؟'' ڈی فورگ نے فقرہ چست کیا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے سنجیدہ بنتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو، میں کل صبح ہرگز یہ تصور نہ کر سکتا تھا کہ آج زندہ ہوں گا۔ میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ دیوار سے بخیر و عافیت نیچے اتر سکوں گا۔ مجھے ہمیشہ بلندی سے خوف آتا ہے، لیکن ایک مرحلہ سر کر لینے کے بعد آدمی اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرتا ہے۔ اسے نسبتاً زیادہ آزادی میسر آجاتی ہے۔ نئی زندگی پالینا، موت کو خدا حافظ کہہ دینا ہے۔ انسان کے اندر ایک نئی تر و تازہ روح، جاری و ساری ہو جاتی ہے۔'' وہ سانس لینے کے لئے رکا اور پھر مادت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔ ''یہ ہے وہ کھیل جس میں تم نے اپنے آپ کو شریک کیا ہے۔ کسی خوف و خطر، کسی رحم اور کسی افسوس کے بغیر سرگرم عمل رہو۔ صرف ایک مقصد پیش نظر رکھو۔ جیتنے کے لئے جان کی بازی بھی لگا دو گے۔''

''میں تمہارا ساتھ دوں گا۔'' مادت کی آواز میں تمام تر قوت ارادی سمٹ آئی تھی۔ ''میں خطرات سے آگاہ ہوں۔ اگر ہم پکڑے گئے تو تمہیں واپس جیل بھیج دیا جائے گا اور جرمنوں کا فائرنگ اسکواڈ میرے جسم کو گولیوں سے چھلنی کر دے گا۔''

جنرل ڈی فورگ اور اس کا گائیڈ آمنے سامنے کھڑے تھے اور جذبات سے مغلوب ہو کر ان پر رقت کا عالم طاری تھا۔

ایک ہاکر، شور مچاتا ہوا ان کے قریب سے گزرا: ''تازہ اخبار پڑھئے، فرانسیسی جرنیل ڈی فورگ، قید سے بھاگ نکلا، اسے پکڑنے والے کو ۲ لاکھ روپے انعام دیا جائے گا۔''

ڈی فورگ اور مادت اپنی اپنی جگہ پر سکڑ کر رہ گئے۔ فرانس کو ان کی اشد ضرورت تھی۔ ایک پوری تنظیم کے بہترین دماغ اس آپریشن کی نگرانی کر رہے تھے اور دوسری طرف ہٹلر نے بذات خود مداخلت

کرتے ہوئے کہا: ''فرانسیسی جرنیل کو کسی صورت میں بھی فرار میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ زندہ یا مردہ، ہر حالت میں وہ فرانس میں آگ لگا دے گا اور فرانسیسیوں کے جذبات بھڑک اٹھیں گے۔''

ہر جرمن آنکھ ساڑھے چھ فٹ بلند فرانسیسی جرنیل ڈی فورگ کی متلاشی تھی۔

☆☆☆

جرمنی کا بچہ بچہ ڈی فورگ کے نام سے آشنا ہو چکا تھا۔ دو لاکھ روپے کے انعام کا اعلان سن کر ہر ایک کا دل مچل رہا تھا۔

اور جنرل ڈی فورگ صرف چند آدمیوں کے درمیان ایگر کے اسٹیشن پر موجود تھا۔

اخبار فروش ان کے قریب سے گزر گیا، تو جرنیل نے مادت کے کان میں کہا: ''میں جان دے دوں گا، لیکن واپس قلعے میں جانے کو تیار نہیں۔'' اس کی چھوٹی چھوٹی بھوری آنکھوں میں خوفناک چمک جھلک رہی تھی۔ ''میں سب کچھ کر گزروں گا، فرانس پہنچنے کے لئے ہر حربہ آزماؤں گا۔ مجھے وہاں ضرور پہنچنا ہے، یہ میرے دل کی خواہش نہیں، پوری فرانسیسی قوم کی پکار ہے۔ میری ذات سے قوم کا مفاد وابستہ ہے۔ تم نے بھی اب تک مقدور بھر کوشش کی، لیکن یہ آسان مراحل تھے، اصل امتحان پیش آنے والا ہے۔ پھر کیا ہو گا؟ اگر تمہیں یہ علم ہے کہ تمہاری جان خطرے میں ہے تو تم اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے راستے میں حائل ہونے والے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تیار ہو جاؤ گے۔''

''ہاں، اگر مجھے کرنا پڑا.....'' مادت نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''کرنا پڑا نہیں، کرنا چاہئے۔'' ڈی فورگ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''آہ! چھرا گھونپنا یا..... کسی کی گردن میں پھندا ڈالنا.....! یہ کام مجھ سے نہ ہو گا۔'' مادت نے ذرا رک رک کر کہا۔

''اخلاق اور ضابطوں کو بھول جاؤ، جو ہمارے دماغوں میں ٹھونسے جاتے رہے ہیں۔ یہ حالت امن نہیں خ جنگ ہے۔ ہمارا سابقہ فرانسیسیوں سے نہیں، جرمنوں سے ہے۔''

''آخر وہ بھی انسان ہیں۔''

ڈی فورگ یہ جواب سن کر جھنجھلا گیا۔ اگر کوئی اور جگہ ہوتی، تو وہ اس پر برس پڑتا۔ اس نے حتی الوسع اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا: ''تم نے انہیں چھوڑ دیا، تو وہ تمہیں ہرگز نہ چھوڑیں گے اور تڑپا تڑپا کر ماریں گے، اگر تم ان کے ہتھے چڑھ گئے۔''

''تاہم اس کام کے لئے بھی حوصلے اور مشق کی ضرورت ہے کسی کے پیٹ میں فولاد کا ٹکڑا گھونپنا بھی ایک فن ہے۔'' مادت نے چھٹکارے کی صورت نکالنے کے لئے کہا۔

''تمہیں یہ فن آنا چاہئے تھا۔ جن لوگوں نے تمہیں ادھر بھیجا ہے، یہ ان فرض تھا کہ تمہیں سکھاتے۔'' ڈی فورگ نے تابڑ توڑ حملے جاری رکھے: ''جب آدمی کسی کام میں ہاتھ ڈال ہی لے، تو پھر پسپائی اختیار کرنا مردوں کا شیوہ نہیں۔ عام حالات میں وہ جو کچھ نہیں کر سکتا، ایسے عالم میں وہ بھی انجام دینے کے لئے تیار رہنا چاہئے، کیونکہ اس کے لئے صحیح اور غلط کے معنی بدل جاتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ مشن پایہ تکمیل تک پہنچ جائے، چاہے جو بھی ذرائے اختیار کرنا پڑیں اور غلط یہ ہے کہ مشن ناکام ہو جائے، باقی سب افسانہ ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' مادت نے اس لمبے چوڑے لیکچر سے تنگ آ کر یہ الفاظ اتنے زور سے کہے کہ کچھ لوگ ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور گھور گھور کر دیکھنے لگے کیا معاملہ ہے؟ مادت نے فضا سونگھتے ہوئے لہجہ دھیما کر لیا۔ ''میں جانتا ہوں، مجھے جو کچھ بھی کرنا پڑا، کروں گا۔ تمہارے وعظ کی ضرورت نہیں۔''

ڈی فورگ نے دیکھا اس کا ساتھی ناراض ہو رہا ہے، تو اس نے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا: ''ہو سکتا ہے ہم اکٹھے کھڑے نہ رہ سکیں، لیکن ایک دوسرے کے بغیر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔''

انہوں نے پلیٹ فارم سے کئی رسالے اور اخبار خرید لئے اور الگ الگ بیٹھ کر ان کے مطالعے میں محو ہو گئے، مادت کی نظریں بظاہر مطبوعہ الفاظ پر جمی تھیں، لیکن اس کا دماغ اس کربناک چکر میں غلطاں تھا جو ڈی فورگ نے ابھی ابھی اس کے گرد بنا تھا۔ وہ بار بار تصور ہی تصور میں کسی جرمن سپاہی کو موت کے گھاٹ اتارتا، لیکن اسے محسوس یوں ہوتا کہ وہ خود موت کے کرب سے گزر رہا ہے۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و

تاب کھا کر رہ جاتا۔

بالآخر وہ گاڑی پر سوار ہو گئے۔ ڈی فورگ سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں گھس گیا اور مادت نے تھرڈ کلاس کی ٹکٹ لی۔ ڈی فورگ کو اندازہ تھا جرمن پولیس نے اس کی تلاش کے لئے پروگرام کو آخری شکل دے دی ہوگی، چنانچہ اس نے ایسی سیٹ تلاش کی جہاں وہ تفتیش کرنے والوں کی نظروں سے محفوظ رہ سکے۔ ایک کھڑکی کے نزدیک افریقہ کور، کا لیفٹیننٹ براجمان تھا، اس کے سینے پر شاہ بلوط کے پتوں کے درمیان آئرن کراس جھلمل کر رہا تھا۔ ایک ہی نظر میں ڈی فورگ بھانپ گیا کہ یہ شخص عام سپاہی سے ترقی کر کے اس عہدے تک پہنچا ہے۔ ایسے آدمی کو وہ بڑی آسانی سے بے وقوف بنا سکتا تھا، چنانچہ اس نے جچے تلے انداز میں اس کی طرف قدم بڑھائے اور بڑی چابکدستی سے ہٹلرانہ سلیوٹ کیا۔

''ہیل ہٹلر۔'' اس نے بڑے مودب لہجے میں کہا: ''کیا جناب لیفٹیننٹ مجھے اپنے مقابل بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔''

لیفٹیننٹ نے سرد مہری سے سر کی جنبش سے اجازت دے دی۔ ڈی فورگ نے نشست پر بیٹھنے کے بعد دیکھا کہ لیفٹیننٹ کے پاس پڑھنے کو کچھ نہیں، تو اس نے اپنے پاس سے ایک باتصویر رسالہ دیا اور خود بھی کسی دوسرے رسالے میں کھو گیا۔ ہر آدھ گھنٹہ بعد مادت اپنے کمپارٹمنٹ سے اٹھ کر یہاں آتا اور جائزہ لیتا آیا۔ صورت حال ٹھیک ٹھاک ہے۔ اگرچہ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ گڑبڑ کی صورت میں کیا کرنا ہے، تاہم یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ حالات پر کڑی نظر رکھے۔

گاڑی نومبرگ کے اسٹیشن پر رکی، تو مادت ایک کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ اسے جس بات کا خدشہ تھا وہ وقوع پذیر ہو رہی تھی۔ سٹیٹ گارڈ کی طرف سے گاڑی چلنے سے ذرا پہلے ایس ایس پولیس اس میں گھس آئی تھی۔ مادت کو اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہ تھا کہ وہ کس کی تلاش میں ہیں۔

وہ فوراً ڈی فورگ کے ڈبے کی طرف چلا آیا اور راہداری میں کھڑا ہو کر اسے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ ڈی فورگ آہستہ سے اٹھا اور بے پروائی کے انداز میں چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

''ایس ایس کی تفتیشی پارٹی سوار ہوگئی ہے۔'' مادت نے اس کے کان میں کہا۔ دونوں نے واپس اپنی سیٹوں کا رخ کیا۔ ڈی فورگ نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے لیفٹیننٹ سے پوچھا: ''کیا جناب کو یہ رسالہ پسند آیا؟

''ہاں، بہت دلچسپ ہے۔ ناروے کی تصویریں خوب ہیں۔'' لیفٹیننٹ نے قدرے گرم جوشی دکھاتے ہوئے کہا۔

''آپ کے سینے پر چمکتے ہوئے آئرن کراس کو دیکھ کر مجھے رشک آتا ہے۔ پچھلی جنگ عظیم میں مجھے بھی لڑنے کا موقع ملا تھا، لیکن اب تو بات ہی اور ہے۔ افریقہ کے صحراؤں میں رومیل جیسے بہادر سالار کی زیر قیادت لڑنے میں جو لطف آتا ہے، وہ پہلے کہاں تھا!''

افریقہ کور کا لیفٹیننٹ جھک کر ڈی فورگ کے مزید قریب ہوگا۔

''میں اس جنگ کا قریبی مطالعہ کرتا رہا ہوں۔'' ڈی فورگ نے کہا: ''کیونکہ مجھے اس علاقے سے خاصل تعلق ہے۔ کاروبار کے سلسلے میں میرا کئی بار مصر آنا جانا ہوا، میں اس علاقے سے واقف ہوں۔''

''تم نے صحرا بھی دیکھا ہوگا۔''

''بے شک۔''

'تم نے دہکتے ہوئے سورج کی تمازت بھی محسوس کی ہوگی۔''

''بالکل، آدمی پسینے میں تر بتر ہو جاتا ہے۔''

داؤ کام کر چکا تھا۔ لیفٹیننٹ ایک جذباتی بحث میں الجھ گیا۔ صحرائی مناظر کے بعد جنگ کی یادیں بیان کی جانے لگیں۔ ڈی فورگ وقتاً فوقتاً لقمہ دے جاتا اور جرمن لیفٹیننٹ پہلے سے بھی زیادہ جذباتی آواز میں بولنے لگتا۔ بالآخر بات رومیل تک پہنچ گئی۔

''اس نے وہ کام کر دکھایا ہے جو نی بال نے ہاتھیوں کی مدد سے انجام دیا۔'' ڈی فورگ نے فقرہ چست کیا۔

''آخ! ہاتھیوں اور ٹینکوں کا مقابلہ! ہمارا رومیل تو ہنی بال سے بڑھ کر کارنامے سامنے لا رہا ہے

اور جب تاریخ لکھی جائے گی، تو دیکھو گے.....''

عین اسی لمحے ڈبے کا دروازہ کھلا۔ ایس ایس کا افسر اندر داخل ہوا۔ دو آدمی اس کے پیچھے پیچھے تھے، جنہوں نے بڑی سرعت سے دروازے پر مورچہ جمالیا۔

افریقہ کور کے لیفٹیننٹ نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا۔ ایس ایس افسر اس دوران میں لوگوں کے کاغذات چیک کرنے لگا، لیکن وہ دھواں دھار بول رہا تھا: ''رومیل کو روکنا آسان نہیں۔ وہ مصر سے برطانیوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ صرف چند دنوں کی بات ہے۔ پھر قاہرہ پر ہمارا قبضہ ہوگا، نیل بھی ہمارا ہوگا اور نہر سویز بھی۔''

ایران اور اس سے آگے ہندوستان..... فتوحات کے افق کی کوئی حد نہیں۔ ڈی فورگ نے کہا۔

ایس ایس افسر ڈی فورگ کی طرف بڑھا، لیکن وہ جرمنی لیفٹیننٹ کی باتیں سننے میں اس قدر محو تھا کہ اس نے تفتیشی پارٹی کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اس کی تمام تر توجہ خوبصورت الفاظ پر مبذول تھی اور یہی حال ڈبے میں موجود دوسرے مسافروں کا تھا، سبھی اس مزیدار گفتگو میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ ایس ایس افسر نے سوچا اسے اس گفتگو میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے۔ جذبات کے آگے ویسے بھی بند نہیں باندھا جاسکتا۔ وہ دوسرے ڈبوں کی چیکنگ کے بعد ادھر آجائے گا۔

''.....ریت کے نیچے چھپی ہوئی دولت!'' ڈی فورگ نے افریقہ کور کے لیفٹیننٹ کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا۔

''مشرق وسطیٰ میں ہماری نظریں جس چیز پر لگی ہیں، وہ ہے تیل، جب ہم اس پر قابض ہو جائیں گے، تو عام جرمن کی زندگی میں کس قدر تبدیلی آجائے گی۔ تیل ہماری مشینوں اور فیکٹریوں کو چلائے گا..... ان صحراؤں کی ریت کے نیچے تیل کا ایک سمندر بہہ رہا ہے، سمندر!!''

''.....اور افریقہ سے ہمیں خام مال دستیاب ہوگا۔'' ڈی فورگ نے پھر اسے مہمیز لگائی۔

''وہاں ہماری نو آبادیاں قائم ہوں گی۔ ہم ست الوجود حبشیوں کو کام کرنا سکھائیں گے۔''

ایس ایس افسر ایک بار پھر ان کے سر پر موجود تھا لیکن وہ مداخلت کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

مشرق وسطیٰ.....تیل.....افریقہ.....وہ خوابوں کی دنیا میں پہنچ گیا۔اس نے سوچا اگر جرمنی کا ہر شہری ان دو آدمیوں جیسے بلند خیالات کا مالک ہو، تو ملک کا نقشہ ہی بدل جائے۔اس نے ڈی فورگ کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا:''ہیل ہٹلر!!''

ایس ایس افسر نے تمام تر تکلفات کو فراموش کر دیا اور ان دونوں کی تلاشی لئے بغیر ڈبے سے رخصت ہو گیا۔جونہی وہ باہر نکلا، ڈی فورگ نے لیفٹیننٹ کی باتوں میں دلچسپی ظاہر کرنا چھوڑ دی۔اس وقت وہ افریقہ میں اپنا استعمار مستحکم کرنے کے بعد ہندوستان کی طرف رخ موڑ رہا تھا۔

ڈی فورگ کا مقصد حل ہو چکا تھا۔وہ آہستہ آہستہ اپنی سیٹ پر دراز ہو گیا اور ایک بار پھر کسی رسالے کے مطالعے میں کھو گیا۔

ارفریہ کور کے لیفٹیننٹ نے حاضرین کی عدم دلچسپی کا اندازہ لگا کر خاموشی اختیار کر لی۔

گاڑی، سٹٹ گارٹ کے آخری اسٹاپ پر رک گی۔نصف شب کا عالم تھا۔ڈی فورگ اور مادت نیچے اترے اور ہجوم میں چھپنے کی کوشش کرنے لگے۔قدم قدم پر ایس ایس کے باوردی سراغرساں ایک ایک مسافر پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

''ہمیں یہاں سے جلد نکلنا چاہئے، ڈی فورگ نے گاڑیوں کی آمد و رفت کے بورڈ پر دیکھتے ہوئے کہا۔''سٹرابرگ کو گاڑی صبح پانچ بجے جائے گی۔سوا بجے ایک اور گاڑی میٹز کے لئے چلے گی۔یہ فوجی اسپیشل ہے، لیکن محدود تعداد میں سویلین کو بھی سیٹیں مل سکتی ہیں، ہم یہی گاڑی پکڑیں گے۔''اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''فوجیوں کے درمیان یہ خطرناک بھی ہے اور پھر یہ ہمیں منزل سے دور لے جائے گی۔'' مادت نے اعتراض پیش کیا۔

''نہیں، ہم لانڈو کے اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔وہاں سے سیدھے جنوب کو سٹرابرگ کی گاڑی لے لیں گے۔اس سے اگرچہ وقت تو زیادہ لگے گا، لیکن یہاں سے نکل جانا بہتر ہے۔یہاں ٹھہرے رہنا زیادہ خطرناک ہے۔ایک بار ہم دریائے رائن پار کر جائیں، تو پھر ایک جانے پہچانے علاقے میں.....''

ڈی فورگ فقرہ مکمل نہ کر سکا۔ مادت اس کے شانوں سے اوپر سے تین گز دور گسٹاپو کے ایک ایجنٹ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ بھی ان دونوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

انہوں نے وہاں سے کھسکنے میں مصلحت سمجھی۔ وہ چگمگ کرتے اسٹیشن سے نکل کر ایک سنسان تاریک گلی میں داخل ہو گئے۔ انہیں کچھ نظر نہ آ رہا تھا، لیکن جان بچانے کے لئے انہیں حرکت کرتے رہنا تھا۔

گلی دائیں طرف مڑ گئی۔ وہ ایک دکان کے صدر دروازے کے کونے میں دبک گئے۔ رات کے مہیب سناٹے میں انہیں بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ آہستہ آہستہ یہ ان کے قریب آ گئی۔

یہ وہی گسٹاپو ایجنٹ تھا۔

وہ ان سے تھوڑی دور آگے جا کر رک گیا اور پیچھے کی جانب مڑا۔ ڈی فورگ خاموشی کے ساتھ ایک طرف سرک گیا۔ مادت ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ بھی اس کے پیچھے جائے یا نہیں، جونہی صدر دروازے کی اوٹ سے نکلا، ایک مضبوط ہاتھ نے اسے شانوں سے اچک لیا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہارا دوست کہاں ہے۔''

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

''مجھے بے وقوف مت بناؤ۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میں کون ہوں۔ اگر علم نہیں، تو تھوڑی دیر بعد پتا چل جائے گا۔ گسٹاپو کو فریب نہیں دے سکتے۔'' اس نے بازو کو اور مروڑا اور اس انداز سے کچوکے دے دے کر آگے چلتے رہنے پر مجبور کر دیا۔ مادت سخت تکلیف میں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس شخص پر پل پڑے، مگر اس کا بس نہ چلتا تھا۔ وہ جانتا تھا اس نے ذرا سی جدوجہد کی، تو اس کا اپنا بازو ٹوٹ جائے گا۔ اس کی حالت اس خرگوش جیسی تھی جس کے دونوں کان گرفت میں آ چکے ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس اس کی کہانی سنے گی، تو اس میں ذرا بھر صداقت نہ ہو گی۔ اس کا راز فاش ہو جائے گا۔ اسے خیال آیا ڈی فورگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے، لیکن اس خیال نے اسے کوئی راحت نہ بخشی۔ اس کے قدم گسٹاپو ہیڈ کوارٹر کی طرف اٹھنے پر مجبور تھے اور وہ حیران تھا کہ جب اس پر تشدد کا سلسلہ شروع ہو گا تو کونسی کہانی گھڑے گا!!

اس کا بازو شدت سے درد کر رہا تھا۔ اس نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا تا کہ گستاپو ایجنٹ بازو پر زیادہ دباؤ نہ ڈال سکے۔ ''حرامی دھوکے باز! اتنی تیزی سے نہ چلو۔ اگر تمہیں علم ہوتا وہاں تمہارا کیا حال ہوگا، تو تیز قدم نہ اٹھاتے۔'' یہ کہہ کر اس نے بازو کو جھٹکا دے کر کھینچا۔ مادت کو آہستہ آہستہ چلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد ایجنٹ نے پھر کچوکا دیا اور تیز چلنے کو کہا اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔

''تم میرا بازو توڑ دو گے..... تمہیں اس قدر مروڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں کہیں بھاگ نہیں چلا۔'' مادت نے چلا کر کہا اور پھر اچانک اس کے بازو پر دباؤ کم ہو گیا۔ اس نے سر گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ گستاپو ایجنٹ کی گردن ایک طرف کو ڈھلکی جا رہی تھی۔ چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ جسم کا توازن خراب ہو رہا تھا۔ زبان بڑے خوفناک انداز میں منہ سے باہر لٹکنے لگی اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ بلند ہوئی۔

''اسے مارو، اسے مارو، اسے مارو۔'' ڈی فورگ نے سانس روک کر دھیمے لہجے میں مادت کو حرکت میں آنے کا اشارہ کیا۔ مادت سمجھ گیا، ڈی فورگ وقت پر کام آیا ہے۔ اس نے داہنے مکے سے وار پر وار شروع کر دیئے۔ اس کا بایاں بازو اس وقت تک تقریباً سن ہو چکا تھا۔

''اس کے پیٹ میں پاؤں سے ضرب لگاؤ۔'' ڈی فورگ انتہائی پھرتی سے گستاپو ایجنٹ کا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔

بالآخر گستاپو ایجنٹ بے حس و حرکت ہو کر نیچے گر پڑا۔ انہوں نے گھسیٹ کر اس کی لاش گندے پانی کی نالی میں پھینک دی۔

''اسے ضرب لگاتے ہوئے میرا گھٹنا زخمی ہو گیا۔'' مادت کو پہلی بار تکلیف کا احساس ہوا، تو وہ حرف شکایت زبان پر لایا۔

''چلو جان بچ گی، مگر یاد رکھو، تم میری حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے ہو میں تمہاری حفاظت پر مامور نہیں۔ اب دیکھتا ہوں، اسی طرح میرے کام بھی آتے ہو یا نہیں۔''

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اسٹیشن پہنچے۔ اندر داخل ہونے سے پہلے مادت نے کہا: میں سوچ رہا ہوں

اگر تمہارے ساتھ مزید سفر کرنا ہے، تو مجھے مسلح ہونا چاہئے۔ مہربانی کر کے اپنا چاقو دے دو تا کہ میں بھی موثر ثابت ہو سکوں۔"

ڈی فورگ، مادت کی اس تبدیلی پر حیران سا ہوا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر اسے دے دیا۔ اس کے اپنے پاس پھندا موجود تھا۔

پھر وہ ٹکٹ لینے والوں کی قطار میں لگ گئے۔ ڈی فورگ نے میٹز کے لئے سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ طلب کی۔ "تمہیں خاصا انتظار کرنا پڑے گا۔ کل دو بجے سہ پہر تک کوئی گاڑی نہیں جائے گی۔"

"لیکن جو تھوڑی دیر بعد روانہ ہونے والی ہے؟"

"یہ فوجی اسپیشل ہے۔ صرف ان فوجیوں کے لئے مخصوص ہے جو گھروں کو چھٹی پر جا رہے ہیں۔ اگر تم بھی اسی میں سوار ہونا چاہتے ہو، تو کچھ زائد کرایہ ادا کرنا ہوگا، مگر ضروری نہیں جگہ بھی ملے۔"

ڈی فورگ نے زائد کرایہ ادا کیا۔ مادت نے اپنی باری پر اسی طرح تیسرے درجے کا ٹکٹ لے لیا۔ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے بک اسٹال سے نئے اخبار خریدے، انہیں جس کہانی سے دلچسپی تھی وہ اب بھی پہلے صفحے پر شائع ہوئی تھی۔

ڈی فورگ کی وہی تصویر ایک چوکھٹے میں نمایاں طور پر چھاپی گئی تھی۔ اس کی گرفتاری کے لئے دو لاکھ کا انعام اور اس کے فرار میں مدد دینے والے کو سزا موت دینے کے اعلانات بھی جلی سرخیوں کا موضوع تھے۔ پوری خبر سے پتا چلتا تھا، ہٹلر کس قدر آپے سے باہر ہو چکا ہے۔ اس نے قلعے کے کمانڈر بارڈس ڈروف کو تبدیل کر دیا تھا اور متعدد دوسرے فوجی افسروں کو اس کے ساتھ روسی محاذ پر بھیج دیا تھا۔ فرانسیسی قیدیوں کی واپسی بالکل روک دی گئی۔

خبر میں کہا گیا تھا کہ انسانی بنیادوں پر قیدیوں کی واپسی کا رکنا اور فرانسیسی قیدیوں پر دیگر عقوبتوں کا نزول صرف اور صرف ڈی فورگ کے فرار کی وجہ سے ہے۔ ان تمام نتائج اور اقدامات کی ذمہ داری اس بھگوڑے فرانسیسی جرنیل کے سر ہے۔ اگر اس میں انسانیت کا ذرا سا بھی مادہ ہے اور وہ اپنے ہم وطنوں اور ساتھیوں کی فلاح کا خواہاں ہے، تو فوراً قلعے میں واپس چلا جائے۔

''یہ صحریحاً بلیک میلنگ کی کوشش ہے۔'' ڈی فورگ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا اس کے بعد قلعے میں فرانسیسی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہوگا، اگرچہ اس کی تفصیلات شائع نہیں ہوئی تھیں۔ پہلے صفحے کے نیچے ایک کونے میں چھوٹی سی خبر تھی۔ ڈی فورگ کی نظریں اس پر گڑ کر رہ گئیں۔

''وہ تار جس کی مدد سے ڈی فورگ قلعے سے باہر نکلا، جنرل پالسی کے کمرے سے برآمد ہوئی۔ فوراً ہٹلر کے ذاتی حکم پر ایس ایس پولیس کا ایک دستہ اسے وہاں سے نکال کر کسی عقوبت خانے لے جانے پر مامور کیا گیا۔ راستے میں پالسی نے بھاگ نکلنے کی کوشش کی۔ محافظوں نے اسے گولی مار دی۔''

''حرامی، جھوٹ بکتے ہیں۔ انہوں نے اس کی مشکیں کس کر مار دیا اور خبر اس قسم کی چھاپ دی۔'' ڈی فورگ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

''کیا وہ تمہاری سازش میں شریک تھا؟'' مادت نے پوچھا۔

''بالکل غلط ہے۔ یہ سراسر انتقامی کارروائی ہے اور دوسروں کو دھمکانے کی کوشش بھی۔ یہ سب کچھ ہٹلر کا سفاک ذہن ہی سوچ سکتا ہے۔ وہ چڑیا گھر کی طرح ملک کا کاروبار چلا رہا ہے۔ جیسے یہاں انسان نہیں حیوان بستے ہیں۔ وہ خود درندہ ہے اور درندوں کی سی موت مرے گا۔'' قدرے توقف کے بعد مادت سے مخاطب ہوا: ''انسانی جان سے ارزاں کوئی شے نہیں، لیکن اصولی طور پر اس قدر اہم شے بھی کوئی نہیں۔ ہم نے جس میدان میں قدم رکھ دیئے ہیں، وہاں یا تو ہم جیتیں گے یا وہ، یاد رکھو اگر کوئی تمہارے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کرے، تو اسے راستے سے ہٹا دو۔ اگر وہ اپنی گردن تمہارے سامنے لائیں، تو اسے کاٹ دو، یہاں سے بچ نکلے، تو تمہارے پاس اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے بہت وقت ہوگا۔''

اس اثناء میں گاڑی اسٹیشن میں داخل ہوئی۔ یہ تین فرسٹ کلاس اور پانچ تھرڈ کلاس ڈبوں پر مشتمل تھی۔ آٹھ دس مسافر اس میں سوار ہوئے۔ ڈی فورگ کو ایک کیپٹن کے بالمقابل سیٹ ملی۔ گفتگو سے بچنے کے لئے اس نے خراٹے لینے شروع کر دیئے۔ وہ تھکا ماندہ تھا۔ اس کا انگ انگ درد کر رہا تھا، مگر وہ نیم وا آنکھوں سے ماحول کا جائزہ لیتا رہا، سب لوگ نیند کے نشے میں دھت تھے۔ صرف ایک سپاہی ڈیوٹی پر تھا جو ٹہلتا ٹہلتا اس کمرے میں بھی آ جاتا۔ اس نے ڈی فورگ کو بے چینی سے پہلو بدلتے دیکھا، تو پوچھا:

''جناب کو کسی شے کی ضرورت ہے؟''

''شکریہ! مجھے کچھ نہیں چاہئے۔'' ڈی فورگ نے محسوس کیا، خوبصورت اور نوجوان سپاہی اسے کوئی بڑا افسر سمجھ رہا ہے۔

''شاید بعد میں ضرورت پڑے؟''

''ہاں، جب میں میٹز کے اسٹیشن پر اتروں گا، تو میرا سوٹ کیس اٹھا لینا۔''

''بہت اچھا، میں حاضر ہو جاؤں گا۔'' یہ کہہ وہ چلا گیا، لیکن ڈی فورگ نے دل ہی دل میں کہا: میں وہاں موجود نہیں ہوں گا۔ ان دونوں نے فیصلہ کیا تھا۔ وہ لانڈو کے اسٹیشن پر اتر جائیں گے جہاں سے جنوب کی طرف جانے والی گاڑی پرالساک ہوتے ہوئے سٹرابرگ پہنچیں گے۔

مادت اس کے ساتھ والے ڈبے میں سوار تھا۔ ڈی فورگ کے برعکس وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

رات کے کسی حصے میں ڈی فورگ ٹائلٹ جانے کے لئے اٹھا۔ راہداری میں اس کی مڈبھیڑ پھر اسی نوجوان سپاہی سے ہوگئی وہ کوئی اٹھارہ انیس برس کا تھا۔

بظاہر اس وقت اسے کوئی خاص ڈیوٹی سرانجام نہیں دینا تھی، بلکہ اپنے مخصوص کیبن میں سو جانا چاہئے تھا۔ ڈی فورگ کی چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ شاید اس لڑکے کو اس کے بارے میں کچھ شبہ ہو گیا ہے اور وہ اسے یقین میں بدلنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے ڈی فورگ کو ایسی نظروں سے دیکھا کہ ان میں تشکیک کی جھلک موجود تھی۔

ٹائلٹ سے فارغ ہو کر ڈی فورگ مادت کے ڈبے میں گیا اور اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔

''اگر اسے شک پڑ گیا ہے تو ہم اگلے اسٹاپ پر اتر جائیں گے۔'' مادت نے تجویز پیش کی۔

''اگلا سٹاپ لانڈو کا ہے اور وہ خاصا دور ہے۔ شاید وہ میٹز تک انتظار کرے اور وہاں اترتے ہی ایس ایس پولیس سے کہہ کر مجھے گرفتار کروا دے۔'' ڈی فورگ نے کہا۔

''تو پھر یہی بہتر ہے ہم اس سے پہلے ہی اتر جائیں، چاہے چلتی گاڑی سے کودنا پڑے۔''

''باہر طوفان بادو باراں برپا ہے ہم کہاں جائیں گے۔'' ڈی فورگ بھی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر وہ

دونوں اپنا اپنا سامان لینے چلے گئے تا کہ مناسب وقت پر اتر سکیں۔

ڈی فورگ سامان لے کر راہداری میں پہنچا تھا کہ ایک بار پھر نوجوان فوجی سامنے آ گیا۔

''کیا تم نیچے تو نہیں اترنا چاہتے؟'' نوجوان فوجی نے پوچھا۔

''بے شک اترنا چاہتا ہوں۔''

''مگر تم کہہ رہے تھے میٹز کے اسٹیشن پر اترو گے؟''

اب ارادہ بدل گیا ہے۔ لانڈو میں کچھ دوست میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر میٹز چلا گیا، تو پھر کبھی ان سے ملاقات مشکل ہے۔''

نوجوان فوجی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''تمہیں سوٹ کیس اٹھانے کی خواہش ہے، تو میں تمہیں مایوس نہ کروں گا۔'' ڈی فورگ نے اسے تسلی دی۔

''میری یہ خواہش نہیں۔'' اس نے نوجوان کو کہتے سنا۔

عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور مادت اپنا سامان اٹھائے اندر داخل ہوا۔

تمہیں لانڈو پر نہیں اترنا چاہیے۔''

''کیوں نہ اتروں؟'' ڈی فورگ نے پوچھا۔

''تم فرانسیسی ہو۔'' نوجوان فوجی پھٹ پڑا۔'' تمہارا لہجہ چغلی کھا رہا ہے۔ میں جانتا ہوں.....''

''میں آلیشن ہوں، جرمن۔''

''.....تم کون ہو؟ تمہارے چہرے پر ناک اور تمہارا قد سب کچھ ظاہر کر رہا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میرے ساتھ چلو۔'' نوجوان فوجی نے چلا کر کہا اور آگے بڑھ کر ڈی فورگ کا بازو تھام لیا۔ ڈی فورگ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا: ''پاگل تو نہیں ہو گئے، میں مصنوعی ریشم کا کاروبار کرتا ہوں۔ کوئی شخص بھی میرے کاغذات دیکھ سکتا ہے اور تم اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہو.....''

''یہ کام پولیس کا ہے، وہ تفتیش کرے گی، اب میرے ساتھ چلو۔''

مادت سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ گاڑی بارش اور طوفان کا سینہ چیرتی آگے بڑھتی رہی۔ اب معاملہ لفظوں کی تکرار سے بڑھ کر جسمانی مدافعت تک پہنچ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ان کے اور قریب آیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ معاملہ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ شخص لانڈوا اترنا چاہتا ہے۔'' نوجوان فوجی نے کہا۔

''میں بھی وہیں اترنا چاہتا ہوں۔ اس میں جھگڑے کی بات کیا ہے؟'' مادت نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن یہ فرار ہونا چاہتا ہے۔؟''

''یہ کون ہے؟''

''مفرور فرانسیسی جرنیل..... جنرل ڈی فورگ..... میری مدد کرو۔'' نوجوان فوجی نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''ذرا ٹھہرو..... میں آیا۔'' مادت نے یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور چمکتی ہوئی دھار والا فولادی چاقو نکالا اور آناً فاناً نوجوان فوجی کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ مادت نے پھرتی سے اس کی گردن مروڑی اور لاش چلتی گاڑی سے باہر دھکیل دی۔ فرش پر خون کے تمام نشانات بھی مٹا دیئے گئے۔

اگلے ہی لمحے گاڑی خوفناک دھچکے سے رک گئی۔ مادت اور ڈی فورگ ایک دوسرے سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔ تمام لوگ نیچے اتر کر گاڑی رکنے کی وجہ معلوم کر رہے تھے۔ موسلا دھار بارش جاری تھی۔ وہ دونوں بھی نیچے اتر آئے۔ لوگ مختلف تبصرے کر رہے تھے۔

''ہوائی حملہ ہوا ہے، بم پھینکا گیا ہے۔''

''آہ! ملعون برطانوی۔''

''نہیں، نہیں، یہ سبوتاژ ہے۔ بارودی سرنگ بھٹی ہے۔''

''کوئی دہشت پسند ہوگا۔''

''کون؟''

''فرانسیسی''

''انتہائی احمقانہ خیال ہے۔ یہ تو حادثہ ہے۔ ریلوے لائن کہیں سے ڈھیلی ہوگئی اور گاڑی پٹڑی سے نیچے اتر گئی۔''

''جتنے منہ اتنی باتیں، لیکن یہ یقینی تھا کہ گاڑی جلدی نہ چلے گی۔ یہ صورت حال ڈی فورگ کو قبول نہ تھی۔ اس نے مادت کو پیدل چلنے پر آمادہ کیا۔ ''میرا ٹخنا شدید درد کر رہا ہے۔ لانڈو کوئی دور نہیں، ہم صبح ہونے تک وہاں پہنچ کر گاڑی پکڑ لیں گے۔''

وہ دونوں طوفان باد و باراں میں نکل کھڑے ہوئے۔ منزل کا پتہ تھا نہ راستوں کا علم، ڈی فورگ کے سر پر ایک ہی جنون سوار تھا، بس حرکت کرتے رہو۔

مادت لنگڑا لنگڑا کر قدم اٹھاتا رہا۔ رفتار انتہائی سست تھی۔ ڈی فورگ نے تنگ آ کر کہا: ''کیا تم تیز نہیں چل سکتے؟''

''میں مقدور بھر کوشش کر رہا ہوں۔'' مادت نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''ایسے کام نہ چلے گا۔ کیا تم چاہتے ہو، یہاں بیٹھ کر انتظار کرو۔ فرشتے آئیں اور تمہیں اسٹیشن تک اڑا کر لے جائیں۔''

''مجھ سے نہیں چلا جاتا۔''

''نہیں چلا جاتا..... کیا مطلب؟''

''میں تمہاری رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ بارش کی وجہ سے میرے زخمی ٹخنے میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی ہیں۔ کیا تمہاری آنکھیں نہیں؟'' سر میں بھیجا نہیں؟ سمجھتے نہیں۔'' مادت نے ایک سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

''ہونا اخبار نویس۔ انٹلیکچوئل بننا آسان ہے اور زندگی کے خطرات کا چیلنج قبول کرنا اور بات۔'' ڈی فورگ نے فقرہ چست کیا۔

''کوئی حد ہوتی ہے۔'' مادت نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''اب میں یہاں بیٹھ جاؤں گا اور ایک قدم آگے نہ چلوں گا۔''

''بے وقوف! ایک بار بیٹھ گئے، تو ٹخنہ بالکل سن ہو جائے گا۔ پھر کبھی اٹھنے کا تصور نہ کر سکو گے۔ تم سمجھتے ہو میں زیادتی کر کے خوش ہوتا ہوں۔ مجھے تمہاری بھلائی کی فکر ہے۔''

''بھاڑ میں جائے تمہاری یہ فکر۔'' مادت نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تم جانو اور تمہارا کا، یہ لو اپنا چاقو اور میری جان چھوڑو۔ جہاں چاہے جاؤ۔''

''ڈی فورگ نے لمبا سانس کھینچ کر کہا: ''چاقو رکھو اپنے پاس۔'' وہ اپنے قدموں پر مڑا اور بارش میں غائب ہوتا چلا گیا۔ مادت ن ے اسے جاتا دیکھ کر زور سے کہا: ''کیتا کا بچہ! حرامی۔'' اس کی آنکھوں سے بے چارگی کے آنسو رواں دواں تھے۔ وہ تنہا رہ گیا تھا اور اپنی تنہائی کو شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ سائیں سائیں ہوا چلتی رہی۔ بادلوں نے موسلا دھار بارش جاری رکھی۔ مادت کے کپڑے جسم سے چپک گئے۔ سردی اس کی ہڈیوں میں سرایت کر رہی تھی۔

پندرہ منٹ اسی کیفیت میں گزر گئے۔ اچانک بھاری بوٹوں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ڈی فورگ ایک بلند و بالا چٹان کی مانند اس پر جھکا ہوا تھا۔

''آؤ چلیں۔'' ڈی فورگ نے نرم لہجے میں کہا اور ہاتھ کے سہارے اسے اٹھنے میں مدد دی۔ جرنیل پہلے سے بدل گیا تھا۔ اس کی درشتی یکا یک غائب ہو چکی تھی۔ مادت نے اپنے ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ لئے اور آہستہ آہستہ وہ نامعلوم منزل کی طرف قدم اٹھانے لگے۔ ایک بلند ٹیلہ عبور کرنے کے بعد ان کے سامنے ایک وسیع میدان تھا۔ رات کا دھندلکا چھٹ رہا تھا اور صبح کی مدھم روشنی میں انہیں دور افق تک کوئی آبادی نظر نہ آئی۔ لانڈو کا کہیں کوئی نشان نہ تھا۔

انہیں پیچھے سے ایک بیل گاڑی آتی دکھائی دی۔ اس پر صرف ایک عورت سوار تھی اور وہی بیلوں کو ہانک رہی تھی۔ قریب پہنچ کر اس نے کہا: ''گاڑی پر سوار ہو جاؤ۔ کہاں جانا ہے؟''

''ہمیں لانڈو پہنچنا ہے۔ کتنا فاصلہ باقی ہے؟''

''پندرہ کلومیٹر، مگم تم غلط سمت جا رہے ہو۔''

''کیا یہاں سے کوئی بس نہ ملے گی؟''

''اس وقت تو نہیں، میرے ساتھ گھر چلو۔ اپنے کپڑے خشک کرلو۔ بدن کو گرم گرم چائے سے حدت پہنچاؤ۔ پھر میں تمہیں بس پر سوار کرادوں گی۔''

وہ اس کے ساتھ ہولئے اور تھوڑی دیر بعد ایک بہت بڑی حویلی میں پہنچ گئے۔ خلاف توقع وہاں کوئی متنفس دکھائی نہ دیا۔ عورت نے انہیں چائے پلائی اور پھر دوسری منزل پر الگ الگ کمروں میں بستر لگا دیئے، تاکہ وہ دوبارہ سفر شروع کرنے سے پہلے اعصاب کو سکون پہنچالیں۔ ڈی فورگ فوراً بستر میں گھس گیا اور عورت کے سامنے آنے سے گریز کرتا رہا۔ صرف مادت نیچے آتا اور گرم پانی سے پاؤں سے سہلاتا، آہستہ آہستہ اس کی تکلیف کم ہورہی تھی۔

پورا دن اور اگلی رات انہوں نے وہیں گزاری۔ دوسرے دن صبح سویرے مادت ناشتے کے لئے نیچے اترا، تو عورت نے پوچھا: ''تمہارا ساتھی کون ہے؟ نیچے ہی نہیں اترتا۔''

''اس کی طبیعت خراب ہے اور وہ ابھی تک بستر میں ہے۔'' مادت نے جواب دیا۔

''وہ کیا کام کرتا ہے؟''

''تمہارا کیا اندازہ ہے؟''

''وہ باوقار سا لگتا ہے۔ میرا اندازہ ہے، کوئی ڈپلومیٹ، سرجن یا اسپیشلسٹ ہے، ممکن ہے جرنیل ہو، لیکن جرنیل سادہ کپڑوں میں راتوں کو بھٹکتے کبھی نہیں دیکھے۔''

''وہ ریشم کا کاروبار کرتا ہے۔''

''اچھا، مگر وہ کچھ زیادہ ہی اہم شخصیت دکھائی دیتا ہے۔ خیر، ریشم کا سوداگر ہونا بھی بری بات نہیں۔''

پھر وہ ناشتے کے تکلفات میں میں مگن ہوگئے۔ ڈی فورگ کے لئے کمرے ہی میں بھیج دیا گیا۔ ابھی وہ ناشتہ کررہے تھے کہ ریڈیو سے خبریں نشر ہونے لگیں، بمباری فضائی معرکے، روسی محاذ پر فتوحات، ایسی خبروں سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن اناؤنسر کی گرجدار آواز نے اگلے ہی لمحے جو کچھ کہا، اسے سن کر مادت کا سر چکرا گیا..... ڈی فورگ نامی فرانسیسی جرنیل مفرور ہے..... دو لاکھ روپے انعام، چھ فٹ تین انچ

قت، بھوری مونچھیں..... تین آدمی قتل کر کے لانڈو کے قریب گاڑی سے اتر گیا..... بارودی سرنگ..... دہشت پسند.....

مادت کے پسینے چھوٹ رہے تھے اور اس کی نظریں عورت کے چہرے پر گڑی تھیں تا کہ اس کے تاثرات کا پتا چلا سکیں۔

عورت نے اسے اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھا، تو مسکرا کر پوچھا: ''اگر تم اس گاڑی پر موجود تھے، تو یہ سب کارستانی تمہاری ہے۔ تمہی دہشت پسند ہو۔''

''اوہ!'' مادت کے منہ سے صرف یہی نکل سکا۔

''اور تم تین جانیں ضائع کرنے کے بعد وہاں سے بھاگ نکلے۔'' عورت نے بات جاری رکھی۔ ''یہ سارا معاملہ مشکوک نظر آتا ہے اور دو دہشت پسندوں کو پناہ دینے کے جرم میں مجھے گولی ماری جا سکتی ہے۔''

''بالکل۔'' مادت نے لطیف مزاح پیدا کرنے کے لئے کہا۔

''بہر حال، اب کیا کیا جائے..... میرے اندر بھی فرانسیسی خون دوڑ رہا ہے۔ میں تمہیں پناہ دینے پر مجبور ہوں۔ جرمنوں نے میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ پہلے میرے بیٹوں کو فوجی خدمت کے لئے جبراً لے گئے، پھر خاوند سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی۔ کئی برس سے میں تن تنہا دنیا کے نشیب و فراز کا سامنا کر رہی ہوں۔ میری زندگی خالی خولی ہے۔ باہر کھیتوں میں کام کرتی ہوں، توجہ بٹ جاتی ہے، ورنہ اس گھر میں آج دو مردوں کی شکل دیکھی ہے۔ تم اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جاؤ گے، تو کون جانے پھر یہاں کوئی قدم رکھے یا نہیں۔ میری دنیا ویران ہی رہے۔''

مادت نے خاصی دیر تک اسے فلسفیانہ باتوں میں الجھائے رکھا اور یوں وقتی طور پر بلا ٹل گئی۔ آخر میں اس نے پوچھا: ''کیا ہمیں اب جانے کی اجازت ہے؟''

''بالکل نہیں، تمہارا ساتھی بھی بیمار ہے اور تمہیں بھی مزید آرام کی ضرورت..... ایک رات اور بسر کر لو، کل صبح میں تمہیں بس سٹاپ پر لے جاؤں گی۔''

مادت نے اوپر جا کر ڈی فورگ کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ ''اس عورت کو ہمارے بارے میں شک پڑ گیا ہے، لیکن ممکن ہے راز افشا نہ کرے۔ یہ یقینی بات نہیں، محض اندازہ ہے، ہمیں چوکس رہنا ہو گا۔''

اگلی صبح چائے کی ایک ایک پیالی نوش کرنے کے بعد وہ بیل گاڑی میں سوار ہوئے اور عورت انہیں کچھ فاصلے پر بس اسٹاپ کی طرف لے چلی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ گئے۔ پہلی بس آنے میں ابھی دیر تھی۔ ڈی فورگ جان بوجھ کر دور کھڑا ہو گیا۔ مادت اور عورت باتیں کرنے لگے۔

''میں یہ دو دن فراموش نہ کروں گا۔'' عورت نے کہا۔

''ہمیں بھی تمہارا سلوک کبھی نہ بھولے گا۔'' مادت نے جواب دیا۔

عورت نے اپنی آنکھوں کے کونے سے دیکھا کہ بس آ رہی ہے۔

''ایک بات اور ہے۔'' اس نے تیزی سے کہا: ''میں جانتی ہوں۔''

''تم کیا جانتی ہو؟.....'' مادت نے گھبرائے سے لہجے میں پوچھا۔

''یہ کہ تم کون ہو.....؟''

مادت کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''آج صبح ساری صورت حال مجھ پر واضح ہو گئی کہ تم خوفناک طوفان میں کیوں مارے مارے پھرتے تھے۔ تم جلد بازی کا مظاہرہ لانڈو جانے کے لئے نہیں، بلکہ فرانس پہنچنے کے لئے کر رہے ہو، تم نے اپنا نام بتایا، نہ میرا پوچھا، اس لئے کہ میں جواب میں تمہارا نام دریافت کرتی۔''

''سو!'' مادت نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

عورت تنک کر پرے ہٹ گئی۔ ''تمہیں یہ گھناؤنا کام نہیں کرنا چاہئے تھا..... بالکل نہیں، گاڑی کو بم سے اڑانا..... معصوم لوگوں کی جان لینا..... وہ لوگ جنہیں تم جانتے ہی نہیں، عورتیں، بچے اور بیمار..... یہ قتل ہے وحشیانہ قتل۔''

مادت کی آنکھوں میں مسکراہٹ جھلک رہی تھی، لیکن اس میں گھبراہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔ اس

وقت تک بس وہاں رک چکی تھی۔ لوگ سوار ہو رہے تھے۔ ڈی فورگ بھی سیٹ سنبھال چکا تھا، مگر مادت اس شش و پنج میں تھا کہ عورت کو کسی طرح اپنی معصومیت کا یقین دلائے۔

''ہم گاڑی کو کس طرح اڑا سکتے تھے۔ ہم تو اس میں سوار تھے۔''

''تو پھر تمہیں آدھی رات کو شدید بارش میں اس سے اترنے کی کیا ضرورت تھی؟ ساری رات تم کیوں بھٹکتے پھرے؟''

''میں نے تمہیں بتا دیا ہے.....''

''میں جانتی ہوں۔'' عورت نے کہا۔ ''بس چلنے والی ہے اور اگر بحفاظت فرانس پہنچنا چاہتے ہو، تو جلدی اس میں سوار ہو جاؤ۔''

خدا خدا کر کے جان بچی اور مادت دوڑ کر بس میں سوار ہو گیا۔ اس اثناء میں ڈی فورگ اندازہ لگا چکا تھا کہ ان کے درمیان تو تو میں میں کیوں ہو رہی ہے۔ اب انہیں یہ اندیشہ تھا۔ عورت پولیس کو خبردار کر دے گی اور جونہی وہ لانڈو میں بس سے اتریں گے، پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔

وہ خیالات کی رو میں بہتا رہا۔ بس لانڈو کے اڈے پر ٹھہر چکی تھی۔ دور و نزدیک کسی پولیس مین یا فوجی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ سیدھے اسٹیشن پہنچے اور گاڑیوں کی آمد و رفت کا شیڈول دیکھا۔

''ہماری قسمت تبدیل ہو رہی ہے۔'' ڈی فورگ نے کہا: ''پہلی بار ہمیں گاڑی کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔'' ٹھیک دس منٹ بعد، آٹھ بجے گاڑی سٹرابرگ جا رہی تھی۔

جب وہ گاڑی میں سوار ہوئے، تو زیادہ رش نہ تھا، مگر جرمنی اور السا ک کے درمیان قصبے دسمبرگ میں یہ پوری طرح بھر گئی۔ ایک فربہ آلیشن عورت ڈی فورگ کے قریب بیٹھ گئی اور آتے ہی اسے گھورنا شروع کر دیا..... ڈی فورگ نے کسی جرمن اخبار میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ عورت نے اپنے خاوند کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔ ''ایہہ! دیکھو یہ شخص چپ چاپ بیٹھا ہے۔ اس کا چہرہ مہرہ فرانسیسیوں جیسا ہے۔ بڑا پراسرار سا آدمی ہے۔''

ڈی فورگ اخبار کی آڑ میں مسکرا دیا اور پھر اس جوڑے کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

انہوں نے جھینپ کر منہ دوسری طرف کر لیا۔ چلتی گاڑی میں پولیس نے کوئی تلاشی نہ لی۔ پونے گیارہ بجے گاڑی سٹرابرگ چلی گئی، لیکن پروگرام کے مطابق رائبر وہاں موجود نہ تھا اور وہ ہوتا بھی کیوں؟ یہ خاصے ہو چکے تھے اور پھر اس کی ذمہ داری میں بھی یہ شامل نہ تھا کہ ہر گاڑی کی راہ تکتا رہے۔

''مل ہاؤس میں کسی کا ایڈریس میرے پاس ہے۔'' مادت نے کہا: ''شاید رائبر ہمیں لے جاتا۔ اب ہم خود اس ایڈریس پر پہنچ جاتے ہیں۔''

مل ہاؤس کی گاڑی آدھ گھنٹہ بعد روانہ ہونے والی تھی۔ مادت نے پلیٹ فارم پر انتظار شروع کیا اور تازہ اخبار خرید لیا۔ ڈی فورگ کے فرار کی خبر اب بھی نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ صرف اس تنبیہ کا افاضہ تھا کہ مفرور جرنیل مسلسل موت کے بھیانک غار کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ گسٹاپو اور ایس ایس پولیس کے خصوصی دستے اس کی گرفتاری پر مامور کر دیئے گئے ہیں۔ بہتر یہ ہے وہ خود اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دے، ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ مزید برآں نصف درجن کے قریب مشتبہ لوگ پکڑے گئے لیکن جرمنوں کی اصل مراد بر نہ آئی۔

ڈی فورگ وقت گزارنے کے لئے اسٹیشن کے باہر ایسی جگہ چہل قدمی کرنے لگا، جہاں اس پر بہت کم نظر پڑ سکتی تھی۔ وہ امریکی تجویز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا وہ اسی مقصد کے لئے پیدا ہوا تھا اور عظیم کام سرانجام دینے کا وقت قریب آ رہا ہے۔

گاڑی کا وقت ہوا، تو وہ پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ اس نے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خریدا اور مادت نے سکینڈ کا، گاڑی برلن کی طرف سے آئی۔ مادت جلدی سے اپنے ڈبے میں سوار ہو گیا..... ڈی فورگ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا، ایس ایس کا ایک اسکواڈ ڈبے کے اندر مسافروں کی جانچ پڑتال کر رہا ہے۔ اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔

چیکنگ ختم ہو گئی اور ایس ایس اسکواڈ نے ڈبہ خالی کر دیا، تو ڈی فورگ دوڑ کر سوار ہو گیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور بدن سے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ ہر آن یہی خطرہ لاحق تھا کہ کسی سپاہی کی نظر اس کے مخصوص لانبے قد پر پڑ گئی، تو وہ اسے ہتھکڑیاں پہنا دیں گے۔

گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی اور ڈی فورگ کی جان میں جان آئی، لیکن سکون کی یہ حالت زیادہ دیر برقرار نہ رہی۔ جونہی گاڑی سلسٹے کے اسٹیشن میں داخل ہوئی، اس نے دیکھا، ایس ایس پولیس کا ایک اور دستہ پلیٹ فارم پر چاق چوبند کھڑا ہے۔ ڈی فورگ کا ہاتھ خود بخود سوٹ کیس کی طرف بڑھا..... ٹرین رکتے ہی ڈبے کے آخری دروازے سے ایس ایس پولیس اندر داخل ہوئی اور عین اسی لمحے ڈی فورگ ڈبے کے دوسرے دروازے سے نیچے اتر کر پلیٹ فارم پر ہجوم میں کھو گیا۔ مادت اگلے ڈبے میں کھڑکی کے پاس بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ نظروں ہی نظروں میں ڈی فورگ نے اسے خطرے سے آگاہ کر دیا۔ گاڑی کا اسٹاپ بڑا مختصر سا تھا۔ انجن نے سیٹی دی اور حرکت شروع کر دی۔ ڈی فورگ کے ڈبے میں ابھی تک پولیس موجود تھی اور سوار ہونا بھیانک نتائج مرتب کرتا۔ مادت نے اس کے لبوں کی جنبش سے پڑھ لیا۔ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

میں دوسری گاڑی پر آؤں گا۔ ڈی فورگ نے یہی کہا تھا۔

گاڑی آہستہ آہستہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ تنہا رہ گیا تھا، لیکن اسے ذرا افسوس نہ تھا..... اس نے گاڑیوں کا شیڈول دیکھا، دو بجے والی گاڑی کی روانگی منسوخ کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد ساڑھے آٹھ بجے شام گاڑی چلے گی جو اسے مل ہاؤس میں رات کے گیارہ بجے پہنچائے گی۔

قسمت ایک بار پھر اس کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ ناچار اس نے سارا دن سلسٹے میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اپنا سوٹ کیس اسٹیشن پر جمع کرا دیا اور چھوٹے سے قصبے کی راہ لی، جس سے وہ اچھی طرح آشنا تھا۔ یہ فرانسیسی قصبہ تھا جو اب سواسیتکا کے منحوس سائے تلے دم توڑ رہا تھا، لیکن لوگوں نے عمومی دلچسپی برقرار رکھنے کی ترکیبیں نکال لی تھیں۔ قصبے کے چھوٹے سے اسٹیشن میں فٹ بال میچ ہو رہا تھا۔ وہ ٹہلتا ٹہلتا وہاں جا نکلا۔ کھوے سے کھوا چلنے والی کیفیت تھی۔ اسے بہترین مشغلہ میسر آ گیا تھا۔ علاوہ ازیں وہ میچ سے بے حد محظوظ ہو رہا تھا، لیکن تھوڑی دیر بعد کوئی شخص بلائے ناگہانی کی طرح اسے گھورنے لگا۔ ڈی فورگ اس کی طرف دیکھتا، تو وہ اپنا منہ دوسری طرف کر لیتا، یہ میچ کے تماشے میں محو ہوتا، تو وہ پھر نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیتا۔

میچ ختم ہوا، ڈی فورگ نے نکلنے کی جلدی کی۔ وہ شخص بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ ڈی فورگ ہجوم کو

پیرتا مختلف گلیوں سے ہوتا ایک سینما میں گھس گیا۔ باقی ماندہ وقت وہیں صرف کرنا چاہتا تھا۔ نیورزیل دکھائی گئی تو اس کی تصویر بھی پردہ اسکرین پر نمودار ہوئی۔ اس کے نیچے وہی تفصیلات درج تھیں۔ جو عموماً اخباروں میں چھپ رہی تھیں۔ شو کے اختتام پر وہ باہر نکلا تو سیدھا اسی آدمی کے ہاتھوں میں جا پھنسا، جو اسٹیڈیم سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والی بات تھی۔ بھاگنا ممکن نہ تھا۔

''تم بہت تیز نکلے۔ آخر میں نے تمہیں پکڑ ہی لیا۔'' اس شخص نے کہا۔

ڈی فورگ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا: ''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''کیا تم مجھے نہیں پہچانتے، ٹوٹو، تین سال قبل کینس میں اگست کا مہینہ تھا، جب ہماری ملاقات ہوئی۔''

''میں وہاں کبھی نہیں گیا۔''

''معاف کیجئے، پہچاننے میں غلطی ہوگئی''..... اس نے کہا اور رخصت ہوگیا..... ڈی فورگ دل ہی میں مسکراتا اسٹیشن کی طرف چل کھڑا ہوا، اس وقت وہاں ایس ایس پولیس موجود نہ تھی، گاڑی وقت پر آئی، وہ جلدی سے سوار ہوا۔ مل ہاؤس تک فاصلہ پلک جھپکنے میں گزر گیا۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ پلیٹ فارم پر تھا۔ یہاں بھی خوش قسمتی سے پولیس ہٹ چکی تھی، لیکن مادت بھی موجود نہ تھا، اسے صرف ایک ہی چہرہ آشنا دکھائی دیا اور وہ اس کا اپنا تھا۔ انتظار گاہ کی دیوار پر ایک پوسٹر چسپاں تھا۔ جس پر اس کی تصویر اور گرفتار کا اعلان تحریر تھا۔

اگرچہ مادت نے اسے بلانچرڈ کا بتایا ہوا ایڈریس دے دیا تھا، تاہم اس نے وہاں صبح سویرے جانے کا فیصلہ کیا۔ رات کے وقت گلیوں، بازاروں میں بھٹکتے ہوئے اسے آسانی سے گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ وہ پہلے جوانی کے زمانے میں ہوٹل ڈی لا یورپ میں قیام کر چکا تھا اور اسٹیشن کے قریب ہی تھا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا، ہوٹل کا نام تبدیل کر دیا گیا ہے۔ کاؤنٹر پر اس نے اپنے لئے کمرہ مانگا، تو کلرک نے خالی فارم اس کے آگے کر دیا: ''معاف فرمایئے، قواعد وضوابط کے مطابق یہ پر کروانے پڑتے ہیں۔''

ڈی فورگ نے فوراً محسوس کر لیا، یہ انداز گفتگو صرف اسی شخص کا ہو سکتا تھا، جو اپنے ہم قوم فرانسیسی

کو پہچان لے۔ اس نے جعلی نام سے فارم پر کر کے واپس دیا، تو کلرک نے کہا: ''پولیس صبح چھ بجے کاغذات چیک کرتی ہے، اگر آپ کہیں تو صبح جلدی جگا دوں گا۔''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے ویسے بھی صبح پانچ بجے والی گاڑی پکڑنی ہے۔ براہ کرم ضرور جگا دینا۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے میں گیا اور گہری نیند سو رہا۔ صبح پانچ بجے اسے جگا دیا گیا۔ ناشتہ کئے بغیر بل ادا کیا اور صبح کی خنکی میں باہر نکل کھڑا ہوا۔ مل ہاؤس کا قصبہ ابھی سویا پڑا تھا، اس نے کام پر جانے والی ایک لڑکی سے معلومات حاصل کیں۔ کوئی چھ بجے وہ اس کے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا، گھنٹی بجانے ہی والا کہ اندر سے ایک بوڑھی عورت نکلی۔ ایک اجنبی کو دیکھ کر سہم گئی۔

''مادام، معاف فرمایئے۔'' ڈی فورگ نے بڑی ملائمت سے کہا: ''میرا خیال ہے آپ لوگ کل شام سے کسی شخص کی آمد کا انتظار کر رہے ہوں گے؟''

''نہیں مجھے کچھ پتا نہیں۔'' عورت نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں کسی کا انتظار نہیں۔'' پھر اس نے غور سے ڈی فورگ کی طرف دیکھا اور بڑی سرعت سے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا: ''آؤ آؤ جلدی اندر آ جاؤ۔'' جب وہ دروازہ بند کر چکی، تو فرط مسرت سے کہنے لگی: ''اوہ! جنرل، یہ تم ہو۔ میری خوشی کا ٹھکانا نہیں۔ تمہارا دوست یہاں موجود ہے۔ ہمیں بڑی تشویش لاحق تھی۔ چلو میرے بیٹے، بلانچرڈ کی فکر بھی دور ہو جائے گی۔''

جلد ہی وہ مادت اور بلانچرڈ سے بغل گیر ہو رہا تھا۔ ڈی فورگ نے دل ہی دل میں سوچا، اب آخری مرحلے میں صرف سرحد پار کرنے کا دشوار کام باقی ہے۔

''تم جانتے ہو۔'' بانچرڈ نے کہا۔ ''ہمیں تمہارا تین دن قبل ہفتے کی صبح تک انتظار تھا۔ آج منگل ہے۔ ہم نے مقبوضہ فرانس میں سے فرار کی لائن منظم کر رکھی تھی۔ اب مایوس ہو سب انتظامات ختم کر دیئے گئے ہیں۔ ادھر جرمنوں نے سرحد کے چپے چپے پر گارڈ بٹھا دیئے ہیں۔ ہٹلر بذات خود اس آپریشن کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ پاگل سا ہو گیا ہے۔ ہر اجنبی سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔''

''اب کیا ارادے ہیں؟'' ڈی فورگ نے پوچھا۔

''بس چپکے بیٹھے رہو۔ معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے، تو یہاں سے نکلیں گے۔'' بانچرڈ نے جواب دیا۔

''ناممکن!'' ڈی فورگ بڑبڑایا۔ ''سوئٹزرلینڈ کی سرحد کا کیا حال ہے؟''

''وہاں بھی کڑے انتظامات ہیں۔'' بلانچرڈ نے جواب دیا۔ ''لیکن وہاں کوشش کر دیکھنی چاہئے۔''

''یاد رکھو، یہ اصل منصوبے سے انحراف ہوگا۔ معلوم نہیں پیچھے سے ہمیں اس کی منظوری ملتی ہے یا نہیں۔''

''ان کی پروامت کرو۔ اس وقت مسئلہ سرحد پار کرنا ہے۔'' ڈی فورگ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

بلانچرڈ ضروری انتظامات کے لئے باہر چلا گیا۔ کئی گھنٹے بعد واپس آیا، تو اس نے بتایا: ''بعض لوگ تمہیں ایک دو دن میں پار پہنچا دیں گے۔ تم ایک پادری کے مکان میں چھپے رہو گے اور وہ باقی کارروائی انجام دے لیں گے۔ پھر وہ تمہیں سرحد کے اور قریب ایک فارم پر پہنچا دیں گے۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ سرحد پار کرنے کا گا۔ زیادہ سے زیادہ اس پورے آپریشن پر اڑتالیس گھنٹے صرف ہوں گے۔''

ماوت نے کہا: ''میرا فرض یہ تھا جنرل کو بحفاظت تمہارے ہاتھوں میں دے دوں۔ میں اسے کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں۔ اب مجھے اجازت دو۔ میں تین بجے والی گاڑی سے لیان چلا جاؤں گا۔''

''آؤ ہمارے ساتھ۔'' بانچرڈ نے رائے دی۔ ''ہم جرنیل کو وہاں چھوڑ کر تمہیں واپس اسٹیشن پہنچا دیں گے۔'' وہ سیڈان کار میں بیٹھ گئے۔ بلانچرڈ اگلی سیٹ پر ڈرائیو کر رہا تھا۔ خصوصاً دو بجے سہ پہر، مختصر سے سفر کے دوران میں وہ کسی ناگہانی مصیبت کا تصور تک نہ کر سکتے تھے۔ دن بڑا خوشگوار تھا۔ سورج پوری طرح چمک رہا تھا۔ لوگ ابھی تک دوپہر کے کھانے میں مصروف نظر آتے تھے۔

سیاہ رنگ کی سیڈان، مل ہاؤس کے مرکز میں سے گزرتی باہر نہر کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ڈی فورگ، کار کے دبیز رنگ کے شیشوں میں سے لوگوں کی طرف دلچسپی سے دیکھتا، لیکن کوئی شخص اس کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔

جب گاڑی رو، ڈی پورٹ میں داخل ہو چکی، تو اب اس کا پیچھے مڑنا تقریباً ناممکن تھا۔ بلانچرڈ اور اس کے بھتیجے نے دیکھا کہ پچاس گز آگے پولیس نے گلی میں رکاوٹ کھڑی کر رکھی تھی۔

پولیس کا ایک بڑا ٹرک آدھی گلی روکے کھڑا تھا۔ ایس ایس کے چار پانچ مسلح سپاہی ہر قسم کی ٹریفک رکنے کا اشارہ کرتے اور سویلین کپڑوں میں ملبوس تین شخص راہ گیروں کے کاغذات کی جانچ پڑتال میں مشغول ہو جاتے۔ جونہی سیڈان اپنی چار سواریوں کے ساتھ رکاوٹ کے قریب پہنچی، ایک ایس ایس سپاہی نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ بلانچرڈ کے بھتیجے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس بے چارگی کے عالم میں اپنے چچا کی طرف دیکھا اور ساتھ ہی گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ بلانچرڈ نے سامنے گھور کر جائزہ لیا۔ سوچنے کے لئے زیادہ وقت نہ تھا۔ ایک دو سیکنڈ میں اس کے دماغ نے حتمی فیصلہ کر لیا۔ اس دوران میں پولیس کی رکاوٹ بہت کم فاصلے پر رہ گئی تھی۔

''تیزی سے نکلنے کی کرو۔'' بانچرڈ نے سرگوشی کے انداز میں بھتیجے کو حکم دیا۔ ''ان کے درمیان سے نکل چلو۔ اگر ہم ٹھہر گئے، تو کام تمام سمجھو۔''

سیڈان، مسلح سپاہیوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اس کی رفتار مزید کم ہو چکی تھی، رائفل بردار سپاہیوں نے اسے بڑی دلچسپی سے قریب آتے دیکھا۔ وہ پرسکون سے تھے، کبھی کوئی واقعہ رونما نہ ہوا تھا، لیکن انہونی بات وقوع پذیر ہو رہی تھی۔

''ان کے اوپر چڑھا دو۔'' بلانچرڈ نے سرگوشی کی۔ ایک لمحہ بعد اس نے اونچی آواز سے کہا: ''کار ان کے اوپر چڑھا دو۔

گاڑی اس وقت نچلے گیئر میں تھی۔ ایس ایس کے سپاہی صرف چند فٹ کے فاصلے پر رہ گئے۔ ڈرائیور نے آدھی گلی روکے ہوئے ٹرک کے قریب کار کو ایک طرف کر لیا..... مسلح سپاہی اس کے عزائم بھانپتے ہوئے بھاگ کر سامنے سے ہٹ گئے، لیکن ای سویلین، جسے فیصلہ کرنے میں دیر ہو گئی۔ کار کے مڈگارڈ سے ٹکرا گیا۔ ڈرائیور نے یکدم رفتار بڑھا دی۔ سویلین اس کے ساتھ لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا۔

سیڈان چیختی چلاتی سیٹیاں بجاتی، ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ بلانچرڈ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہا تھا:

''رفتار تیز کرو! اور تیز کرو۔'' پھر وہ سر گھما کر کہتا۔ ''سر نیچے کر لو۔'' رائفلوں کی گولیاں اولوں کی طرح سی سی کرتی ان کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ ان میں سے کچھ گولیاں تڑاخ تڑاخ کار کی باڈی سے ٹکرائیں۔ وقت تھم کر رہ گیا تھا۔ گولیاں..... وسیل..... انجن کا شور..... اور کار کے اندر موت کا سا سکوت..... چند سیکنڈوں نے کیسی قیامت خیز تبدیلیاں ظاہر کی تھیں۔

کار، بائیں طرف مڑ گئی۔ وہ گولیوں کی رینج سے نکل چکے تھے، لیکن ان کے جسم ابھی تک یقین نہ کر پائے تھے کہ وہ آگ کی اس بارش میں زندہ بچ سکیں گے۔ راہ گیر اس تیز رفتار کار کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتے۔ بعض غصے میں آ کر اس پر مکے لہراتے۔ سائیکلوں، کاروں اور دیگر ٹریفک کے قریب سے یہ زن سے آگے نکل جاتی۔ چاروں بالکل چپ چاپ تھے..... بانچرڈ کا بھتیجا اسٹیرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ مادت کے چہرے پر تناؤ تھا اور ڈی فورگ بھی ذہنی کشمکش میں گرفتار۔

''کدھر جا رہے ہو؟'' جرنیل نے پوچھا۔

کوئی جواب نہ ملا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے لڑکے نے کچھ سنا ہی نہیں۔ اچانک ڈی فورگ نے محسوس کیا۔ بلانچرڈ نے ابھی تک کوئی بات نہ کی، حالانکہ لڑکے کو راستہ بتانے کی ذمہ داری اس پر تھی۔

''میرے چچا کے گولی لگ چکی ہے۔'' لڑکے نے بالآخر سکوت توڑا۔

بلانچرڈ اپنی سیٹ سے ٹیک لگائے دروازے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ ڈی فورگ نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔ کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا اس نے نیم ایستادہ حالت میں بلانچرڈ کی کھلی، نیلی، مگر خالی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی جھولی خان سے بھی ہوئی تھی۔

''وہ مر چکا ہے۔'' ڈی فورگ نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں کار چھوڑ کر بھاگ جانا چاہئے۔'' اور پھر دبے لفظوں میں کہا۔ ''اور لاش کو بھی۔''

سیڈان اس وقت رو، ڈی سٹرابرگ پر بے تحاشا رفتار پر دوڑ رہی تھی۔ ایک عورت نے سڑک عبور کرتے ہوئے اسے دیکھا، تو وہ خوف سے جم کر رہ گئی۔ لڑکے نے اسے بچانے کے لئے اسٹیرنگ بائیں طرف تیزی سے گھمایا، ساتھ ہی بریکوں پر پاؤں رکھا۔ ٹائروں کی رگڑ سے عجیب سا شور اٹھا۔ ایک ٹرک

بائیں طرف کی بغلی گلی سے برآمد ہوا۔ لڑکے نے کار کو دائیں طرف موڑنے کی کوشش کی اور وہ کنٹرول کھو بیٹھا۔ کار بے قابو ہو کر لوہے کے کھمبے سے جا ٹکرائی۔ ریڈی ایٹر دہرا ہو گیا۔ بلانچرڈ کی لاش کو جو دھچکا لگا، تو وہ قدرے بائیں طرف لڑھک گئی۔ اس کی خالی خولی آنکھیں سوالیہ انداز میں اپنے بھتیجے پر گڑی تھیں۔ ڈی فورگ اور مادت کود کر باہر نکل آئے۔ ایک ہجوم جائے حادثہ پر جمع ہونے لگا۔

''باہر نکلو۔'' ڈی فورگ نے چلا کر کہا۔

''میرا چچا!'' لڑکے کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

'اسے چھوڑ دو، وہ مر چکا ہے، اگر رک گئے، تو ہماری حالت بھی یہی ہوگی۔'' مادت نے گلا پھاڑا۔

لڑکا باہر نکل آیا، ہجوم نے اسے گھور کر دیکھا۔ اس اثنا میں مادت اور ڈی فور ہاں سے چل دیئے تھے۔ لڑکا بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ کچھ لوگوں نے پوچھا: ''کہاں جا رہے ہو؟''

مادت نے تیزی سے جواب دیا: ''ہم پولیس کو اطلاع دینے جا رہے ہیں؟''

پہلا موڑ مڑتے ہی ان کا سامنا ایک پولیس مین سے ہو گیا۔ اس نے انہیں تیزی میں دیکھ کر پوچھا: ''کیا معاملہ ہے؟''

''حادثہ ہو گیا ہے۔'' ڈی فورگ نے پھرتی سے جواب دیا۔ ''تمہیں وہاں جلدی پہنچنا چاہئے۔ ایک آدمی کی حالت نازک ہے؟''

سپاہی نے ان کا شکریہ ادا کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا جائے حادثہ کی طرف چلا گیا۔ مادت نے لڑکے سے دریافت کیا: ''کیا تم یہاں کسی کو جانتے ہو؟''

''ہرگز نہیں، میں آج پہلی بار ادھر آیا ہوں۔''

ڈی فورگ اور مادت نے تشویش سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، تاہم وہ ادھر ادھر گلیوں میں حرکت کرتے رہے۔ اچانک مادت رک گیا۔ ''یہ گلی میری دیکھی بھالی ہے۔ ہم ایک مکان میں پناہ حاصل کر سکتے ہیں۔''

ڈی فورگ کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ ''بہت اچھا، ہم وہیں چلیں گے۔'' پھر لڑکے کی طرف

مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ''اب ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہو جانا چاہئے، کیونکہ وہ تین آدمیوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ تم کہاں جاؤ گے؟''

''گھر!!''

''اس کے علاوہ کہیں بھی چلے جاؤ، وہ تمہیں سب سے پہلے وہیں تلاش کریں گے۔ ممکن ہے گاڑی کے کاغذات، لائسنس وغیرہ دیکھ کر پہنچ ہی چکے ہوں۔ اچھا، خدا حافظ!''

لڑکے کی آنکھوں میں آنسو جھلمل کرنے لگے۔

''حوصلے سے کام لو۔'' مادت نے کہا۔ ''اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔'' راستے جدا ہو گئے تھے۔

پھر مادت اور ڈی فورگ، مونیکا کے گھر کی طرف چل دیئے..... مونیکا! اس نام سے مادت کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ڈی فورگ نے پوچھا۔

مادت نے ساری تفصیل بتائی۔ اسے کچھ اندازہ نہ تھا، مونیکا ان سے کس طرح پیش آئے گی۔ باقی راستہ وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ مادت نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ دو بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے۔ سڑک کی رکاوٹ عبور کئے صرف آدھ گھنٹہ ہوا تھا۔ اس مختصر سے وقت نے کیا کیا کرشمے دکھائے تھے اور ابھی کیا کچھ دیکھنا باقی تھا۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے۔ پہلے کی طرح نسوانی جوتے کی کھٹاک دروازے کی طرف بڑھی، دروازہ کھلا، مونیکا کے چہرے پر اب بھی حیرت کے آثار جھلک رہے تھے۔ یہ منظر اس فلم کی مانند تھا جسے مادت دوبارہ دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا حیران نہ ہوا۔ مونیکا کو ایک طرف دھکیل کر آگے بڑھا، کیونکہ جانتا تھا اس بار وہ اسے خوش آمدید نہیں کہہ سکتی۔ ڈی فورگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ مونیکا فوراً سمجھ گئی وہ کون ہے۔ دروازہ اچھی طرح بند بھی نہ ہو پایا تھا کہ اس نے بھوکی بلی کی طرح کہا: نکل جاؤ۔ تم یہاں ہرگز نہیں ٹھہر سکتے۔''

''ہم نہیں جائیں گے۔'' مادت نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''ہمارے لئے اور کوئی جائے پناہ نہیں۔''

مونیکا کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا: تمہیں ہرگز یہاں ٹھہرنے کی توقع نہیں کرنا چاہئے تھی۔ تم دونوں یہاں قیام نہیں کر سکتے۔

''بات تو سنو۔ ہمارے سامنے کوئی متبادل راستہ نہیں۔'' مادت نے نرمی سے کہا۔

مونیکا کا غصہ انتہا پر تھا۔ ''میں جانتی تھی یہ تمہی ہو، اس وقت سے جانتی ہوں، جب پہلے پہل میں نے ریڈیو پر خبر سنی، جب میں نے اخباروں میں پڑھا، لیکن میں یہ تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ تم اسے یہاں لے آؤ گے۔''

''ہمیں مجبوراً یہاں آنا پڑا۔''

''اپنی زندگی تو داؤ پر لگا رکھی ہے، دوسروں کو خواہ مخواہ کیوں گھسیٹتے ہو۔'' اس کی آواز بے قابو ہو گئی تھی۔ ''کہیں اور جاؤ، شام کو میرے مہمان آ رہے ہیں۔''

''ان کی آمد منسوخ کر دو۔''

''میں انہیں نہیں روک سکتی۔'' اچانک غصے کی بجائے اس کی آواز گھمبیر ہو گئی۔ ''میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ملوث نہیں ہونا چاہتی۔ تم جانتے ہو، وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے اور سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہو گا۔'' وہ شاخ نازک کی مانند تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''تم سمجھتی کیوں نہیں۔ ہم باہر گلی میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ وہ ہمیں پکڑ لیں گے۔''

''پھر میں کیا کروں؟ تمہیں باہر نکلنا پڑے گا۔ ابھی نکلو..... ابھی.....''

مادت اور ڈی فورگ نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے جال میں پھنسے ہوئے جانور کوئی حل تلاش کرنا چاہتے ہوں۔

''ٹھیک ہے۔'' اس کا لہجہ یکدم بدل گیا۔ ''تم نے یہاں ٹھہرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے، تو میں چلی۔'' اور وہ دروازے کی طرف لپکی۔

مادت نے اس کا راستہ روک لیا۔ ''بے وقوف نہ بنو۔''

وہ مادت کے سامنے لرزاں و ترساں کھی مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔ گھورتی ہوئی فراخ آنکھیں، تیز تیز سانس، اس زندہ بم کی طرح جو پھٹنے کے لئے قوت مجتمع کر رہا ہو۔

''میں چیخنے لگوں گی۔'' اس نے کہا۔ ''تم نہیں جاؤ گے، تو میں زور سے زور سے چیخوں گی۔''

لمحہ وہ لمحہ تھا، جس کا ڈی فورگ کو انتظار تھا۔ وہ فوراً حرکت میں آیا اور لڑکی کو دبوچ لیا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا، ہاتھ پیر جکڑ کر اسے فرش پر پٹخ دیا۔ وہ ایسی چڑیا کی مانند تھی جسے بھوننے کے لئے تیار کیا جا رہا ہو۔ پھر وہ مادت کو ایک طرف لے گیا اور اس کے کان کہنے لگا: ''ہمیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ یہ لڑکی مصیبت بن گئی ہے۔ اس کا کام تمام کرنا پڑے گا۔''

''تمہاری پرواز فکر تو بس اتنی ہے۔'' مادت جھنجھلا گیا۔ پھر اس نے دیکھا کہ مونیکا اسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی ہے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اس نے اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔

رسیاں کھول دو۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ مونیکا نے کہا۔

مادت نے ڈی فورگ کی طرف دیکھا اور رسیاں کھول دیں۔ مونیکا نے اپنے جوڑ سہلاتے ہوئے کہا: ؟؟ میں ایک جگہ بتائے دیتی ہوں، جہاں رات بھر ٹھہر سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے۔'' مادت نے جواب دیا۔ ''وہ جگہ کہاں ہے؟''

''پچیس کلومیرٹ دور، سرحد سے صرف ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تنہا جھونپڑی ہے۔ اس کے عقبی دروازے کی گنجی چٹائی کے نیچے ہوگی۔''

''اس کا مالک کون ہے؟'' مادت نے پوچھا۔

مونیکا جھینپ سی گئی۔ ''میرا ایک دوست ہے۔ آج بھی وہ یہاں ہے۔ شام کو آئے گا اور صبح وہاں چلا جائے گا۔ اس کے جانے سے پہلے پہلے تم جھونپڑی خالی کر دینا۔''

''اونہہ! کبھی نام نہیں لیا اس کا۔'' مادت نے حسد سے جلتے ہوئے کہا۔

''ہم وہاں جائیں کیسے؟'' ڈی فورگ نے پوچھا۔

''بس اس وقت ملنی مشکل ہے۔ ہم دونوں سائیکلوں پر جایا کرتے ہیں۔''

''ہم بھی یہی سائیکل استعمال کریں گے۔''

''لیکن.....''

''لیکن.....لیکن کیا؟ کہ دینا چوری ہو گئے ہیں۔'' ڈی فورگ نے کہا۔

مونیکا اس وقت پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھی اس نے مزید نتائج وعواقب پر غور کئے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا راستے میں چیکنگ تو نہیں ہوتی؟'' مادت نے استفسار کیا۔

''ہمیں تو کبھی کسی نے نہیں روکا۔ کوئی پوچھے بھی تو کہنا آرنڈ کے فارم سے مکھن، گھی، انڈے وغیرہ لینے جا رہے ہیں، وہ ادھر قریب ہی ہے اور بڑا مشہور ہے، لیکن یاد رکھو میرا حوالہ کہیں نہ دینا۔ سارا کام اپنی ذمہ داری پر کرو گے؟''

''ہاں ایسا ہی ہوگا۔'' ڈی فورگ نے کہا، لیکن پھر لہجے میں تیکھا پن لاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''اگر گسٹاپو نے ہمارا پیچھا کیا، تو ہمیں سمجھیں گے تم نے اسے اطلاع دی اور پھر خود بھی نہ بچ سکو گی۔ آخر تم ہی ہماری مدد کر رہی ہو۔''

وہ دروازے کی طرف چل دیئے۔ مادت نے پیچھے مڑ کر کہا۔ ''بہر حال ہم شکر گزار ہیں۔''

اس ''بہر حال'' مونیکا کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی۔ اس نے جل بھن کر کہا: ''شکریہ کس بات کا۔ میں نے تمہاری کوئی مدد کی، تم سے چھٹکارا حاصل کر رہی ہوں۔''

انہوں نے نیچے سے سائیکلیں پکڑیں اور تیز تیز پیڈل مارنے لگے۔ ڈی فورگ نے راستے میں مادت سے کہا۔ ''اگر تمہاری دوست کبھی دعا مانگتی ہے، تو آج ضرور مانگے گی کہ ہماری رات خیر وخوبی سے بسر ہو جائے۔ اس میں خود اس کا اپنا بھلا ہے۔''

جلد ہی وہ آبادی سے نکل کر کھلی سڑک پر پہنچ گئے۔ ان دونوں کے درمیان آہستہ آہستہ فاصلہ حائل ہوتا گیا تا کہ شبہے کی صورت میں دونوں بیک وقت نہ پکڑ لئے جائیں۔..... سڑک پر زیادہ تر کسانوں کی آمد ورفت تھی۔ ٹوکریاں اٹھائے، کھیتوں میں کام میں مگن، اکا دکا عورتیں سبزیاں چنتی ہوئی۔ ان کے علاوہ ان کا

سامنا کسی نے نہ ہوا۔

طویل اور تھکا دینے والا سفر ختم ہوا۔ مونیکا کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے سیدھے اس جھونپڑی میں پہنچ گئے۔ دورازہ کھولا، باورچی خانے سے کھانے کو کچھ تلاش کیا اور پھر بستر میں گھس گئے۔ رات کی تاریکی میں انہوں نے مختلف باتیں کیں۔ زیادہ تر گفتگو ڈی فورگ ہی کرتا رہا۔ کبھی کبھار مادت بھی لقمہ دے دیتا۔ ڈی فورگ نے بلانچرڈ کو یاد کرتے ہوئے اسے خراج تحسین پیش کیا۔ پھر اسے کئی اور ساتھ یاد آتے چلے گئے جو اپنی جانیں مختلف جنگوں میں قربان کر چکے تھے۔ اسے انتہائی دکھ محسوس ہوتا کہ وہ لاشوں کے انبار پر زندہ ہے۔ جب کبھی اس کا کوئی دوست رخصت ہوا، تو اسے یہی لگا جیسے اس کا اپنا آپ کھو گیا ہو۔ اسے کچھ کمی کا احساس ہوتا۔

ڈی فورگ کے بارے میں مادت کا تصور یکلخت بدل گیا۔ وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ ان کے درمیان مختلف مراحل میں جو تلخیاں ابھری تھی، اس نے انہیں فراموش کر دیا۔ ڈی فورگ اس کی ذات میں یوں حلول کرتا چلا گیا جیسے سمندر کی لہر ساحل کی ریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

''کل مجھے آخری رکاوٹ عبور کرنی ہے۔'' ڈی فورگ نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارا از حد ممنون ہوں۔ تمہارے بغیر میں یہاں تک نہ پہنچتا۔ اب ہمیں سو جانا چاہئے۔ صبح انتہائی مشکل مرحلہ پیش ہوگا۔ آخری قدم، پہلے قدم کی مانند خطرناک ہوتا ہے۔'' وہ گہری نیند سو گیا، لیکن مادت دیر تک خیالات کی وادیوں میں بھٹکتا پھرا۔ پچھلے چند دنوں کے واقعات محرک فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے تھے۔

وہ جلدی بیدار ہو گئے۔ موسم بہار کی جاں فزاء صبح تھی۔ آسمان بادلوں سے صاف اور گہرے رنگ کا تھا۔ ''فضاء سازگار ہے۔'' ڈی فورگ نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ بارش کی صورت میں بھی وہ شاید یہی بات کہتا: بلکہ معقول دلیل کے ساتھ۔ یہ ڈی فورگ کی فطرت تھی۔ انہوں نے عقبی دروازے کا تالا لگایا اور چابی وہیں چٹائی کے نیچے رکھ دی۔ تھوڑی دور جا کر ڈی فورگ نے درختوں کے ایک جھنڈ میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا اور مادت کو قریبی گاؤں میں بھیجا تا کہ مونیکا کے بتائے ہوئے آدمیوں سے رہنمائی حاصل کر سکے۔

اس نے فارمر آرنڈ اور ایک حکیم وامر کا پتا دیا تھا۔ مادت، گاؤں میں پہنچا، تو دکانیں پوری طرح نہ کھلی تھیں۔ ایک ہاکر سے تازہ اخبار خرید کر کھیتوں کی طرف چل دیا اور ایک گھنے درخت تلے بیٹھ کر اس کا مطالعہ کرنے لگا۔

جنگ کی خبریں، روسی محاذ پر جرمنوں کی پیش قدمی، اوقیانوس میں اتحادی قافلے کی غرقابی، فضائی مقابلے میں ایک مقامی خبر کے مقابلے میں ثانوی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ اخبار نے شہ سرخیوں سے سیڈان کار کا واقعہ بیان کیا تھا جس میں چار پرابرار مسافر سوار تھے۔ انہوں نے پولیس کی رکاوٹ روند ڈالی۔ ایک آدمی موقع پر مر گیا۔ بلانچرڈ کوڈاکو اور دہشت پسند کی حیثیت سے شناخت کر لیا گیا۔ کار میں سے ملنے والے دو سوٹ کیس (جو مادت اور ڈی فورگ کی ملکیت تھے) انقلابی تحریروں سے بھرے ہوئے تھے۔ پولیس کے جا بجا چھاپوں کے باوجود کوئی مفرور گرفتار نہ ہو سکا۔ خبر سے یہ اشارہ نہ ملتا تھا کہ جرمن حکام نے کار کے حادثے کو ڈی فورگ سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ یہ جان کر مطمئن ہو گیا کہ بلانچرڈ کا بھتیجا پولیس کے ہتھے نہیں چڑھا۔

ڈی فورگ کے بارے میں ایک خبر اور بھی تھی۔ اس میں اندازے سے کہا گیا تھا کہ مفرور جرنیل اس وقت السا ک میں ہے۔ اگرچہ ساتھ ہی جرمنی کے بعض علاقوں میں اس کی موجودگی کی افواہیں بھی درج تھیں۔ آخر میں ڈی فورگ کو خبردار کیا گیا تھا کہ وہ حماقت سے باز آ جائے۔ سرحد، آہنی دیوار کی مانند مستحکم ہے اور اسے کوئی شگاف میسر نہ آئے گا۔

اس نے اخبار وہیں چھوڑ دیا اور واپس مارکیٹ پہنچ گیا۔ حکیم کی دکان کھل چکی تھی۔ اس نے سر درد کا بہانہ کر کے دوا طلب کی۔ ''میں تمہیں ایک خفیہ راستہ بتائے دیتا ہوں۔'' حکیم نے کھڑکی میں سے پہاڑیوں کی چوٹیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''اس پگڈنڈی پر چل کر تم وہاں پہنچ جاؤ گے۔ قریب ہی بائیں طرف ایک فارم ہاؤس دکھائی دے گا۔ جرمن گارڈ بس اسی کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ تم درختوں کی قطار کے ساتھ چلتے رہنا۔ دو تین سو گز مزید آگے چیل کا لمبا تڑنگا درخت کھڑا ہو گا۔ وہ سوئٹزرلینڈ کے اندر ہے۔ کوئی اور سرحدی نشانی نہیں ملتی۔ ہم بچپن سے اسی درخت کو حد فاصل سمجھتے آ رہے ہیں۔

درخت سے آگے ڈیڑھ دوسو گز کھلا میدان ہے۔ وہاں بھی تمہیں جرمن گارڈ دیکھ کر گولی مار سکتے ہیں۔ جب یہ میدان عبور کرلو اور آگے چوٹیوں کی آڑ میں پہنچ جاؤ، تو پھر اپنے آپ کو محفوظ تصور کرنا۔ یہاں سے گھنٹے دو گھنٹے کی مسافت ہے۔'' حکیم نے ہدایات مکمل کرتے ہوئے کہا: ''میں تمہاری خیریت کا دعا گو ہوں۔''

مادت دل ہی دل میں مسکراتا ڈی فورگ کی طرف چلا آیا۔ راستے میں اس نے روٹی اور کچھ ٹماٹر خرید لئے تا کہ وہ ایک بار سیر ہو کر کھانا کھالیں۔

''آو چلیں۔'' اس نے ڈی فورگ کے پاس پہنچ کر کہا: ''مجھے راستہ معلوم ہے۔'' وہ آگے آگے ہو لیا اور جرنیل تھوڑے سے فاصلے پر رہا۔ بل کھاتی پگڈنڈی عموداً پہاڑی پر چڑھ رہی تھی۔ اس کی چوڑائی بعض جگہوں پر اس قدر کم ہو جاتی کہ بمشکل ایک آدمی گزر سکتا۔ چڑھائی کی وجہ سے ان کا سانس پھول جاتا اور اور وہ اسے درست کرنے کے لئے بار ٹھہرتے۔ حکیم وامر نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ ایک خفیہ راستہ تھا۔ انہیں یہاں کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ بس اکا دکا لکڑہارے صرف اپنے کام میں مصروف تھے۔

انہیں وہ فارم ہاؤس بھی نظر آ گیا۔ وہاں چند سرحدی گارڈ ایک کسان عورت سے محو گفتگو تھے اب انتہائی احتیاط کی ضرورت تھی۔ وہ پگڈنڈی چھوڑ کر گھنے درختوں میں داخل ہو گئے اور کھلی جگہ کے متوازی تقریباً تن تنہا قد آور چیل کا درخت کھڑا تھا جس کی شاخیں نیلے آسمان کے آگے دعائیہ انداز میں جھکی ہوئی تھیں۔ یہ ایک درخت سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ اس کی مثال مینار روشنی کی سی تھی۔ جو منزل کا پتا بتا رہا ہو۔

''وہ ہے سوئٹزرلینڈ۔'' مادت نے سرگوشی کی۔

ڈی فورگ کا دل بلیوں اچھلنے لگا..... منزل مقصود قریب تھی..... وہ اس بندرگاہ کے قریب پہنچ چکا تھا جس کے دیدار کی خواہش دو سال سے اس کے دل میں مچل رہی تھی۔ اس نے مادت کو ریکی کرنے کے لئے بھیجا تا کہ پتا چلائے جرمن گارڈ کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ دو گھنٹے بعد واپس آ کر اس نے بتایا: ''جہاں تک جنگل چلا جاتا ہے، کارڈ موجود ہیں۔ میرا خیال ہے تمہیں رات کو سرحد پار کرنی چاہئے۔''

ڈی فورگ نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا: ''شکر ہے ان کے پاس کتے نہیں، ورنہ

میں کبھی پار نہ جا سکتا تھا۔'' پھر اس کی نے مادت کے پروگرام کے بارے میں استفسار کیا۔

''میں رات یہیں جنگل میں بسر کروں گا اور صبح ہوتے ہی گاؤں سے مل ہاؤس کی بس پکڑوں گا۔ وہاں گاڑی میں بیٹھ کر لیان چلا جاؤں گا۔ امید ہے کل رات مجھے اپنے بستر پر سونا نصیب ہوگا۔ میں باقی لوگوں کو تمہارے متعلق خبر کر دوں گا۔''

پھر وہ رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ ڈی فورگ اعصاب کو سکون پہنچانے کے لئے تھوڑی دیر سو گیا۔ مادت جاگتا رہا۔ اسے یوں لگا جیسے وقت ساکن ہو گیا ہو۔ ایک ایک لمحہ رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ اس کی زندگی کا سب سے ست رفتار دن یہی تھا۔

وقفوں کے ساتھ ان کے قرب سے گشتی دستہ گزرتا۔ اس وقت مادت اپنا سانس تک روک لیتا۔ سورج غروب ہوا، تو ڈی فورگ بیدار ہو گیا۔ اس وقت ایک گشتی دستہ ان سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔ ان کی گفتگو صاف سنائی دے رہی تھی:

''مجھے اس قسم کی ڈیوٹی سے نفرت ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''مجھے بھی یہ ہرگز پسند نہیں۔'' دوسرے نے رائے دی۔

''وہ یہاں سے سرحد پار نہیں کرے گا۔ نہ دن کو، نہ رات کو۔''

''ہاں، کبھی نہیں۔''

''وہ سوئٹزرلینڈ کیوں جائے، جب وہ سیدھا فرانس جا سکتا ہے،

''مجھ سے پوچھو، تو ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔ چھ گھنٹے ڈیوٹی، چھ گھنٹے آرام میری حالت تو مردوں سی ہو گئی ہے۔''

پھر وہ آگے بڑھ گئے۔

تاریکی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

''اب وقت آ گیا ہے۔'' ڈی فورگ نے کہا۔

انہوں نے ہاتھ ملائے۔ مادت کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ اس کا گلا کسی غیر مرئی قوت نے

دبوچ لیا تھا۔

''شکریہ! ڈی فورگ نے جنگل سے نکل کر آگے مرغزار میں رینگتے ہوئے کہا: ''انہیں میرے بارے میں بتا دینا اور کھ سے جلدی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنا۔''

آہستہ آہستہ مادت کی جذباتی کیفیت ختم ہوگئی۔ مشن پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ کامیابی نے ان کے قدم چومے تھے۔ وہ اب صرف چند منٹ مزید وہاں لیٹے رہنا چاہتا تھا تاکہ واپس مڑنے سے پہلے اطمینان کر لے، ڈی فورگ بخیریت سرحد پار کر گیا ہے۔

اس نے گردن اٹھا کر سامنے دیکھا۔ اچانک مرغزار کے اوپر تاریک رات، دن کی طرح منور ہوگئی۔ روشنی کی سفید لہر کھلی جگہ کی طرف بڑھ رہی تھی اور چیل کے درخت کے اوپر معلق ہوگئی۔

جرمن گارڈ متواتر روشنی کے گولے پھینک رہے تھے۔

مادت نے بڑبڑا کر اپنے آپ سے کہا: ''نہیں، نہیں، وہ اس پر فائر نہیں کر سکتے، وہ درخت سے پار پہنچ چکا ہے۔ وہ سوئٹزرلینڈ میں ہے۔'' اس کی بڑابڑاہٹ جرمن محافظوں کے شور وغل میں دب کر رہ گئی۔ وہ ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر آرڈر دے رہے تھے۔ مادت نے سوچا: انہیں کیسے علم ہوگیا: کیا یہ قسمت کا چکر ہے؟ کیا وہ جرنیل کو گولی کا نشانہ بنا دیں گے یا زندہ پکڑ کر پھر آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیں گے؟ کیا ہماری ساری تگ ودو بے کار گئی؟

مادت کے لئے یہ صورت حال قابل برداشت تھی۔ اس کا فرض تھا کہ ایسا نہ ہونے دے..... ایک لمحے کی دیر بھی نہ ہونی چاہئے، اسے کچھ نہ کچھ کرنا تھا اور فوراً۔

''نہیں..... نہیں..... نہیں..... نہیں.....'' وہ پوری قوت سے چلایا: ''اس کے پانچ ساتھی ابھی یہاں ہیں..... ادھر آؤ۔''

رات کے سناٹے میں اس کی آواز گونجی۔ جرمن محافظوں نے روشنی کا دائرہ اس پر مرکوز کر دیا۔ وہ اٹھ کر دوڑنے لگا۔ کبھی دائیں، کبھی بائیں.....

گولیاں سنسنا رہی تھیں وہ مرغزار سے گزر چکا تھا اور اس کا رخ چیل کے درخت کی طرف تھا۔

اس کی تمام تر کوشش یہی تھی کہ جرمنوں کی توجہ کا مرکز وہی بنا رہے اور ڈی فورگ کو محفوظ مقام تک پہنچنے کا موقع مل جائے۔

روشنی کے گولے اس کا تعاقب کرتے رہے۔ گولیاں سنسناتی رہیں۔ انگاروں کی اس بارش نے اسے بری طرح نڈھال کر دیا۔ ایک گولی اس کی پیشانی میں لگی اور وہ چیل کے درخت کے عین نیچے گر پڑا۔ جرمن تیزی سے اس کی طرف دوڑے۔

انہوں نے اس کا سر اوپر اٹھایا، گو انہیں اب بھی خوف لاحق تھا کہ اٹھ کر بھاگ نکلے گا۔ مادت کے کانوں میں آواز آئی: ''تمہارے ہاتھ غلط ساتھی لگا ہے، اور پھر اس کے لب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سل گئے۔

ڈی فورگ نے سوئٹزرلینڈ کی ایک چٹان کی اوٹ سے دیکھا۔ جرمن محافظ اس کی لاش اٹھا کر اپنی سرحد میں لے جا رہے تھے۔ اس نے کامل خاموشی سے مادت کو سلیوٹ کیا جو نہ تو صبح سویرے مل ہاؤس کی بس پر پکڑ سکے گا اور نہ لیان میں کل رات اپنے بستر پر سوئے گا۔ خاصی دیر تک وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

وقت کا دھارا اپنے ساتھ بہت کچھ بہا لے گیا تھا، لیکن اس کے ذہن میں مادت کے ساتھ بیتے ہوئے واقعات کی یاد نو شگفتہ پھول کی طرح تر و تازہ تھی۔

اس نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں..... ابھی کئی اور معرکے ہوں گے..... کی اور مادت جنم لیں گے اور وہ منزل کو پانے کے لئے بلندیوں پر چڑھتا چلا جائے گا۔

ڈی فورگ کی نظریں تاریک افق پر جمی تھیں۔ نازی عفریت روس کے میدانوں سے لے کر اوقیانوس کی وسعتوں تک ہر شے کو ہڑپ کر جانا چاہتا تھا۔ اس نے مکہ لہرا کر کہا: ''ای میں تمہارا تعاقب کروں گا۔''

☆☆☆

سولونیکا سے فرار

''پیرا شوٹ!'' سارجنٹ کنگ نے چلا کر کہا۔ ''وہ حقیقی نہیں ہو سکتے، صرف ڈمی ہیں۔''

چھاتہ بردار یقیناً غیر حقیقی دکھائی دے رہے تھے اور ان سے کسی قسم کے خطرے کا احساس نہ ہوتا تھا۔ جزیر کریٹ کے صحگاہی نیلے آسمان کے پس منظر میں زیتون کی خاکستری مائل سبز شاخوں میں سے وہ گڑیوں کی طرح نظر آ رہے تھے جن کے سبز، سرخ، زرد اور سفید فراک چھاتے کو کنٹرول کرنے والی تاروں سے الجھ گئے تھے۔ میں سارجنٹ کنگ کے قریب کھڑا تھا اور رنگا رنگ ہیولوں کی تہ میں نہاں معانی کی تلاش میں تھا۔ کیا ان خوبصورت گڑیوں کے زمین پر آنے کے ساتھ ہی ہم پھر انہی حوادث کا شکار نہ ہو جائیں گے جنہوں نے حال ہی میں یونان میں ہمارا کچومر نکال کر رکھ دیا تھا۔

''جزیرہ کریٹ پر یلغار شروع ہو چکی ہے سارجنٹ۔'' جوانوں کی جوابی کارروائی کے لئے فوراً تیار کرو۔ وہ چھاتے ہم سے پانچ سو گز دور گریں گے۔ لیکن ادھر دیکھو، یہ عین ہمارے سروں پر آ رہے ہیں۔

معمول کے مطابق ہم اس صبح بھی طلوع آفتاب سے دو گھنٹے پیشتر حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ ہمیں صرف زیتون کے درختوں کی آڑ میں میتر تھی اور ایک میل دور، مالم ایئرپورٹ پر جرمن فضائیہ تباہ

کن بمباری کر رہی تھی۔ نیچی پرواز کرتے ہوئے سٹوکا بمبار طیارے ہمارے حصے کی گولیاں بھی مشین گنوں سے برسا دیتے۔ جب لڑاکا طیارویں کی گھن گرج ختم ہوتی، تو ہم اپنے بنکروں سے باہر نکل آتے اور انجنوں کے باقی ماندہ شور کو گشتی طیاروں کے مترادف خیال کرتے۔

لیکن آج کا دن مختلف ثابت ہوا۔ لڑاکا طیاروں سے فضا جونہی صاف ہوئی، بڑے بڑے دیوہیکل ٹرانسپورٹ طیارے دھاڑتے ہوئے منظر پر ابھر آئے پھر آہستہ آہستہ فضا اودے اودے رنگوں سے بھر گئی۔

میں اس وقت بیس سال کا الہڑ سیکنڈ لیفٹیننٹ تھا۔ میرا کمپنی کمانڈر میجر ہاروے زیتوں کے جھنڈ سے نمودار ہوا اور کہنے لگا۔ ''ہیلو تھامس، جنگ تمہارے دروازوں تک پہنچ چکی ہے۔ یہ چھاتہ بردار ایک پوری بٹالین کا حصہ ہیں۔ کرنل کا خیال ہے ان میں سے کچھ چھاتے اپنے ٹارگٹ سے دور گرے ہیں، لیکن وہ ہمارے جوابی حملے میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ تم فوراً سرگرم عمل ہو جاؤ اور ان کا صفایا کر دو۔''

چند لمحوں تک اپنی زبان کے ساتھ تگ و دو کرتا رہا، لیکن الفاظ مارے خوف کے منہ سے باہر نکل سکے۔ پھر میں نے بدن کو چیتے کی طرح ہلایا جلایا تا کہ جوان، بصری طریقے سے میرا مطلب سمجھ جائیں۔

بالآخر کوشش بسیار کے بعد میں نے چند لفظوں میں اپنے پلاٹون کو پورا ٹاسک سمجھا دیا۔ زبان اگرچہ اب بھی ساتھ نہ دے رہی تھی۔ جنگ کے ابتدائی دنوں میں گھبراہٹ کا طاری ہونا فطری امر ہے اور خصوصاً میری سراسیمگی تو یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ مجھے حال ہی میں نیوزی لینڈ سے مختصر تربیت کے بعد مصر کے راستے یہاں کریٹ میں پہنچا دیا گیا۔ میرے جوانوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ سب کے سب پرائیویٹ سپاہی تھے اور انہیں باقاعدہ وردیاں بھی میسر نہ تھیں۔ فریقین کا توازن شروع سے ہی خراب نظر آتا تھا اور ہماری کامیابی کے آثار مفقود تھے۔

راستے میں ہم اپنے اگلے مورچوں سے گزرے۔ مٹی کے کچے بنکروں میں پوزیشنیں سنبھالے ہوئے جوانوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں الوداع کہا۔ ہمارے جوش اور ولولے میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ میں اپنے پلاٹون کے آگے آگے تھا۔ خاصی دور تک دشمن نظر نہ آیا۔ پھر بھی نجانے کیوں میرے اندر سے آواز

ابھری۔ ''رفتار آہستہ کردو۔'' میرے قدم خود بخود رک گئے جیسے کسی غیر مرئی طاقت نے جکڑ لیا ہو، پیچھے مڑ کر دیکھا، پلاٹون کے جوان پچاس سے سو گز دور تھے اور انتہائی احتیاط سے قدم بڑھا رہے تھے، میں نے انہیں تیز چلنے کا اشارہ کیا۔

میرے سامنے ایک چھوٹی سی عمودی چٹان ابھری ہوئی تھی۔ میں نے یہ اطمینان کرنے کے لئے کہ دوسری طرف دشمن نہ چھپا بیٹھا ہو، پتلون کی جیب سے ایک گرینیڈ نکالا، اس کی پن الگ کی اور اسے چٹان کی دوسری طرف لڑھکا دیا۔ ''تین، چار، پانچ، چھ۔'' میں نے خاموشی سے سیکنڈ شمار کئے اور جونہی ساتویں سیکنڈ میں گرینیڈ دھماکے سے پھٹا، میں نے آگے بڑھنے کے لئے جست لگائی۔ ابھی پوری طرح توازن قائم نہ کر سکا تھا کہ گہری سبزی مائل کوئی شے دکھائی دی۔ یہ کسی جرمن کا فولادی خود تھا جو زیتون کی گھنی جھاڑی کے پیچھے تقریباً چھپا ہوا تھا اور قریب ہی زمین کے اوپر پستول کی نالی مجھے نشانے میں لئے ہوئے تھی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ میں نے رائفل کا ٹریگر دبا دیا، چھاتہ بردار کا کندھا ایک بار ابھرا اور پھر مجھے محسوس ہوا جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے پہلے جرمن کو قتل کر دیا ہے، لیکن مجھے مسرت یا حیرت کے لئے کوئی وقت نہ ملا۔ لاش کے پیچھے ایک اور جرمن سرسرا رہا تھا۔ اس کے داہتے ہاتھ میں پستول تھا۔ میں نے رائفل کا بٹ زور سے اس کے سر پر دے مارا۔ پستول بدستور اس کے ہاتھ میں بے تکے پن سے لہراتا رہا۔ اس کے علاوہ کوئی مزید حرکت نہ کر سکا۔ اس کے منہ سے کف جاری تھا۔

قیدی کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ مجھے کبھی کسی نے کچھ نہ بتایا تھا اور نہ میں کسی کو قیدی بنانے کے بارے میں سوچ سکتا تھا۔ آخر اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ یہی تدبیر ذہن میں آئی کہ اس کے سر پر اتنی ضربیں لگاؤں کہ وہ بے ہوش ہو جائے..... واپسی پر اسے ساتھ لے لوں گا۔ جونہی میں نے رائفل گھمائی، کہیں سے مشن گن کا فائر ہوا اور میرے سر کے اوپر لٹکتی ہوئی زیتون کی شاخ سے پتے چرمرا کر زمین پر آ رہے۔ ساتھ ہی ایک دیو ہیکل جرمن سپاہی نمودار ہوا۔ اس کی ٹامی گن سیدھی میری طرف تھی۔ مجھے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا کیا کروں، گرے ہوئے سپاہی کے سر پر ضرب لگانے کے لئے اپنی رائفل گھما چکا تھا..... اسے سیدھا کرنے میں خاصا وقت ضائع ہوتا، چنانچہ میں نے اپنے آپ کو زمین پر گرا لیا اور آناً فاناً

جرمن سپاہی کاریوالور چھین کر حملہ آور پر داغ دیا..... لیکن فائر نہ ہوسکتا۔ پستول جام ہو چکا تھا۔

دیوہیکل جرمن سپاہی مجھ سے تین قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ پھر اس نے اپنی ٹامی گن جان بوجھ کر آہستہ آہستہ کندھے سے لگائی اور مجھے زد میں لینے کی تیاری کرنے لگا۔ اگلے ہی لمحے گن کی فور سائٹ سے مجھے اس کی آنکھیں نظر آئیں۔ نشانہ سیدھا میرے بھیجے پر لگتا۔

میں برف کی طرح منجمد ہو کر رہ گیا۔ سانس رک چکا تھا اور جسم ذرا سی حرکت کے قابل بھی نہ رہا۔ اچانک سارا کھیل ختم ہو گیا۔

جونہی اس نے ٹریگر دبایا، اس کا کندھا زور سے ہلا اور ساتھ ہی اس کی پیشانی پر سرخ سرخ سا پھول کھل اٹھا اور وہ دھڑام سے میرے سامنے گر پڑا۔ اس کا چہرہ خون سے تر بتر تھا۔

کارپورڈ ائمنڈ چٹان کی اوٹ سے جھانک رہا تھا اور اس کی رائفل کی نالی دھواں اگل رہی تھی۔

''جناب موت کے منہ میں جانے سے بچ گئے، برا نہ مانئے، تو کہوں گا جوانوں سے زیادہ دور نہیں جانا چاہئے۔''

''کارپول، یقین کرو۔'' میں نے اپنا لہجہ پرسکون بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں، آئندہ بہت پیچھے رہ کر کمان کیا کروں گا۔''

اس روز، ۲۰ مئی ۱۴۹۱ء کو، ہم نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر چھاتہ برداروں کو نشانہ بنایا۔ اگلے دن فاتحانہ انداز میں اپنی یونٹ میں واپس پہنچے۔ تو کرنل نے کانفرنس بلائی اور اعلان کیا، ہم دشمن کے دباؤ کے پیش نظر موجودہ پوزیشنیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ہماری پوری کمپنی کو دشمن سے الجھنے کا حکم ملا تا کہ باقی کمپنیاں حفاظت سے پسپا ہو جائیں۔ ہم نے فوراً پوزیشنیں سنبھال لیں اور ہمارے باقی ساتھی پیچھے ہٹنے لگے۔ دشمن نے اب تک ذرا بھر مداخلت نہ کی تھی۔

کارپورل ڈائمنڈ نے رائفل مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔ ''صاحب، ہم پسپائی کی حماقت کیوں کر رہے ہیں؟ ہمیں رات کے وقت بھرپور حملہ کر کے ان نابکاروں کو سمندر میں دھکیل دینا چاہئے۔''

''ڈائمنڈ، مجھے کچھ پتہ نہیں۔'' میں بس یہی جواب دے پایا اور اس کی خالی خولی آنکھوں میں

بلاوجہ پسپائی اختیار کرنے کی بناء پر لال لال ڈورے لہرانے لگے۔

باقی کمپنیاں محفوظ مقام پر پہنچ گئیں، تو ہمیں بھی واپس آنے کا اشارہ موصول ہوا۔ ہم ایک گاؤں کے نواح میں پہنچے، تو پتہ چلا دشمن نے یہاں مزید چھاتہ بردار اتار دیئے ہیں اور ہماری واپسی کا راستہ مسدود ہو چکا ہے۔ ہم پہلی فتح کے نشے میں سرشار تھے۔ فوراً گاؤں پر حملے کا منصوبہ بنایا اور تین طرف سے یلغار کر دی۔ تن اور پر پیچ گلیوں میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ میرے پیچھے کل آٹھ جوان تھے۔ اچانک ایک موڑ پر ہمارا جرمنوں سے سامنا ہو گیا۔ ہم ان پر مکمل طور پر قابو پانے ہی والے تھے کہ چھت کے اوپر ایک جرمن سپاہی دکھائی دیا۔ اس نے ہینڈ گرنیڈ ہماری طرف پھینکا، ساتھ ہی میں نے رائفل کے فائر سے اس کا بھیجا اڑا دیا۔ پھر اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پیچھے زلزلہ سا آ گیا ہو۔ ٹانگیں، پشت اور جسم کا پورا عقبی حصہ جیسے جہنم کی تپش میں جل رہا ہو۔ گوشت جلنے کی بو میرے نتھنوں میں گھسی۔ میں نے قدم اٹھانا چاہا، مگر گھٹنا مڑ گیا اور میں اوندھے منہ گرتے گرتے بچا، میں نے پنڈلیوں کو ہاتھ سے چھوا، تو انگلیاں جلے ہوئے گوشت میں اندر ہی اندر دھنسی چلی گئیں۔

میرے ساتھیوں نے گھسیٹ کر مجھے ایک مکان کے اندر بٹھا دیا یہ کہہ کر چلے گئے کہ دشمن کو ٹھانے لگانے کے بعد ہسپتال پہنچا دیں گے۔

جنگ کے شور میں اضافہ ہوتا رہا، مشین گنیں دھاڑ رہی تھیں، جرمنوں کی مارٹر ٹوپیں تباہی پھیلا رہی تھیں موت کا وحشیانہ رقص دیر تک جاری رہا اور پھر مجھے اپنے آپ کی کچھ خبر نہ رہی۔ زخموں سے خون بہہ بہہ کر زمین میں جذب ہوتا رہا اور نقاہت نے میرے ہوش و حواس سلب کر لئے۔

آنکھ کھلی، تو میں نے اپنے آپ کو کسی ہسپتال کے صاف ستھرے بستر پر پایا۔ اگرچہ میری دیکھ بھال پر اتحادی فوجی ہی مامور تھے، لیکن دروازے پر جرمن سنتری پہرہ دے رہے تھے اور وقفے وقفے سے گارد بھی باقاعدہ گشت کرتی ہوئی برآمدے سے گزرتی۔

مجھ پر ایک خوفناک حقیقت منکشف ہو چکی تھی، میں جرمنوں کا جنگی قیدی تھا۔ آزادی اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ سے دور ہو گئی تھی اور میں لامحدود سے محدود حلقے میں گرفتار ہو کر رہ گیا تھا۔

مجھے ہوش میں دیکھ کر ایک جرمن میری طرف بڑھا اور مختلف سوال پوچھنے لگا۔ ''تمہارا نام اور عہدہ کیا ہے۔''

''تھامس، سیکنڈ لیفٹیننٹ۔''

''اور تمہاری رجمنٹ اور ڈویژن۔'' اس کی انگریزی بڑی شائستہ تھی۔

''میں تمہیں یہ معلومات بہم پہنچانے کا مکلف نہیں۔''

جرمن مسکرایا۔ یہ مسکراہٹ کسی نازی یا دشمن کی سی مسکراہٹ نہ تھی، بلکہ اس کے خوبصورت اور دلآویز دانتوں کا مظاہرہ مقصود تھا۔ اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ ''لیکن اگر تم ایسا کر دو، تم ہم ریڈ کراس کے ذریعے کے کراس کے ذریعے تمہاری خیریت کی اطلاع تمہارے گھر والوں کو دے دیں گے۔''

میرے بائیں گھٹنے سے درد کی شدید لہر اٹھی اور معدے تک بڑھتی چلی گئی۔ میں اسے تکلیف دہ نہیں کہہ سکتا، بلکہ یہ مجھے بیمار سی کیے دیتی تھی۔ میری ٹانگ سوج کر معمول سے چار گنا موٹی ہو چکی تھی کیا میری حالت خطرناک ہے؟ کیا میں مر جاؤں گا؟ خوفناک سوالوں نے میری روح کو جکڑ لیا۔

میں اس وقت ایتھنز کے پانچویں آسٹریلوی جنرل ہسپتال میں پڑا تھا اور کھے میدان جنگ سے طیارے کے ذریعے یہاں لایا گیا تھا۔ جرمن یہاں چھ ماہ سے قابض چلے آ رہے تھے۔ میرا علاج معالجہ جاری رہا۔ کبھی زخموں کی حالت بری طرح بگڑ جاتی اور میں اس خوف سے تھر تھر کانپنے لگتا کہیں ٹانگ کاٹ ہی نہ دی جائے۔ کبھی ڈاکٹروں کے چہروں پر امید کی کرن دکھائی دیتی۔

ڈاکٹروں نے بتایا آرام سے لیٹے رہو گے، تو زخم جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔ میری پشت پر گرنیڈ کے زخم زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو رہے تھے، لیکن ڈاکٹر کہتا تھا کوئی زخم خطرناک نہیں۔ بعض زخموں میں لوہے کے ٹکڑے موجود تھے مگر ڈاکٹر کے بیان کے مطابق یہ نقصان دہ نہ تھے۔ میں نے پوچھا ''زخم ٹھیک ہونے میں کتنا عرصہ لگے گا؟''

''چھ ماہ، کم از کم۔'' اس کا جواب تھا۔ حقیقت یہ ہے ٹھیک پندرہ ماہ بعد زخموں کے دونوں کنارے

آپس میں ملنا شروع ہوئے۔

دن گزرتے رہے، بعض طویل تھے اور بور بھی۔ ایک ہی چارپائی پر ایک ہی حالت میں رہنے سے جو کیفیت ہوتی ہے، اسے وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو کبھی اس قیامت سے گزرے ہوں۔

ہسپتال میں میری آمد کے دس دن بعد بھورے بالوں والا جرمن ڈاکٹر دورے پر آیا۔ وہ کارنتھ کے ہسپتال میں میرا ابتدائی معائنہ کر چکا تھا۔ اسی کی رپورٹ پر مجھے بڑے ہسپتال منتقل کیا گیا تھا۔

وہ مختلف مریضوں پر سرسری سی نظر ڈالتا میرے بستر کے قریب آیا، تو یکدم اچھا پڑا۔ ''اوہ! نیوزی لینڈ بوائے۔'' اس نے استعجاب کے عالم میں فرانسیسی میں کہا۔ ''یہ کارنتھ میں میرا مریض تھا۔ اب اس کی کیا حالت ہے؟''

میں نے ہشاش بشاش لہجے میں اپنا حال بیان کیا..... تو اسے یقین نہ آیا میری ٹانگ ابھی تک بدن کے ساتھ موجود ہے۔ اس نے اپنی رپورٹ میں اسے کاٹ دینے کی سفارش کی تھی۔ وہ دیر تک میرے زخموں کی پٹی کھول کر دیکھتا رہا۔ وہ قدرت کے اس معجزے پر حیران تھا میرے زخم بگڑ کیوں نہ گئے۔ اس نے جاتے جاتے دو حکم ایسے جاری کئے جن سے میری صحت تیزی سے بحال ہونے لگی۔ ایک تو یہ تھا کہ میرے گھٹنے کی تصویر لی جائے اور روزانہ کئی ڈاکٹر اس کی مدد سے زخم کا علاج کرنے لگے۔ دوسرے حکم کے تحت میری خوراک میں اضافہ کر دیا گیا۔ عام راشن کے علاوہ پھل اور مٹھائیاں بھی دی جانے لگیں۔ اس طرح میری کمزوری چند دنوں میں دور ہو گئی اور روزانہ شریانوں میں ٹیک لگوانے کی مصیبت سے بچ گیا۔

اس تبدیلی صحت کے بعد مجھے پہلی بار اپنی قابل رحم حالت کا خیال آیا۔ اس سے پہلے میرے تصورات، یاس کی اندھی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آتے تھے۔ میں اندر ہی اندر گھٹ کر رہ جاتا، لیکن اب حقائق کا ادراک پہلی بار ہوا۔ میں جنگی قیدی کی حیثیت سے دشمن کے قبضے میں تھا مجھے اس قید سے نجات حاصل کرنی چاہئے۔ میرے دل و دماغ سے آواز ابھری۔

میری ٹانگ میرے اونچے منصوبوں کا منہ چڑا رہی تھی۔ میں خوابوں کی دنیا میں پہنچ جاتا۔ خوفناک اور ناممکن العمل تجویزیں سوچتا۔ بہر حال اب وقت پہلے جیسا بور نہ رہا تھا میں نے مصروفیت ڈھونڈ لی تھی۔

میں فرار کی راہیں تلاش کرتا رہتا، مجھے جو رقم ملتی اسے بچانا شروع کر دیا، اس طرح کھانے پینے کی اشیاء بھی ذخیرہ کرتا رہا تا کہ سفر کے دوران میں انہیں استعمال کر سکوں۔

فرار کے بارے میں قیدیوں کا عمومی تاثر بڑا قابل رحم تھا۔ کسی کو بھی قید سے نبٹنے کی تربیت نہ دی گئی تھی۔ ناچار انہوں نے موجودہ طرز زندگی سیسمجھوتہ سا کر لیا تھا۔ دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلتے رہے۔ میرے زخموں کے کنارے ایک دوسرے کے قریب آتے گئے اور میں بے قراری سے اس روشن دن کا منتظر رہا جب بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا..... وارڈ کے آخری سرے پر لگے ہوئے کیلنڈر پر مئی، جون اور جولائی کے مہینے پھاڑ دیئے گئے تھے اور اب اگست کا مہینہ سامنے تھا۔ میں اب بھی اپنے بستر پر لیٹا تھا۔ اگست کے دوسرے ہفتے میں فرار کے قابل ہونے کے لئے میں نے پہلی مشق کی۔ ایک گرم اور تکلیف دہ سہ پہر کو اپنی تمام تر قوت ارادی مجتمع کی اور ٹانگ، بستر سے باہر نکالنے کی تگ و دو کرنے لگا۔ ایک گھنٹے کی جاں گسل مشقت کے بعد میں اپنے پاؤں پر کھڑا تھا۔ لیکن اگلے ہی لمحے شاخ نازک کی طرح ڈگمگایا اور فرش پر آ رہا۔ وہ رات جس کرب میں گزری، کچھ میں ہی جانتا ہوں۔

تاہم میں ابتداء کر چکا تھا۔ اگلے روز میں نے پھر یہ مشق کی اور بستر کے سہارے ایک دو قدم بھرنے کے قابل ہو گیا۔ ہفتے کے اختتام تک وارڈ کے اندر چلنے پھرنے لگا۔ ہر بستر کے پاس رکتا اور ہنسی مذاق کے بعد آگے بڑھ جاتا۔ جلد ہی میں بیت الخلا تک جانے لگا اور مجھے بستر ہی پر رفع حاجت کرنے سے نجات مل گئی۔

روزانہ میں ہاتھ پاؤں کی ورزش کرنے لگا۔ میرا زخمی شباب، وقت کا چیلنج قبول کرنے کے لئے دوبارہ عود کر آیا۔ دوسرے ہفتے کے اختتام پر دو آدمیوں کے سہارے میں سیڑھیوں سے اتر کر صحن میں چہل قدمی کرنے لگا۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا میں نے تمام پٹیاں کھول دیں اور کچھے گوشت پر سورج کی کرنیں پڑنے لگیں۔ وارڈ کے اندر زخموں اور دوائیوں کی بدبو نتھنوں میں گھستی رہتی تھی۔ تازہ ہوا پھیپھڑوں میں پہنچی اور سرور طاری ہو گیا۔ میری 23 ویں بٹالین کے تمام جوان مجھے مبارک باد دینے جمع ہو گئے۔ ان میں سے کسی کے سینے پر پٹی بندھی تھی، کوئی بیساکھیوں کے سہارے چل پھر رہا تھا، کوئی بازو سے محروم تھا۔

اب ہم ہر سہ پہر کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے، کبھی صحن میں اور کبھی میرے بلاک کی چھت پر۔ مؤخرالذکر جگہ مجھے پسند تھی، یہاں سے گردوپیش کا واضح منظور دکھائی دیتا تھا۔ جنوب کی طرف، تین میل دور، پیرس کی بندرگاہ میں ماہی گیر جہازوں کے سفید بادبان لہرا رہے تھے اور بندرگاہ سے پرے انگلین کا نیلگوں پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ مشرق میں ایتھنز کی، سپیدی سے دھلی ہوئی فلک بوس عمارتیں تھیں۔ ان ملاقاتوں میں بالآخر فرار موضوع بحث بن جاتا اور ساتھیوں کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہوتیں۔ اس عرصے میں بعض لوگوں نے فرار کی کوشش بھی کی جن میں رائے فاران بھی شامل تھا۔ میں اپنے زخموں کو دیکھ کر تلملا کر رہ جاتا۔ کیا پتہ جب تک ٹھیک ہوں گا، احتیاطی تدابیر میں کس قدر اضافہ ہو جائے گا۔

ایک دن میں ہسپتال کی چھت پر چڑھا۔ سورج ایتھنز کے عقب سے نمودار ہو رہا تھا۔ فضا خوشگوار اور روح کی بالیدگی عطا کر رہی تھی۔ میں نے جھلا کر پٹیاں کھول دیں اور ٹانگ کو آگے پیچھے حرکت دینے لگا۔ میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی، کچے گوشت کے نیچے میرے اعصاب ٹھیک حرکت کر رہے تھے۔

اگر میں احتیاط سے کام لوں اور اگر میری قسمت کا ستارا بلند ہے، تو موجودہ حالت میں بھی مجھے فرار ہونے میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ خطرہ مول لیا جا سکتا ہے میں نے مزید انتظار نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

پرائیویٹ سٹان شرورڈ راس وقت سے میرے پلاٹون میں شامل ہے، جب ہم نے ۹۳۹۱ء میں سویلین جوانوں پر مشتمل بٹالین کھڑی کی تھی۔ وہ ٹریننگ کے دوران میں اچھی کارگزاری نہ دکھا سکا۔ بھدی ہیئت اس کے فوجی نظر آنے میں مانع تھی۔ جنگ میں اور بات ہے۔ اس نے کمال شجاعت کا ثبوت دیا اور بعد میں ڈی سی میڈل عطا کیا گیا۔

شروڈر میری مزاج پرسی کرنے والوں میں پیش پیش تھا۔ اس نے میرے فرار کے منصوبے کے بارے میں سنا، تو درخواست کی اسے بھی شامل کر لیا جائے۔ وہ اب بھی اسی طرح کھردرا کھردرا سا تھا، بال بکھرے ہوئے اور کپڑے شکن در شکن، مگر ظاہر شکل صورت سے قطع نظر اس نے ایک اہم چیز کا ضرور اہتمام کیا، وہ یہ کہ احساس فرض کو ہمیشہ زندہ رکھا۔

رفتہ رفتہ ٹانگ کی حالت کچھ بہتر ہوئی، تو میں نے اسے تلاش کر کے کہا: ''وقت آ گیا ہے، ہمیں سرگرم عمل ہو جانا چاہئے۔''

''میں تو حکم کا منتظر ہوں، بس اشارہ کر دیجئے۔ یہ جگہ دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا۔''

ہمیں باتیں کرتے کرتے چھت پر چڑھ گئے۔ وہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا، اس لئے کھل کر اپنے منصوبے پر بحث کرنے لگے۔ پہلے تو دماغ سے سہانے خواب نکال دیئے کہ بندرگاہ سے کوئی خوبصورت کشتی چرا لیں گے اور بھاگ نکلیں گے۔ سب سے اہم مسئلہ ہسپتال کی عمارت سے نکلنے کا تھا۔

ہم سارا دن باتیں کرتے رہتے۔ طے پایا پہلے محافظوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیا جائے اور تاریں کاٹنے کے لئے مناسب اوزار حاصل کئے جائیں۔ اس کام میں ہفتے عشرے کی ضرورت تھی۔ اس دوران میں ہمارے زخموں کی حالت بھی بہتر ہو جائے گی۔

ہم ضروری اشیاء جمع کرنے لگے۔ شروڈر نے مطبخ میں اپنے ایک دوست کے ذریعے کھانے پینے کا وافر ذخیرہ کر لیا۔ میں نے ایک یونانی الیکٹریشن پلاس لیا۔ نیوزی لینڈ کے ایک شدید زخمی افسر سے قطب نما بھی مل گیا۔ سفر شروع کرنے کے لئے مناسب اشیاء ہاتھ آ چکی تھی۔

جرمن محافظوں کی نقل و حرکت پر چند دن غور کیا، تو اس میں ایک ایسی خامی نظر آئی جو ہمارے حق میں بڑی مفید ثابت ہو سکتی تھی۔ ہسپتال میں چار منزلہ، چار بلاک ایک دوسرے کے قریب واقع تھے۔ اس طرح جرمنوں کو جس علاقے کا پہرہ دینا پڑتا، وہ بڑا محدود تھا۔ ہسپتال کے اردگرد تاروں کا حلقہ ۲۰۰ گز رچوڑا اور ۲۰۰ گز لمبا تھا، لیکن محافظوں کو ہسپتال کی بلند و بالا چار دیواری کا بھروسہ تھا اس میں صرف دو دروازے تھے۔ گردونواح میں کھیت تھے نہ جھاڑیاں۔ اس طرح دن کے وقت دروازے پر کھڑا ہوا سنتری دور دور تک نگاہ رکھ سکتا تھا۔ دو مزید سنتری مخالف کونوں پر متعین تھے۔ رات کو ان کی تعداد دگنی کر دی جاتی۔ ایک سنتری ہسپتال کے چاروں طرف گشت کرتا رہتا اور دو سنتری باقی ماندہ کونوں پر کھڑے ہو جاتے۔ بجلی کی وجہ سے سارا علاقہ منور رہتا اور اس پر مستزاد یہ پابندی تھی کوئی مریض شام کے بعد اپنے بلاک سے باہر نہیں نکل سکتا۔

اب اہم بات یہ تھی گرمیوں میں شام پڑنے کا وقت ۸ بجے مقرر تھا۔ اسی وقت محافظوں کی تعداد دگنی کی جاتی۔ جرمن سنتری اس وقت کی کڑی پابندی کرتے..... لیکن موسم خزاں میں آٹھ بجنے سے پندرہ منٹ پہلے ہی خاصا اندھیرا پھیل جاتا۔ ہم اس مختصر سے وقفے سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ صدر دروازے اور شمالی کرنے پر متعین سنتریوں کے درمیان ایک مقام منتخب کیا گیا جہاں تار مقابلہ کمزور تھے۔ صدر دروازے پر ایک بوڑھا سنتری کھڑا ہوتا تھا، وہ عینک لگاتا تھا، ہمارا خیال تھا کہ شام کے جھٹپٹے میں، ممکن ہے، اس کی نظر کام نہ کر سکے۔

ہم نے سات اور دس ستمبر کے درمیان کوئی تاریخ منتخب کی، کیونکہ ان دنوں نیا چاند طلوع ہو چکا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا اندھیری راتوں کا انتظار کرنے کے لئے دس پندرہ دن درکار تھے، ہمارے بے قراری اور جوش میں ہر لمحے اضافہ ہو رہا تھا۔

اگرچہ سب سے بڑی مشکل فرار کے ابتدائی مرحلے میں پیش آ سکتی تھی، لیکن ہم نے دوسرے مرحلے سے بھی اغماض نہ برتا..... ہسپتال کی لائبریری میں موجود کتابوں سے نقشوں کا مطالعہ کیا۔ نائکن کے ایک ٹکڑے پر یونان کا نقشہ نقل کر لیا۔ اس پر ترکی کی طرف جانے والے تمام راستوں کے نشانات لگا دیئے۔

ہماری تیاریاں زوروں پر تھیں کہ ایک بھاری مصیبت یکلخت آن پڑی۔ شروڈر ہانپتا کانپتا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''میں ایک بری خبر لے کر آیا ہوں۔''

''وہ کیا؟'' میں نے بے قراری سے پوچھا۔

''ہسپتال کے سارجنٹ میجر نے اطلاع دی ہے۔ اگلے جہاز پر مجھے جرمنی منتقل کیا جا رہا ہے۔''

اس نے قدرے توقف سے کہا۔ ''اگلا جہاز سوموار کو روانہ ہوگا۔''

یہ خوفناک خبر تھی۔ ہر کام منصوبے کے مطابق انجام پا رہا تھا اور ہسپتال سے فرار ہونے میں صرف دس روز باقی تھے۔ جلد بازی مہلک ثابت ہو سکتی تھی اور پھر چاند کو پیش نظر رکھنا ضروری تھا۔ چند لمحوں تک سوچ بچار کرتا رہا۔ پھر اس سے پوچھا۔ ''کیا تم نے اپنا نام کٹوانے کی کوشش کی۔''

''میں سارجنٹ میجر کا دماغ چاٹتا رہا ہوں، مگر بے سود، وہ کہتا ہے۔ فہرست خود جرمن ڈاکٹر نے تیار کی ہے۔''

''یہ تو سنجیدہ صورت حال ہے۔''

قدرے توقف کے بعد میں ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ ''اگر ہم کل ہی کوشش دیکھیں، تو.....؟''

''میں تیار ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن اگر اندھیری راتوں کا انتظار کر لیں، تو میری بجائے کوئی اور آپ کا شریک سفر ہو جائے گا۔''

''نہیں بالکل نہیں، میں انتظار کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ دعا کرو چاند کے سامنے بادلوں کا کوئی ٹکڑا آ جائے۔''

''اور بادل نہ چھائے، تو؟''

''کوئی فکر نہیں، ہم کل رات پونے آٹھ بجے حرکت میں آ جائیں گے، اور ٹھیک آٹھ بجے اس قید سے آزاد ہو چکے ہوں گے۔''

ہماری سرگوشیاں خاصی دیر تک جاری رہیں۔ پورا وارڈ سو چکا تھا۔ رات بھیگتی جا رہی تھی۔ بالآخر شروڈر مجھے الوداع کہہ کر اپنے وارڈ کی طرف چلا گیا۔ میں سو تو گیا، لیکن میرا ذہن آزادی کے تصور میں بھٹکتا رہا۔ میں نے خواب میں دیکھا اپنی بٹالین میں واپس پہنچ گیا ہوں اور بریگیڈیئر مجھے خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ پھر ایک اور منظر سامنے آ گیا۔ میں دبے پاؤں اپنے گھر میں داخل ہوا اور ماں صبح کے پھول چن رہی تھی، مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

رات خوشنما خواب دیکھتا رہا۔ ۱۵۲ اگست ۱۹۴۱ء کی چمکدار اور خوشگوار صبح طلوع ہوئی۔ آسمان پر بادل کا ٹکڑا تک نہ تھا۔ باقی لوگوں کے لئے یہ ایک اور تھکا دینے والے دن کا آغاز تھا، لیکن میرے لئے نئی زندگی کی صبح تھی..... دوپہر کے وقت ہم نے اپنی چیزوں کا معائنہ کیا۔ پھر منصوبے سے واقف دوستوں کو اطلاع کہنے میں مصروف رہے۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا، میرا جوش و جذبہ ہوا ہونے لگا۔ شروڈر کا چہرہ معمول کے مطابق کھلا

رہا، لیکن میرے اندر انجانے خطرات سر ابھارنے لگے۔ صدر دروازے پر کھڑا ہوا سنتری بڑا وحشی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی رائفل کو مضبوطی سے پکڑتا، جیسے آج اسے ضرور آزمانا ہو۔ تار کی رکاوٹ بھی ناقابل عبور نظر آتی تھی مجھے شک تھا ہمارا پلاس ان تاروں کو نہ کاٹ سکے گا۔

سورج غروب ہو چکا تھا شام کے سارے گہرے ہوتے جا رہے تھے میں برآمدے میں شروڈر سے ملا۔ ہم نے اپنے چہروں پر اندرونی جذبات کی جھلک نہ آنے دی، پھر بھی قریب سے گزرنے والے اردلی اور ہسپتال کے دیگر ملازمین ہمیں غور سے دیکھتے رہے۔

ہم بلاک کے عقبی دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر اندھیرا پھیل چکا تھا، تاہم ایک مقررہ جگہ پر بیٹھ کر ہم نے مزید انتظار مناسب سمجھا۔ ہم نے اس سنتری کی طرف دیکھا جو ہمارے راستے میں واحد رکاوٹ ثابت ہو سکتا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کا ہیولیٰ سا نظر آتا تھا۔ ہمیں یہ پتہ نہ چل سکا کیا یہ وہی سنتری ہے جو عینک لگائے روزانہ ڈیوٹی دیتا ہے۔

آنگن کے اوپر نیا چاند مسکرا رہا تھا اور ہم دل ہی دل میں اسے کوسنے لگے۔ چند مریض دروازے بند ہونے سے پہلے بلاک کا آخری چکر لگاتے ہوئے قریب سے گزرے۔ میں بے چارگی سی محسوس کر رہا تھا۔ دانتوں کی کچکچاہٹ روکنے کے لئے مجھے اپنا منہ زور سے بند کرنا پڑا۔ اگر تنہا ہوتا، تو کبھی کا بے بس ہو چکا ہوتا۔

اچانک میں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ فیصلہ جو نازک صورت میں ذہن رسا رکھنے والا ہر شخص کر سکتا ہے۔ میں یکدم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شروڈر آہستہ سے میرے پیچھے ہو لیا۔ ہم نے سرگوشی کے انداز میں ایک دوسرے سے پوچھا۔ ''سنتری کا رخ کدھر کو ہے؟''

نئی منصوبہ بندی کے تحت ہم کھلے میدان کی طرف دوڑے۔ یوں لگتا تھا جیسے ہم مخالف سمت سے آنے والی کار کی پروا کئے بغیر سڑک پر بھاگے جا رہے ہوں۔ خاردار تاروں کی پہلی باڑ کے قریب پہنچ کر ہم زمین پر گر گئے۔ میں نے فوراً پلاس نکالا۔ وہ بڑی صفائی دکھا رہا تھا۔ تین تار بیک وقت کٹ گئے۔

''جلدی کرو۔'' شروڈر نے مجھے دھکیلتے ہوئے کہا۔ ''جلدی کرو، ہمیں دیکھ لیا گیا ہے۔''

چند سیکنڈ مزید گزر گئے۔ سنتری پوسٹ پر مجھے بھی کچھ ہلچل دکھائی دی۔ اس دوران میں چار تار اور کٹ چکے تھے۔ پھر ایک دھماکا سا ہوا اور چمک لہرائی۔ مجھ سے دو گز ردور ایک گولی لوہے کے ڈنڈے سے ٹکرائی اور فضا میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ ہم لمحے بھر کے لئے دبک گئے۔

آدھی رکاوٹ عبور کر چکے تھے کہ دوسری گولی سنسنائی اور میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ اس کے بعد سائیں سائیں کرتی گولیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

یقیناً ہمیں اس صورت حال میں رک کر ہاتھ کھڑے کر دینے چاہئیں تھے ایک بار نظر پڑ جانے کے بعد کوشش جاری رکھنا سراسر پاگل پن ہوتا، لیکن مصیبت یہ تھی پلاس مفید ثابت ہوا اور میں آخری تار کاٹنے کی تگ و دو کر رہا تھا..... بالآخر وہ بھی کٹ گیا۔

میں اس سوراخ سے نکل کر بھاگ اٹھا۔ شروڈر نے میری پیروی کی۔ جرمنوں کی پوری گارد اپنے کوارٹروں سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ اندھا دھند فائرنگ ہو رہی تھی۔ صدر دروازے پر کھڑے ہوئے سنتری نے ہماری طرف اشارہ کیا اور سب لوگ شکاری کتوں کی طرح ہمارے تعاقب میں تھے۔ وہ خدشات جو میرے لاشعور میں کلبلاتے رہتے تھے بالآخر درست ثابت ہوئے۔ شروڈر کم عمر کا تھا اور بھاگ سکتا تھا، مگر میری ٹانگوں کے زخم ابھی نہ بھرے تھے گوشت کچا تھا اور میں مجبوری کی حالت میں رینگ رہا تھا۔

اس وقت پورا ہسپتال جاگ اٹھا تھا۔ کھڑکیوں، دروازوں اور برآمدوں میں مریض جمع تھے اور انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ہم نے اپنی پشت پر کپڑوں کی پوٹلیاں باندھ رکھی تھیں جو سنتریوں کو ہماری نشاندہی کر رہی تھیں۔ ہسپتال سے کسی نے آواز دی۔ پوٹلیاں پھینک دو۔'' ہم نے ہدایت پر عمل کیا۔ اس سے دہرا فائدہ ہوا۔ ایک تو بوجھ کم ہو گیا، دوسرے ہم سنتریوں کی نظر سے محفوظ ہو گئے۔ ان کے اور ہمارے درمیان دو سو گز کا فاصلہ تھا۔ فائرنگ کا سلسلہ بدستور جاری تھا اور ہمارے بائیں طرف درختوں کے اوپر دھڑا دھڑ گولیاں برس رہی تھیں۔

میں بے دم ہو کر رہ گیا۔ پھیپھڑے دھونکنی کی طرح چل رہے تھے، جسم پسینے میں شرابور، اور ٹانگ تھی کہ درد کے مارے پھٹی جا رہی تھی۔ اس کے باوجود مجھے امید تھی کہ بچ نکلیں گے۔

اور پھر معاً اندھیرے میں سے ایک باوردی ہیولیٰ ابھرا۔ وہ یونانی پولیس مین تھا۔

ہم نے رخ بدل لیا، مگر وہ پستول تان کر ہمارے پیچھے چڑھ دوڑا۔ وہ چلا چلا کر دوسرے سنتریوں کو خبردار کر رہا تھا۔ اسے گسٹاپو نے برلن کی یونانی آبادی سے خاص طور پر بھرتی کیا تھا..... لیکن وہ اس لمحے کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ وہ پستول لہرا کر چیختا چلاتا رہا، مگر پستول چلانے میں اس نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ میرا خیال ہے وہ قرے بزدل تھا۔

شروڈر نے اس کی ٹھکائی کر دی اور اور ایک پینتر ایسا بدلا کہ پولیس مین اس سے ٹکرا کر اوندھے منہ گر پڑا۔ ہم نے اپنی رفتار پھر تیز کر دی۔ وہ تھوڑی دیر تک بے سکت ہو کر پڑا رہا۔ ہم بیس گز دور گئے ہوں گے کہ اس نے سیٹی بجانا شروع کر دی۔ ہسپتال کے سنتریوں کو صحیح اشارہ مل گیا اور انہوں نے رخ موڑ کر ہمارا پیچھا شروع کر دیا۔ گولیاں ایک بار پھر ہمارے قریب سے گزرنے لگیں۔

کھل ختم ہوتا نظر آ رہا تھا میں لڑکھڑا کر شروڈر سے ٹکرایا۔ میری ٹانگیں جواب دے گئیں مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ ''نہیں شروڈر، میں بے بس ہو چکا ہوں۔'' ہم آرام سے سنتریوں کا انتظار کرنے لگے۔ مجھے سزا کا تو خوف کوئی نہ تھا، میرا ناامیدی کا احساس کچوکے ضرور لگا رہا تھا۔

جرمن بڑے مشتعل دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے آتے ہی سنگینیں اس طرح ہمارے سینے چبھو دیں جیسے ہمیں وہیں ختم کر دینے پر تلے ہوں، لیکن تھوڑی دیر تک بوٹوں کی ٹھوکریں لگانے کے بعد انہوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا اور ہسپتال کی طرف چل دیئے۔ ضربوں کا سلسلہ راستے میں بھی جاری رہا۔

سنتریوں نے ہمیں دھکیل کر گارڈ روم کے اندر بند کر دیا اور لگے تلاشی لینے۔ سب سے حیران کن چیز نقشہ تھی۔ میں نے بڑی مہارت سے اس پر دیہات تک کے نشانات لگا رکھے تھے۔ جرمنوں نے سمجھا شاید ان مقامات پر کوئی خفیہ تنظیم موجود ہے جو قیدیوں کے فرار میں مدد دیتی ہے۔

تلاشی کے دوران میں میری پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔ میں ہر شے سے محروم ہونا گوارا کر سکتا تھا، مگر قطب نما ان کے ہاتھ میں جاتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسے میں نے اپنے زخموں پر بندھی ہوئی پٹی میں چھپا رکھا تھا، چنانچہ جب مجھے کپڑے اتارنے کا حکم ملا، تو میں نے پہلے کوٹ اتارا، قمیض اور پتلون، لیکن اس کے

نیچے انڈرویئر نہ اتارا..... آخر مجھے وہ بھی اتارنے کا حکم ملا۔ میں نے سنی ان سنی کر دی۔ شروڈر میرے قریب ہی مادرزاد ننگا کھڑا تھا اور بخوبی سمجھ رہا تھا کہ میں انڈرویئر کیوں نہیں اتار رہا۔ آخر سارجنٹ میجر آگے بڑھا اس نے انڈرویئر کی جیبیں الٹ دیں اور پھر مطمئن ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ معجزانہ طور پر میری عزیز ترین متاع محفوظ رہ گئی۔

ابتداء ہی سے مجھے سارجنٹ کا رویہ پسند آیا۔ وہ بھاری تن وتوش کا مالک تھا۔ میں نے سوچا اگر کسی شخص سے نیکی کی توقع ہے، وہ یہی سارجنٹ ہے۔ اس اثناء میں ایک کار باہر آ کر رکی کسی کلرک نے فون کر کے افسر بالا کو معاملے کی خبر کر دی تھی۔ ایک چست و چالاک افسر متکبرانہ انداز میں اندر داخل ہوا۔ وہ سرتاپا بدی کا مجسمہ تھا۔ لیفٹیننٹ والتھر کا تعلق بدنام زمانہ دہشت جرمن تنظیم، گسٹاپو سے تھا۔ اس نے آتے ہی پہلے تو سارجنٹ کو سخت سست کہا، پھر دیگر سنتریوں کو جھاڑ پلائی۔ سارجنٹ کے چہرے پر نفرت کے آثار جھلک آئے..... پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوا اور جرمن زبان میں سوال پوچھا۔ ترجمان نے وہی سوال انگریزی میں دہرایا۔ یہ بالکل اسی طرح کی پوچھ گچھ تھی جیسی اس سے پہلے سارجنٹ کر چکا تھا۔ لیفٹیننٹ نے تنگ آ کر گندی گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ شروڈر کا نام سن کر تو وہ سیخ پا ہو گیا اور تڑاتڑ چار پانچ چیت اس کے چہرے پر رسید کئے۔ وہ غلطی سے شروڈر کو جرمن باشندہ سمجھ بیٹھا تھا اور اگر اس کی غلط فہمی جلدی رفع نہ کی جاتی تو ممکن ہے وہ اس کے لئے سزائے موت تجویز کر دیتا۔

ہمیں کپڑے پہننے کی اجازت مل گئی اور تہ خانے میں علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں مقید کر دیا گیا۔ میری کوٹھڑی کے اوپر سے سیوریج پائپ گزرتا تھا۔ شاید اسے جان بوجھ کر توڑ دیا گیا تھا۔ چار پانچ انچ بلند گندا پانی کوٹھڑی میں جمع تھا۔ سارجنٹ نے اس مرحلے پر بھی رحمدلی کا مظاہرہ کیا اور بیٹھنے کے لئے مجھے ایک کرسی عنایت کر دی۔

صبح سویرے ہمیں کار میں بٹھا کر ایتھنز کے نواح میں ہیڈکوارٹر میں پہنچا دیا گیا۔ ایک وجیہہ کپتان نے ہمارا انٹرویو لیا۔ اس نے ہم سے الگ الگ گفتگو کی۔ لیکن اس کی گفتگو کا مرکزی محور نقشہ تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا دیہات میں کون لوگ مفرور قیدیوں کی مدد کرتے ہیں۔ میں نے صاف صاف بتایا سارا منصوبہ ہم

دونوں کا بنایا ہوا ہے اور ان بے گناہ دیہات میں کوئی خفیہ تنظیم کام نہیں کر رہی ہے۔

جب اس نے دیکھا مجھ سے کوئی راز نہیں اگلوا سکتا، تو وہ کرسی پر تن کر بیٹھ گیا۔ میں نے سوچا شاید سزا سنانے والا ہے۔

اس نے ان سب سزاؤں کا تذکرہ کیا جو وہ دینے کا اختیار رکھتا تھا اس سے پہلے وارسا میں اس نے پولینڈ کے باشندوں پر بے انتہا مظالم توڑے تھے اور بلا چون و چرا ہر ایک کو فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دیا تھا۔ اس نے لیبر کیمپوں کے متعلق بتایا جہاں لوگ مشقت کی چکی میں پس کر رہ جاتے۔ اگر قیدیوں کو ایسی سیلن زدہ کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جاتا جہاں چوہوں کی حکمرانی ہوتی، تو ان کا انجام اور بھی بھیانک ہوتا۔

میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔

اس نے چچا تلا لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر تھامس، جب تم زخمی ہو گئے، تو ان لوگوں نے تمہیں کریٹ سے ہسپتال تک پہنچایا جنہیں تم قتل کرنے کے درپے تھے۔''

''یہ ٹھیک ہے جناب!'' میں نے جواب دیا۔ اس کے رعب اور دبدبے نے میری زبان سے با آسانی ''جناب'' کہلوا دیا۔ بہر حال وہ مجھ سے سینئر بھی تو تھا۔

''تمہارا بہترین علاج کیا گیا۔ جرمن رائیش کے سوا دنیا کی کوئی طاقت قیدیوں کے ساتھ اس حسن سلوک کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔''

وہ سراسر بڑہانک رہا تھا۔ میں نے انتہائی سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''آپ کا یہ سلوک جنیوا کنونشن کے مطابق تھا۔''

''ہم جنیوا کنونشن کو نہیں جانتے، کیا بلا ہے؟ مسٹر تھامس! تیسری جرمن رائیش بیرونی قوانین کی ہرگز پابند نہیں۔ ہمارا سلوک جرمن عوام کے قومی کردار کا مظہر ہے۔''

میں چپ سادھے کھڑا رہا۔

''لیکن سوال کا مرکزی نکتہ یہ ہے۔'' اس نے میز پر مکہ مارتے ہوئے کہا۔ ''تم نے فرار ہونے کی کوشش کر کے ناسپاس گزاری کا ثبوت دیا، تم نے اپنی خدمت پر مامور افسروں اور جوانوں کو ذلیل کیا۔

تمہاری اس نمک حرمی کا سبب کیا ہے؟ تم فرار کیوں ہوئے؟'' اس نے تقریباً چنگھاڑتے ہوئے پوچھا۔

وہ رعب دکھاتے پر اتر آیا تھا۔ میں نے سوچا اگر اسے نرم کرنے کے لئے کچھ نہ کہا، تو نتائج بھیانک بھی ہو سکتے ہیں۔ پورے انٹرویو کے دوران میں اس کا رویہ خالص فوجیوں جیسا رہا۔

مجھے خیال آیا خود مجھے بھی فوجی وقار کے ساتھ جواب دینا چاہئے۔

''جناب!'' میں نے ہر ممکن سرد مہری سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے صرف ایک افسر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ آپ بھی اس امر سے آگاہ ہیں کہ میرا وقار اس بات کا شدید متقاضی ہے کہ میں فرار کی پوری پوری کوشش کروں۔ میں اپنی فوج میں دوبارہ شامل ہونے کا خواہاں تھا اور آپ ایسے ہی حالات میں مبتلا کسی جرمن افسر سے بھی یہی توقع کریں گے۔''

''میرا جواب تلخ بھی تھا اور کاٹ دار بھی۔ میں نے جرمن کپتان کے چہرے پر نظریں مرکوز کر دیں۔ وہ انتہائی بے چینی کے عالم میں کرسی پر بار بار پہلو بدل رہا تھا۔

اس کی خاموشی کا وقفہ بڑھتا گیا اور میں سانس روکے اس کے فیصلے کا انتظار کرنے لگا۔

جرمن کیپٹن نے مجھ سے پوچھا تھا تم فرار کیوں ہوئے اس کے لہجے سے عیاری بھی ٹپک رہی تھی اور بے حد غصہ بھی۔ ''ان لوگوں نے تمہیں زخمی حالت میں میدان جنگ سے اٹھا کر ہسپتال پہنچایا۔ جنہیں تم اپنی رائفل کا نشانہ بنا رہے تھے۔ تم نے فرار کی کوشش کر کے انتہائی کمینگی کا ثبوت دیا۔'' جرمن گستاپو کے کیپٹن کے یہ الفاظ میرے کانوں میں ابھی تک گونج رہے تھے۔

''میں نے ایک افسر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ قید کی حالت میں کسی جرمن فوجی سے بھی آپ یہی توقع کریں گے۔'' میں جانتا تھا میرا یہ جواب اس کی آتش انتقام کو مزید بھڑکا سکتا ہے، اس لئے شدید اضطراب کی کیفیت میں مبتلا اس کے ردعمل کا منتظر تھا..... لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے کسی ضدی بچے کے ہاتھ میں ٹافی تھما دی ہو۔

کیپٹن نے اپنا بھاری بھرکم جسم کرسی سے اٹھایا اور میز کا چکر کاٹ کر میری طرف مسکراتا ہوا بڑھا۔

''یقیناً، مسٹر تھامس، تم ٹھیک کہتے ہو۔'' اس نے گرم جوشی سے کہا۔ ''ہم افسروں کو اپنی عزت اور

وقار کے مطابق فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتنی چاہئے۔ تم فرار کی کوشش میں حق بجانب تھے۔"

میں حیران تھا یہ ماجرا کیا ہے۔ کیا اس کے لہجے میں تصنع کی جھلک تو موجود نہیں؟ کیا وہ میرا تمسخر تو نہیں اڑا رہا؟ میں خوف اور مسرت کی ملی جلی حالت میں گرفتار تھا۔

اس پوچھ گچھ کے نتیجے میں مجھے صرف پندرہ دن کی قید تنہائی کاٹنے کی سزا ملی۔ قید کے دوران میں صرف روٹی اور پانی پر گزارہ کرتا تھا۔ ہمیں جرمن گارڈ کے قریب دو مختلف کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا۔ خوش قسمتی سے یہ اچھی حالت میں تھیں اور ان میں سیلن اور غلاظت کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ گارڈ سارجنٹ نے سو اس قدر مہربانی کی کہ ہسپتال سے پلنگ بھی بھیج دیئے۔ جب میں نے آسٹریلوی اردلیوں کو کمبل اور چادر لانے کو کہا، تو سارجنٹ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ ہمارے لئے ہسپتال کی لائبریری سے کچھ کتابیں بھیج دی گئیں۔ اس طرح قید تنہائی کا پرسکون دور شروع ہوا۔

میں نے محسوس کیا کہ شروڈر پر ناکامی کا بڑا اثر پڑا ہے وہ اب خاموش سا رہتا تھا اور اس کی پھرتی ہوا ہو گئی تھی۔ میں اس سے کم عمر کا تھا مہم جوئی کے خواب دیکھتے دیکھتے اچانک میں نے اپنے آپ کو ایک عظیم مہم کے درمیان پایا، لیکن اگلے ہی لمحے زنداں کی سلاخوں نے مجھے نگل لیا۔ میرا شوق مہم جوئی، حسرتوں کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

میں نے پختہ عزم کر رکھا تھا کہ قید سے ضرور بھاگ نکلوں گا، اس لئے قطب نما اور کچھ نقدی میں نے بڑی چالاکی سے چھپالی تھی۔ مسئلہ سویلین کپڑوں کا تھا جو گارڈ روم کے آہنی سیف میں بند تھے۔ ایک روز شروڈر، اپنی سنجیدگی کے حصار سے باہر نکلا اور سویلین کپڑے حاصل کرنے کے لئے اس نے بڑی کارگر ترکیب سوچی۔ اس نے گارڈ سے شکایت کی کہ اسے خارش کی بیماری لاحق ہو گئی ہے، چنانچہ فوری طور پر اس کے کپڑے تبدیل کئے جائیں۔ اتفاق دیکھئے، جرمنوں کے پاس قیدیوں کے مخصوص پرانے کپڑے ختم ہو چکے تھے، اس لئے انہیں ہماری پوٹلی کھول کر اس میں سے ایک جوڑا شروڈر کو دینا پڑا۔ اسی شام کو میں نے بھی خارش کا بہانہ بنا کر سویلین کپڑے ہتھیا لئے۔

وارڈ کی دنیا بدل چکی تھی قید کی زندگی پر کوئی شخص مطمئن نہ تھا۔ روز فرار کے منصوبے بنتے اور

ٹوٹتے۔ ایک پیچیدہ کھیل شروع ہو چکا تھا جس کے آخری سرے پر آزاد زندگی تھی اس کھیل کے باقاعدہ قواعد ہوتے ہیں، لیکن آزادی سے ہمکنار ہونے کے لئے انسان کو جرأت دکھانی پڑتی ہے۔

تقریباً سب قیدیوں کے ذہن مختلف منصوبوں میں الجھے رہتے۔ کبھی تنخواہ کے رجسٹر میں گڑبڑ کر کے زیادہ رقم وصول کر لی جاتی جس سے مصر پہنچنے کے لئے کوئی کشتی کرائے پر لے لیتے، کبھی سنتریوں کو گارڈ روم میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا جاتا، کوئی جرمن وردی چرا کر بلا خوف وخطر ٹہلتے ٹہلتے ہسپتال سے باہر پہنچ جتا، کوئی گندے کپڑوں کی گٹھڑی میں چھپ کر بچ نکلتا، اس کوشش میں صرف یونانی دھوبی کو اعتماد میں لینے کی ضرورت تھی۔ بہرحال ان میں سے چند لوگ کامیاب ہوئے اور زیادہ تر ہماری طرح پکڑے گئے۔

شروڈر کو کچھ عرصہ بعد ایتھنز سے جرمنی پہنچا دیا گیا اس کے بعد میں نے اپنا رابطہ چند افسروں سے قائم کر لیا جو فرار کے منصوبوں پر غور کرتے رہتے۔ ان کا سرغنہ ایک تجربہ کار کیپٹن شین تھا۔

ہمارے سامنے کئی منصوبے آئے لیکن کوئی دل کو بھا نہیں رہا تھا ایک دن اچانک بڑی انوکھی ترکیب سامنے آئی۔ ہوا یوں کہ ایک لیفٹیننٹ جو کریٹ میں سنگین لگنے سے زخمی ہو گیا تھا، چل بسا، وہ پانچ ماہ تک موت کے خلاف جدوجہد کرتا رہا تھا خیر ہم بارہ افسروں کو حلفیہ پیرول پر اس کے جنازے میں شرکت کی اجازت ملی اس کی موت کی تصدیق ہو جانے کے چند گھنٹے بعد جنازہ اٹھا۔ ہم نے میت پر یونین جیک لپیٹ دیا یہ جھنڈا جنگ کے بعد ہم نے جرمنوں سے چھپا لیا تھا۔

جنازہ، ہسپتال سے باہر نکلا، تو سامنے ایک ٹرک کھڑا تھا اس پر ایک کارپورل اور تین آدمیوں کی گارد متعین تھی بہرحال جنازہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ایتھنز کے نواح میں پہنچ گئے۔ قبرستان کے چاروں طرف گارے اور پتھر کی بنی ہوئی دس فٹ اونچی دیوار تھی جرمن سنتری، قبرستان میں داخل ہو گئے۔ آگے بڑھے تو دو یونانی پادریوں نے قبر کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ بڑی خاموشی سے میت، قبر میں اتار دی گئی۔ اس کے بعد یونانی پادریوں نے قریب ہی ایک چھوٹے سے گرجے میں ہماری دعوت کی جرمنوں کی غیر موجودگی میں وہ ہمارے ساتھ کھل کر بات کر رہے تھے وہ بار بار اس امید کا اظہار کرتے کہ جلد ہی اتحادی، یونان میں پہنچنے والے ہیں۔

آدھ گھنٹے بعد ہم واپس ہسپتال پہنچ گئے رات کو کیپٹن شین میرے وارڈ میں آیا اس کی حرکات و سکنات سے یوں مترشح ہوتا تھا کہ کوئی انوکھا خیال اس کے ذہن کو سوجھا ہے ہم چھت پر چڑھ گئے جو اس وقت خالی پڑی تھی شین نے بڑے پراسرار طریقے سے اپنے منصوبے سے پردہ اٹھانا شروع کیا۔

شین نے سرگوشی کے انداز میں کہا: ''میں نے فرار کا ایک کامیاب راستہ تلاش کر لیا ہے۔''

میں نے بے چینی سے اس کی تفصیل دریافت کی وہ میرے اضطراب میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔

''اس بات کا قطعاً امکان نہیں کہ منصوبہ ناکام رہے۔'' اس نے اعلان کیا وہ ایک ایک لفظ پر زور ڈال رہا تھا۔

''شین، بتاؤ کیبھی آخر یہ ہے کیا؟'' میں نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔

''کیوں نہیں؟ اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو اخبارات شہ سرخیوں میں اس کی داستان شائع کریں گے اور فرار کتاب ہاتھوں ہاتھ بک جائے گی۔''

میں اس کی ''اگر'' پر غور کرتا رہا لیکن صبر کا پیمانہ آخر جھلک اٹھا اور میں نے اس کا دامن تھام لیا۔

''ہوئی نا بچوں والی بات!'' اس نے جھاڑ پلاتے ہوئے کہا۔ ''تم نوجوان بڑے جلد باز واقع ہوئے ہو۔ بتاؤ کیا آج جنازے کے دوران میں تمہیں فرار کا کوئی خیال نہیں آیا۔''

میں اس کی عقل کا ماتم کرنے لگا۔ ''انسان حلفیہ پیرول کو کیسے توڑ سکتا ہے؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''حلف توڑنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ذرا غور تو کرو!''

آخر اس نے تنگ کرنا چھوڑ دیا اور ایک براہ راست سوال پوچھا۔ ''آج جنازے میں ایک ایسا شخص بھی شریک تھا جسے پیرول کے بغیر ہسپتال سے نکلنے کا موقع ملا۔''

کون تھا وہ؟..... پادری..... ہاں وہی ہوگا۔ میں نے جھینپتے ہوئے کہا۔

''نہیں پادری نہیں۔'' اس نے ذرا وقفے سے کہا۔ ''کفن کے اندر لاش کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا وہ پیرول پر باہر نکالی گئی؟''

یہ کہہ کر وہ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تا کہ اپنے انکشافات کے اثرات مجھ پر مرتب ہوتے دیکھ سکے۔

میں نے جوش سے کہا۔ ''ہاں! ہاں! اگر وہ زندہ ہوتا تو اس وقت ایتھنز کے گلی کوچوں میں گھوم پھر رہا ہوتا اور جرمن فوج اسے تلاش کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کرتی۔''

کیپٹن شینن نے احساس برتری سے کہا۔ ''کیسی عمدہ اسکیم ہے۔ ہم باری باری ''مرتے'' رہیں گے اور پھر آزاد فضائیں میں ہماری ہوں گی۔ اگر حالات ایسے ہی رہے جیسے آج جنازے میں پیش آئے تو پھر ہر ''مردے'' کو صرف اتنی سی تگ و دو کرنا پڑے گی کہ وہ قبر کے سوراخ میں سے زور لگا کر باہر نکل آئے۔ گرجے میں پادریوں کے ساتھ چائے نوش کرے اور جنازہ لانے والی گاڑی، محافظوں سمیت وہاں سے رخصت ہو چکے تو وہ ٹہلتا ٹہلتا ایتھنز کے ہجوم میں گم ہو جائے۔''

''اس میں ایک احتیاط بڑی ضروری ہے اور وہ یہ کہ ''موت'' کی تصدیق خود ہمارا کوئی ڈاکٹر کرے۔'' میں نے ایک اہم نکتہ اٹھایا۔

''اب تک چار مریض راہی ملک عدم ہوئے۔ ہر بار موت کی تصدیق ہمارے قیدی ڈاکٹروں ہی نے کی۔'' شینن نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

اگلی صبح ہم نے ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کیا وہ اس منصوبے کی ندرت سے خوب محظوظ ہوئے لیکن انہوں نے تعاون سے گریز کیا اس لئے کہ منصوبہ ناکام ہو جائے، تو تمام تر ذمہ داری انہیں کے سر آئے گی، تاہم نیوزی لینڈ کے ایک نوجوان ڈاکٹر نے تعاون کی ہامی بھر لی۔ ہم نے قرعہ ڈالا کہ پہلے کون مرے گا اور اتفاق ملاحظہ ہو قرعہ میرے نام کا نکلا۔

آدھ گھنٹے کے اندر اندر میں چارپائی پر پڑا تھا اور ہسپتال میں یہ خبر گردش کر چکی تھی کہ مجھ پر بخار کا شدید حملہ ہوا ہے اور درجہ حرارت ۱۰۴ تک پہنچ چکا ہے لوگ میری صحت کے بارے میں سرگوشی کے انداز میں تشویش کا اظہار کرتے۔

پورے ایک ہفتے تک میرے سرہانے لٹکے چارٹ پر خطرے کے سائے منڈلاتے رہے۔ بعض

یونانی اردلی تو خاصے فکر مند دکھائی دیتے تھے انہوں نے ایسی سازگار فضا تیار کر دی جس کی ہمیں ضرورت تھی۔ ہسپتال کا قادری بھی باقاعدگی سے میری بیمار پرسی کے لئے آتا ہم نے اسے گانٹھ لیا تھا۔

۱۲ ستمبر ۱۹۴۱ء کو جمعہ تھا۔ اس روز صبح سویرے تین بجے میں نمونئے کی وجہ سے چل بسا۔ جمعہ کا دن مرنے کے لئے موزوں تھا کیونکہ لیفٹیننٹ برونگ، ایتھنز جا چکا تھا اور شام سے پہلے اس کی واپسی ناممکن تھی اس طرح تدفین کے لئے ہمیں بارہ گھنٹے مل گئے۔

جونہی صبح کی کرنیں پھوٹیں، میرے وارڈ میں غمزدوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ وہ میرا ماتم کر رہے تھے میں قسم کھا کر کہتا ہوں اگر میں فرار ہونے کے لئے نہ "مرا" ہوتا، تو ان لوگوں کی گردن دبوچ لیتا وہ میرے بارے میں انتہائی تحقیر آمیز جملے ادا کر رہے تھے۔

میں نے شین کو یہ کہتے سنا کہ جرمن سارجنٹ بڑا ہمدرد ثابت ہوا ہے اور وہ سہ پہر تک تدفین کے انتظامات مکمل کرا دے گا۔

میری موت کے ایک گھنٹہ بعد وارڈ میں ناشتہ تقسیم کیا گیا میرے اپنے پیٹ میں چوہے ناچ رہے تھے لیکن مجھے ایک اردلی کے یہ الفاظ برداشت کرنے پڑے۔ اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا۔ "بے چارے تھامس کو آج ناشتے کی ضرورت نہیں اس لئے ہم اس کے حصے کا ناشتہ اڑا جائیں گے۔"

دس بج چکے تھے اور میں ابھی تک چادر سے ڈھکا ہوا چارپائی پر دراز تھا کسی اردلی نے اضطراب انگیز لہجے میں کہا۔ "جرمن ڈاکٹر..... بھورے بالوں والا....."

مجھے فوراً خیال آیا یہ بھورے بالوں والا جرمن ڈاکٹر وہی تو نہیں جس نے کارنتھ میں میری مرہم پٹی کی تھی اور بعد میں بھی مجھ سے اظہار ہمدردی بھی کیا۔ "آہ! اسے آج ہی کے دن ہسپتال کا دورہ کرنا تھا۔" میں سٹپٹا کر رہ گیا۔

وارڈ کے آخری سرے پر شور سا ہوا اور پھر کوئی شخص جرمن زبان بولتا ہوا میری طرف بڑھنے گا، میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ مجھ پر شدید خوف کی حالت طاری تھی اس کے لہجے سے صاف پتہ چل رہا تھا وہی جرمن ڈاکٹر ہے وہ نپے تلے قدم اٹھاتا میرے قریب آ کر رک گیا۔

کسی شخص نے میرے اوپر سے چادر کھسکانا شروع کر دی میں نے سانس روک لینے کی ہر ممکن کوشش کی اگر چہ میری آنکھیں مکمل طور پر بند تھیں، تاہم میں نے ایک ہاتھ اپنے چہرے کی طرف بڑھتا ہوا محسوس کیا اور پھر کھیل ختم ہو چکا تھا..... میرے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا اور میں نے جرمن ڈاکٹر کی گھبرائی ہوئی نیلی آنکھوں میں جھانکا۔

اب کیا ہوگا؟ میرا دل ہول کھانے لگا۔ جرمن ڈاکٹر خوفزدہ ہو کر ایک دم پیچھے ہٹا اور پھر جیسے اس نے خوف پر قابو پا لیا ہو، وہ قہقہے پر قہقہے لگانے لگا۔ وہ ساتھ کے بستر پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنا پیٹ تھام لیا اور ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور پیٹ میں بل پڑ گئے اور پھر سب لوگ اس کی ہنسی میں شریک ہو گئے پورا وارڈ زعفران زار بن گیا۔

ہمارا یہ منصوبہ ابتدائی مرحلے ہی میں ناکام ہو گیا، تاہم جرمنوں نے کوئی ایکشن نہ لیا میرا خیال ہے لیفٹیننٹ برونگ کو اس واقعے کی اطلاع بھی نہ ملی..... گر ہماری مایوسی تو اپنی جگہ پر قائم تھی۔

اس ناکام کے باوجود میں نے بعد میں اپنے آق کو فرار کے لئے ہمہ وقت تیار رکھا۔ ایک صبح میں ہسپتال کے سامنے گھاس کے میدان میں لیٹا ہوا تھا میری جیب میں زخم پر لگانے کے لئے لوشن اور پٹیاں تھیں، قمیض کے نیچے ایک چھوٹے سے تھیلے میں خشک روٹی کے ٹکڑے چھپا رکھے تھے جو تین دن تک کافی رہتے اور زخم پر بندھی ہوئی پٹی میں کرنسی نوٹ موجود تھے۔

کئی دنوں سے ہسپتال آنے جانے والی گاڑیوں کو بغور دیکھ رہا تھا تا کہ جونہی موقع ملے، آنکھ بچا کر کسی گاڑی میں چھپ جاؤں اور یوں قید کی زندگی سے نجات حاصل ہو جائے۔ اس خاص صبح کو چھ کاریں اور دو گاڑیاں ہسپتال آئیں، لیکن تین سنتریوں نے بھاگ نکلنے کے مواقع تقریباً ختم کر دیئے وہ ڈیوٹی پر تو نہ تھے لیکن صبح کی خنکی میں سگریٹ سلگائے یونہی ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔

میں فرار کا ارادہ ترک کر کے لنچ کے لئے واپس مڑنے ہی والا تھا کہ صورت حال تبدیل ہو گئی ایک چمکیلی کار، تیز رفتاری سے ہسپتال کی طرف بڑھتی دکھائی دی اور تینوں سنتری یہ اندازہ کر کے کہ کوئی اعلیٰ افسر معائنے کے لئے آ رہا ہے، گارڈ روم میں گھس گئے اتنے میں کار، پھاٹک سے گزر کر رک گئی۔ چاق و چوبند

سنتری نے کار میں سے نکلنے والے کوتاہ قد میجر کو سلیوٹ کیا نووارد میجر نے پے دھیانی سے ہسپتال کا رخ کیا۔

مجھے بھاگ نکلنے کا سنہری موقع میسر آ گیا۔

سنتری کے بالکل سامنیراشن لانیوالا ٹرک کھڑا تھا اور وہ کسی وقت بھی روانہ ہونے والا تھا میں نے دعا کی کاش! نووارد میجر اس کی روانگی سے پہلے یہاں سے نکل جائے۔ میں نے یونہی چہل قدمی شروع کر دی۔ سنتری نے ایک دو بار میری طرف دیکھا اور پھر چوکس ہو کر میجر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

لمحے طویل ہو گئے تھے اور تب میں نے سنتری کے بوٹوں کی کھٹاک سنی۔ میجر واپس آ چکا تھا اس نے کار اسٹارٹ کی اور پھر مجھ سے پانچ قدم کے فاصلے پر گزر گیا۔

اب یا پھر کبھی نہیں۔ میرے سامنے سنہری موقع تھا میں نے پہیے پر پاؤں رکھا اور ٹرک کی سائڈ سے اس کے اوپر چڑھ کر اپنے آپ کو اس کے اندر گرا دیا پیچھے لگا ہوا تختہ مجھے سنتری کی نظروں سے چھپائے ہوئے تھا لیکن ہسپتال کی چھت پر دھوپ تاپنے والے مریض سارا منظر دیکھ رہے تھے میں نے ان کی طرف دیکھا وہ میرا مطلب سمجھ گئے اور انہوں نے میری طرف سے نظریں ہٹا لیں، تاہم ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا مجھے ڈر تھا کہیں سنتری ان کی نظروں کو نہ بھانپ لے، ورنہ میرا راز فاش ہو جائے گا۔

ایک ایک سیکنڈ کئی گھنٹوں پر حاوی تھا دس منٹ بعد ڈرائیور آ گیا اس نے ٹرک موڑنے کے لئے تھوڑا سا اسے پیچھے ہٹایا اور پھر اس کا رخ آزاد فضاؤں کی طرف ہو گیا۔ فیصلہ کن گھڑی آ چکی تھی ڈرائیور نے سنتری سے ہنسی مذاق کی کوئی بات کی اور پھر ٹرک کی رفتار تیز کر دی۔

میں ہر ممکن طور پر ٹرک سے چھٹا ہوا تھا مگر شومئی قسمت کہ میری ٹانگوں پر سے پتلون کچھ ابھی ہوئی تھی اور اس پر سنتری کی نظر پڑ گئی اس نے زور سے سیٹی بجائی انجن کے شور میں ڈرائیور کو سیٹی سنائی نہ دے سکی مجھے اب بھی امید تھی کہ بچ نکلوں گا لیکن اگلے ہی لمحے فضاء میں گولیاں چیخنے لگیں ایک گولی پچھلے ٹائر میں لگی اور ڈرائیور نے خطرے کی بو سونگھ کر ٹرک روک دیا۔

اس بار بھی خوفزدہ ہونے کی بجائے مایوس زیادہ تھا۔ پوری گارد چیختی ہوئی میری طرف بڑھ رہی تھی

میں چھلانگ لگا کر ٹرک سے اترا اور آہستہ آہستہ ان کی طرف چل دیا سارجنٹ کے بیچ بچاؤ سے کوئی شخص وحشیانہ حرکت کا ارتکاب نہ کر سکا میں گیٹ سے گزر کر ہسپتال میں داخل ہوا تو مجھے نظروں کے ایک سمندر کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ اور بات ہے کہ ان نظروں میں ہمدردی کی جھلک بھی موجود تھی۔

مجھے تہ خانے میں لے جا کر پرانے سیل میں بند کر دیا گیا میرا خیال ہے وہ میری واپسی سے مطمئن تھے لیکن ان کی تمام تر ہمدردی کے باوجود مجھے اچھی طرح احساس تھا آئندہ میں نے فرار کی کوشش کی تو ان میں سے ہر ایک میرا کھیجا گولی سے اڑا دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے گا۔

لیفٹیننٹ برونگ پھنکارتا ہوا میرے سیل میں آیا تمام محافظ چوکس ہو کر کھڑے ہو گئے میں بھی آہستہ آہستہ کھڑا ہوا، تاہم میں نے اسے مزید اشتعال دلانے والی ہر حرکت سے اجتناب کیا وہ تو پہلے ہی غصے سے کھول رہا تھا میری ذرا سی بدنما حرکت پر وہ پستول کی لبلبی دبا سکتا تھا جسے وہ بے پروائی سے مجھ پر تانے ہوئے تھا۔

برونگ نے میرے بارے میں جو ہدایات دیں ان کا مجھے اس وقت علم ہوا جب میں نے مرہم پٹی کرانے کے لئے ہسپتال جانے کی اجازت مانگی، اجازت تو دے دی گئی، کوئی محافظ بھی ساتھ نہ گیا مگر یہ سختی سے ہدایت کی گئی کہ جلد سے جلد فارغ ہو کر واپس چلا آؤں۔ بہر حال میں میڈیکل آفیسر کے پاس پہنچا اور ابھی وہاں گئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک محافظ لینے آ گیا میں نے ہر چند احتجاج کیا کہ ابھی تو پٹی بھی نہیں کرا سکتا لیکن سب کچھ بے اثر ثابت ہوا ناچار مجھے اس کے ساتھ جانا پڑا۔

باہر ایک اسٹاف کار ہماری منتظر تھی۔ محافظ نے مجھے اس میں دھکیلا اور خود میرے ساتھ بیٹھ گیا اتنے میں سارجنٹ بھی معذرت خواہانہ انداز میں کار میں گھس چکا تھا میں نے اندازہ لگایا مجھے آرمی ہیڈ کوارٹر میں اسی مغرور کیپٹن کے سامنے پیش کیا جائے گا جس نے پہلے مجھے سزا سنائی تھی بہر حال میں مطمئن تھا۔ زیادہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

ہم ایتھنز کی پر پیچ سڑکوں سے گزرے۔ شہر پر بعد میں ہلاکت اور بربادی کے جو سائے مسلط ہوئے ابھی ان کا نام و نشاں نہ تھا دکانیں سامان سے بھری ہوئی اور گاہکوں کا ہجوم تھا انگوروں کے گچھوں کے

لئے دل لڑا للچایا۔ سارجنٹ نے میری درخواست پر کار رکوادی میں نے انگور خریدنے کے لئے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر محافظ کے ہاتھ میں تھمایا، تو وہ دم بخود رہ گیا میری بار بار تلاشی لی جا چکی تھی اس کے باوجود اتنی بڑی رقم میرے پاس تھی!!

آرمی ہیڈ کوارٹ پہنچ کر ہم کار سے اترے میں نے بڑی ہوشیاری سے محافظ کی سیٹ پر انگور پھینک دیئے تھے وہ ان کے اوپر بیٹھا تو اس کی پتلون پر بدنما داغ پڑ گئے اس ہیئت کذائی میں وہ میرے ساتھ افسروں کے سامنے تو جا نہیں سکتا تھا، اس لئے سارجنٹ نے اسے کار ہی میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔

عمارت پر نظر پڑی تو میرا سب سے پہلا تاثر یہ تھا کہ یہاں کوئی اہم شخصیت معائنے کے لئے آنے والی ہے مختلف لوگ کاموں میں مصروف تھے دروازے رنگ ہو رہے تھے لان کی صفائی کی جا رہی تھی، ہر آدمی کسی نہ کسی کام میں الجھا ہوا تھا، یہاں تک کہ گیٹ پر کھڑا ہوا سنتری بھی کسی یونانی لڑکی کو ہدایات دینے میں محو تھا اور اس نے ہمارا کوئی نوٹس نہ لیا۔

ہم ایک کاریڈور سے ہو کر کیپٹن کے دفتر کے سامنے رک گئے۔ سارجنٹ، دروازے پر دستک دینے کو آگے بڑھا، پھر اس کے قدم اچانک رک گئے وہ کسی گہری تشویش میں مبتلا تھا۔ ممکن ہے سوچ رہا ہو کہ سنتری کو یہاں ضرور ہونا چاہئے تھا۔

بالآخر اس نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے کسی نے جواب دیا اور قدرے ہچکچاہٹ سے سارجنٹ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا اور ساتھ ہی میں بھی۔ آٹھ نو افسر ہماری آمد سے ڈسٹرب ہو گئے کسی نے چنگھاڑ کر سارجنٹ سے سوال کیا۔ تمہیں یہاں کس نے بلایا؟ سارجنٹ نے میرے بارے میں مختصر طور پر بتایا۔

وہی آدمی پھر برسا۔ ''اس انگریز سور کو جہنم میں لے جاؤ۔''

سارجنٹ نے جھینپ کر سلیوٹ کیا اور رخصت چاہی ہم باہر نکل آئے، تو اندر سے پھر بلاوا آ گیا۔ سارجنٹ نے دروازہ بند کیا، تو میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح لہرایا۔

''دروازہ بند ہو چکا ہے، اندر تیز تیز سوال و جواب کا تبادلہ ہو رہا ہے، کیوں نہ بھاگ نکلوں؟''

سوچنے کی زیادہ ضرورت نہ تھی۔ کسی شخص کو علم نہ تھا میں پوچھ گچھ کے لئے یہاں لایا گیا ہوں مجھ پر کوئی شک نہ کرے گا، چنانچہ میں تیزی سے پلٹا اور کاریڈور کو عبور کر کے ہال کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہاں ایک عورت، جھاڑو اور ٹوکری لئے صفائی میں مصروف تھی میں نے جھپٹ کر دونوں چیزیں چھین لیں وہ دیکھی ہی رہ گئی اور سمجھ نہ سکی کیا معاملہ ہے اس نے میرا پیچھا بھی نہ کیا شاید سوچتی ہوگی چلو صفائی کی مصیبت تو ٹلی۔

آرمی ہیڈ کوارٹر کے گیٹ پر سنتری ابھی تک لڑکی کو ہدایات دینے میں مصروف تھا، میں نے ٹوکری سر پر رکھ لی تھی سنتری نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی سامنے دو سڑکیں تھیں۔ بائیں طرف وہ کار کھڑی تھی جس میں مجھے یہاں لایا گیا تھا میں اس سے بچنے کے لئے دائیں طرف مڑ گیا اور خرید و فروخت میں مصروف لوگوں کے ہجوم میں غائب ہو گیا۔

اب بالکل آزاد تھا۔

ابھی سو گز بھی نہ گیا تھا کہ میری قوت ارادی کمزور پڑنے لگی میں نے خاکی رنگ کی فوجی قمیض پہن رکھی تھی دونوں شانوں پر ایک پھول میرے عہدے کی غمازی کر رہا تھا مجھ پر خواہ مخواہ ہر ایک کی نظر پڑ سکتی تھی کئی جرمن سپاہیوں نے میری طرف غور سے دیکھا، لیکن سنگین صورت حال رونما نہ ہوئی چند گز اور آگے بڑھا تو چھوٹے چھوٹے یونانی بچے، انگریز..... انگریز..... کہتے ہوئے میرا پیچھا کرنے لگے۔ پریشانیاں مجھے گھیرے میں لے رہی تھیں۔

میں سوچ رہا تھا شہر سے جلد از جلد نکلنے کا طریقہ کیا ہے اسی وقت سامنے جرمنی ملٹری پولیس کے دو نوجوان نظر آئے میں ان سے کسی طرح بھی بچ کر نہ نکل سکتا تھا چنانچہ دائیں طرف ایک ریستوران میں گھس گیا وہاں دروازے کے قریب ہی وہ دو جرمن شراب نوشی میں مصروف تھے انہوں نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور پھر شراب کے جام میں غرق ہو گئے۔

میں ایک کونے میں خالی میز دیکھ کر وہاں بیٹھ گیا۔ گھڑی کی سوئیاں رک سی گئی تھیں۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو کر رہ گئی۔ کسی منصوبے پر غور کرتا، تو کرسی سے حرکت کرتے وقت بدن میں سردی

کی لہر دوڑ جاتی، میں یہ بھی جانتا تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے بھاگ نکلنے کے مواقع گھٹتے چلے جا رہے تھے صرف ایک اطمینان تھا کہ شاید غیر معمولی خوش قسمتی ساتھ دے، تو سارا دن ہوٹل میں بحفاظت گزار لوں اور رات کے اندھیرے میں یہاں سے کھسک جاؤں۔

ہوٹل کا یونانی مالک اضطراب کی کیفیت میں گرفتار ادھر ادھر میزوں کے درمیان گھوم پھر رہا تھا۔ یقیناً اس نے مجھے پہچان لیا تھا اور اب اپنی اضطرابی حالت چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کسی بھگوڑے کو پناہ دینے کی سخت سزا دی جاتی۔ اس کی ہولناکیاں اسے کسی فیصلے پر پہنچنے میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ بالآخر اس نے میرے ساتھ والی میز پر براجمان ایک یونانی جوڑے سے آرڈر وصول کیا اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد شراب کی بوتلیں لے آیا ایک ان کے سامنے رکھ لی اور دوسری میری خدمت میں پیش کر دی۔ میں اس کی عنایت کا از حد شکر گزار ہوں، لیکن مجھے اس سے زیادہ تحفظ درکار تھا اور معلوم ہوتا تھا وہ اس حد سے آگے قدم نہیں رکھنا چاہتا۔ بہر حال اس بے کسی کی حالت میں اس نے مقدور بھر تعاون کا ثبوت دیا تھا۔

ہوٹل کے اندر فضا ابھی تک پر سکون تھی۔ جرمن فوجی مجھ میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے تھے۔ باقی لوگ بھی اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے ایک گھنٹہ گزر گیا میں نے شراب کی بوتل ختم کر لی۔ ہوٹل کا مالک ایک اور بوتل اٹھا لایا۔ یونانی جوڑا جا چکا تھا لیکن جرمن فوجی تو یوں بیٹھے تھے جیسے سہ پہر تک یہیں رہیں گے مگر جس انداز سے وہ جام پر جام چڑھا رہے تھے اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ ان کے حواس جلد ہی جواب دے جائیں گے اور پھر وہ کسی سنجیدہ خطرے کا باعث نہ بن سکیں گے۔

شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ فضا میں غیر معمولی طور پر کچھ تغیر سا رونما ہوا۔ ہوٹل کا مالک گھبراہٹ کے عالم میں میرے پاس آیا۔ اس نے کہا۔ ''جلدی میرے پیچھے چلے آؤ۔ باہر سڑک پر ملٹری پولیس تمہاری تلاش میں سرگرداں ہے۔'' اور پھر اس نے عقبی دروازے سے مجھے ایک تنگ گلی میں دھکیل دیا۔ میں نے بھی تہیہ کر لیا یہ میری آخری کوشش ہوگی اور جلدی ہار نہ مانوں گا، چنانچہ اندازے سے ایک سمت چل کھڑا ہوا۔ تنگ گلی دفعتہً ختم ہوگئی اور میں نے اپنے آپ کو بڑی سڑک پر پایا۔ دور ایک جیپ پر بیٹھے ہوئے جرمن سپاہیوں نے شاید میرا ہیولیٰ سا دیکھ لیا، روشنیاں میری طرف بڑھنے لگیں، میں نے سر چھپانے

کی جگہ تلاش کرنے کے لئے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ خوش قسمتی سے قریب ہی سڑک پر پل بنا ہوا تھا، فوراً اس کے نیچے گھس گیا۔ جیپ پل کے عین اوپر آ کر رک گئی۔ جرمن فوجی کود کر اس سے اترے۔ ان کی باتیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر تک وہ دوربینوں سے چاروں طرف دیکھتے رہے اور پھر مایوس ہو کر جیپ میں بیٹھ کر چل دیئے۔ اب گھپ اندھیرا چھا گیا تھا، لیکن میری آزادی کی راہیں روشن تر ہو گئیں۔ میں یونان سے ترکی پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ معلوم نہیں اس سارجنٹ کا کیا حشر ہوا جس کی ذرا سی کوتاہی نے مجھے بھاگ نکلنے کا سنہری موقع عطا کر دیا تھا۔

ٹینک سے فرار

یہ ۱۹۴۰ء کے نہ ختم ہونے والے موسم گرما کا آغاز تھا۔ جنگ شروع ہو چکی تھی۔

صاف نیلیا آسمان پر شورج، بلجیم کے اوپر گرم گرما شعاعیں ڈال رہا تھا۔

''ڈرائیور، دائیں طرف پیش قدمی کرو، دائیں طرف، دو پاؤنڈر توپ بائیں طرف گھماؤ، بائیں طرف۔ مسلسل ادھر.....''

جب ٹینک آڑ سے نکل کر ریلوے لائن کے اوپر چڑھا، تو ٹینک کمانڈر سارجنٹ برنیز کا خیال تھا کہ اس طرح وہ دشمن سے بخوبی نمٹ سکے گا۔ وہ اس وقت جنرل وان باخ کی فوج کے بی گروپ کے عین سامنے تھا۔

''توپ مزید بائیں طرف گھماؤ.....''

وہ سوچ رہا تھا نوے درجے سے توپ، دشمن کی اگلی گاڑیوں کا صفایا کر دے گی اور بیسا مشین گن، رینگ رینگ کر بڑھنے والے نازی فوجیوں کو بھون کر رکھ دے گی۔ ٹینک کی رفتار پانچ میل فی گھنٹہ تھی اور وہ پوری طرح ریلوے لائن کے اوپر ابھی نہ چڑھا تھا۔ پشتے کے دوسری طرف کھیتوں میں سے جرمنوں کی لہر

بڑھتی چلی آ رہی تھی اور ادھر برطانوی توسیعی فورس اس سے دو دو ہاتھ کرنے کی منتظر۔

برنیز کا اسکواڈرن، برطانوی فورس کے انتہائی داہنی جانب متعین تھا اور خود برنیز کا ٹروپ اپنے یونٹ کے دائیں پہلو تھا اس سے آگے کچھ فاصلے پر پہلی فرانسیسی فوج جرمنوں کے مقابلے میں مورچہ زن تھی، مگر اس کا برطانوی فوج سے کوئی رابطہ نہ تھا، اسی لئے برنیز کے ٹروپ کمانڈر لیفٹیننٹ پارکر نے وائرلیس پر اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا:

''برنیز، خدا کے لئے دیکھو، یہ فرانسیسی کہاں ہیں؟ مجھے فوراً مطلع کرنا۔''

فرانسیسیوں کی طرف جانے والا قدرتی راستہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ایک سڑک تھی، مگر اس وقت غوطہ خور بمباروں نے اسے جگہ جگہ سے اڑا کر رکھ دیا تھا، چنانچہ برنیز نے فیصلہ کیا، صرف ایک راستہ باقی ہے..... اور وہ ہے ریلوے لائن جو بدقسمتی سے دشمن کے بالکل سامنے تھی۔ اسے یہ راستہ اختیار کرتے ہوئے ذرا بھر تشویش نہ ہوئی۔ ٹینک ۷۰ ملی میٹر موٹے فولاد سے بنا ہوا تھا اور کوئی بھی ہلکا ہتھیار اس پر خراش ڈالنے کے سوا کچھ نقصان نہ پہنچا سکتا تھا اور پیش قدمی کرنے والے جرمن دستوں کے پاس بھاری ہتھیار نہ تھا۔ ان کی توپیں پہلے ہی برطانوی فورس کے عقب میں گولہ باری کر رہی تھیں اور اگر اسے ہدف بنانے کی کوشش کی گئی، تو وہ فوراً ریلوے لائن کی آڑ میں ہو سکتا تھا۔

ٹینک کا عملہ ان افراد پر مشتمل تھا: ٹینک ڈرائیور، ٹروپر رینالڈ، توپچی ٹروپر ڈیوس، گولے بھرنے والا کارپورل پان اور ٹینک کمانڈر برنیز۔

ٹینک کا بایاں چین ایک جھٹکے کے ساتھ ریلوے کی پٹڑی کے اوپر چڑھا اور پھر رینالڈ نے اسے مزید دائیں طرف گھمایا تاکہ اس کا دایاں چین پٹڑی کے باہر رہے۔ سارجنٹ برنیز نے دوربین کے ششوں میں سے دیکھا، فورلا دی ہلمٹ پہنے ہوئے جرمن ایک طوفان کی طرح لہر در لہر بڑھتے آ رہے تھے کسی کے ہاتھ میں رائفل تھی، کسی کے پاس مشینی پستول اور کوئی مشین گن سنبھالے تھا اس نے مائیکروفون پر گنر ڈیوس کو حکم دیا: ''دو پاؤنڈر، چھ سو۔''

ڈیوس نے رینج درست کی۔ ''بائیڈ طرف گھماؤ۔'' اسے مزید ہدایت موصول ہوئی۔

''ٹینک شکن توپ۔'' برنیز چلایا اور ساتھ ہی ٹینک پر چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔

''فائر کرو!''

ڈیوس نے ٹریگر دبا دیا۔ جھٹکا لگنے سے پورا ٹینک لرز کر رہ گیا۔ برنیز کی آنکھیں دھماکے پر لگی تھیں۔ سفید سا دھواں اٹھا اور پھر دور ٹینک شکن توپ کے پرخچے فضا میں بکھر گئے۔ برنیز نے تازہ احکام جاری کئے:

''بیسا.....''

مشین گن سے تڑتڑ گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ دوسری بوچھاڑ کے لئے ڈیوس نے بیسا کو تھوڑا سا اور اونچا کر دیا۔ یہ ایک بار پھر چنگھاڑی۔ جرمنوں کی دوسری لائن بھی کٹ گئی۔

ٹروپ کمانڈر پارکر نے وائرلیس پر پوچھا۔ ''کیا صورت حال ہے؟ برنیز۔''

''جرمن یلغار آ رہی ہے..... وہ چند سیکنڈ میں تمہارے سر پر ہوں گے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے، یہ پھیلے ہوئے ہیں، اوور!''

پارکر نے دوبارہ پوچھا: ''لیکن فرانسیسی کہاں ہیں؟'' ''برنیز، انہیں بھی کہیں دیکھا ہے یا نہیں؟''

''ابھی تک نہیں۔ میں جلد ہی مطلع کروں گا۔''

ٹینک کا ڈھکن بند تھا اور برنیز کو باہر کا منظر دیکھنے کے لئے دوربین پر انحصار کرنا پڑا تھا۔ اب اسے گولی چلنے کی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ اس لئے وہ ڈھکن کھول کر کھڑا ہو گیا۔ ریلوے لائن کے دور و نزدیک کوئی جرمن فوجی نہ تھا۔ اکا دکا الٹے پاؤں بھاگ رہے تھے، کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ چکے تھے۔ انہیں مزید خوفزدہ کرنے کے لئے بیسا مشین گن نے قاتل گولیاں اگلیں۔

سارجنٹ برنیز نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ ''ٹینک پوری رفتار پر چلاؤ۔''

رینالڈ نے آہستہ آہستہ رفتار بڑھا دی اور اب وہ سوچ رہا تھا، برنیز کا نیا حکم کیا ہوگا؟

ٹینک کے بائیں طرف بلجیم کے کھیت دور تک پھیلے ہوئے تھے اور آگے سیاہ دھوئیں کے غلاف

نے انہیں ڈھانپ لیا تھا جو رائل ایئر فورس اور برطانوی توپ خانے کی گولہ باری کا نتیجہ تھا۔ اس پردے کے آگے چھوٹے چھوٹے ہیولے یوں لگ رہے تھے جیسے چیونٹیوں کا لشکر پریشان پھر رہا ہو۔

وائرلیس پر کسی شخص کی بے تاب آواز سنائی دے رہی تھی۔ ''ہیلو! ہیلو! میں ٹروپ کمانڈر پارکر ہوں۔ برنیز، کیا رپورٹ ہے؟''

''میں برنیز ہوں۔ ابھی ہمارے دوستوں کا کوئی نشان نہیں ملا۔ میں چوتھائی میل آگے بڑھ آیا ہوں اوور!''

''برنیز، کیا تمہیں اس کا یقین ہے۔ مجھے بریگیڈ کو رپورٹ کرنی ہے۔ مجھے حتمی جواب ملنا چاہئے۔''

''میں یقین سے کہہ رہا ہوں۔ اس وقت ٹینک عام سطح سے پچیس فٹ بلند ہے سارا منظر واضح ہے۔ فرانسیسیوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ میں چوتھائی میل آگے بڑھ آیا ہوں۔ کیا مزید آگے بڑھوں یا واپس آ جاؤں؟''

''چوتھائی میل اور آگے جاؤ۔ پھر مجھے رپورٹ کرو۔''

''ٹھیک ہے جناب۔'' برنیز نے جواب دیا اور وائرلیس خاموش ہوگئی۔

چوتھائی میل کوئی زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ ٹینک مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ تیر کی طرح سیدھی ریلوے لائن کچھ دور جا کر پہاڑیوں میں غائب ہو جاتی تھی۔ سرنگ کا محراب نما دہانہ برنیز کو نظر آ رہا تھا۔ اگرچہ فاصلہ کم تھا، لیکن وقت کا عامل انتہائی اہم تھا اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ دو تین منٹوں میں جرمن اپنے توپ خانے کا فائر اس پر گرا سکتے تھے۔ ممکن ہے اب تک وہ وائرلیس پر فائر کی مدد مانگ چکے ہوں۔ بالکل سیدھی ریلوے لائن جرمنوں کا کام مزید آسان بنا سکتی تھی۔

اس کی نظروں کے سامنے اٹرکس کے کھنڈرات اپنی تباہ حالی پر نوحہ کناں تھے..... لیکن فرانسیسی مورچوں کا کوئی نشان نہ مل رہا تھا۔

ریلوے سرنگ بہت نزدیک تھی۔ صرف دو سو گز کا فاصلہ ہوگا ٹینک کی حرکت سے سیاہ محراب

نزدیک تر ہوتی جا رہی تھی۔ میدان جنگ سے ہٹ کر یہاں بھی خاصا شور تھا۔ بھاری توپ خانے کے دھماکے، سروں سے اوپر سائیں سائیں کر کے گزرنے والے گولے اور پس منظر میں مشین گنوں کی چنگھاڑ۔ اس کے ساتھ ساتھ برنیز، اٹرکس کے کھنڈرات میں اس قدر محو ہو چکا تھا کہ وہ آسمان کی طرف نہ دیکھ سکا..... اور پھر اچانک ایک طیارہ ٹینک کے اوپر غوطہ لگا رہا تھا اس کی توپیں تڑتڑ گولیاں برسا رہی تھیں۔ برنیز نے ڈھکنا بند کر دیا۔ جلدی میں اپنی انگلیاں بھی زخمی کر بیٹھا..... لیکن وہ پھر بھی دیر کر چکا تھا..... ایک گولی اس کے ساتھ ہی ٹینک میں گھس آئی اور چند ملی میٹر کے فاصلے پر اس کے قریب سے گزر گئی۔

ڈھکنا بند ہونے کی صورت میں ایم کے ٹو ماٹلڈ ٹینک کے سوار اپنے آپ کو ہر شے سے محفوظ تصور کر سکتے تھے، ماسوائے براہ راست نشانے کے، لیکن بدقسمتی سے گولی اندر داخل ہو جاتی، تو وہ ٹینک جو چند لمحے قبل ایک آرام دہ جنت تھا، وہ پلک جھپکتے میں دہکتا ہوا جہنم ثابت ہوتا۔

چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی۔ اس دوران میں رینالڈ، ٹینک کو پوری رفتار سے دوڑاتا رہا۔ پان نے سب سے پہلے مہر سکوت توڑتے ہوئے کہا: ''میرا خیال ہے گولی وائرلیس سیٹ میں دھنس گئی ہے۔''

برنیز نے مواصلات کے آلات چیک کئے اور پھر پان کی طرف دیکھا جو سیٹ کا تفصیلی معائنہ کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں شکوک وشبہات کے سائے تیر رہے تھے پھر اس نے ڈھکن کھولا اور صاف آسمان پر نظر دوڑائی۔ مشرق کی طرف سے تیر کی فارمیشن میں سٹوکا غوطہ خور بمبار ٹینک کی طرف محو پرواز تھے۔ وہ فوراً انٹرکام پر چلایا:

''رینالڈ، ہم پر دوبارہ حملہ ہونے والا ہے۔ خیریت چاہتے ہو تو جلد از جلد ٹینک سرنگ کے اندر پہنچاؤ۔

ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔ نبض کی حرکت سست پڑ گئی تھی اور اعصاب تن گئے تھے.....

برنیز جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹینک کے سوراخ میں سے سر باہر نکالے کھڑا رہا۔ وہ سٹوکا بمباروں کی حرکت پر نظر رکھنا چاہتا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا یہی طیارے پولینڈ میں اتحادیوں کے لئے مہیب جن ثابت ہوئے تھے۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ وہ اس جنگ میں مر سکتا ہے، لیکن فی الحال نہیں،

ابھی اسے زندہ رہنے کی امید تھی۔ وہ پہلے جرمنی کو تباہ و برباد ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔

سرنگ قریب آ چکی تھی اور طیارے بھی کوئی ہزار گز دور تھے۔ سب سے اگلے بمبار نے اس کے سر پر پہنچ کر غوطہ لگایا اور ساتھ ہی اس کے پیٹ سے سیاہ انڈے باہر نکلے۔ برنیز نے برق رفتاری سے ٹینک کا ڈھکن بند کر دیا اور دوربین گھمائی تاکہ سرنگ دکھائی دیتی رہے۔

''پوری بتیاں جلا دو۔'' اس نے سرنگ کے دہانے سے چند فٹ دور پہنچتے ہوئے حکم دیا۔

کئی انچ موٹے فولاد کے اندر بھی بمبار کی چیخ صاف سنائی دے رہی تھی۔ ٹینک کے انجن کا شور، جہازوں کی گڑگڑاہٹ میں دب گیا تھا پان نے سوچا، اب کے نشانہ براہ راست لگے گا۔ اس نے ڈیوس کی طرف دیکھا، مگر وہ توپ کی گردش میں محو تھا، اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور پیشانی ٹھنڈے پسینے سے تربتر..... پان نے برنیز کا جائزہ لیا، وہ دوربین میں سے سرنگ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ میرے خدا! یہ کس قدر مضبوط اعصاب کا مالک ہے پان نے سوچا۔ ٹینک کی ڈرائیونگ سیٹ پر رینالڈ بھی دو مختلف خطات میں گھرا ہوا تھا۔ جوں جوں سرنگ نزدیک آ رہی تھی، اس کے خوف میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا، اسپین کی خانہ جنگی میں بمباری سے بچنے کے لئے ایک اسکاؤٹ کار جونہی اس قسم کی ریلوے سرنگ میں داخل ہوئی، آگے سے پوری رفتار پر ایکسپریس ٹرین آ رہی تھی..... لیکن پھر یہ سوچ کر وہ دل کو تسلی دے لیتا کہ یہاں میدان جنگ میں کون گاڑی چلانے کی جرات کرے گا؟ غار کا دہانہ اس کی طرف بڑھا اور ساتھ ہی بم پھٹ گیا۔

دھماکے نے ٹینک کو لرزا کر رکھ دیا۔ اس قدر شور اٹھا کہ ان کے کان بہرے سے ہو گئے۔ پھر انہیں دوسرے غوطہ خور بمبار کی آواز سنائی دی..... پہلے سیٹی، پھر چیخ۔ برنیز نے سوچا، اب کے بم عین ڈھکن کے اوپر لگے گا۔ پان کا رنگ کاغذ کی طرح سفید ہو چکا تھا۔ ڈیوس کی نظریں توپ پر جمی تھیں جیسے اس کی زندگی کا انحصار اسی پر ہو۔

دوسرا بم بھی ٹینک سے چند گز پیچھے پھٹا۔ ٹینک ایک کھلونے کی طرح ڈگمگایا۔

ڈرائیور نے ٹینک کو آخری رفتار پر چھوڑا ہوا تھا۔ اب وہ مخالف سمت سے آنے والی گاڑیوں کو

بالکل فراموش کر چکا تھا اور ہر قیمت پر ٹینک کو بخیر و عافیت اندر داخل کر دینا چاہتا تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی سے پسینے کے قطرے پھوٹ پھوٹ کر آنکھوں میں داخل ہو رہے تھے، مگر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سرنگ کی طرف دیکھ رہا تھا، جو چند گز رہ دور رہ گئی تھی، مگر کئی میل دور نظر آ رہی تھی۔ شاید اس کا اپنا دماغ چکرا گیا تھا۔

اب ٹینک کی ہیڈ لائٹوں کی روشنی سرنگ کے اندر پڑ رہی تھی اور سروں کے اوپر تیسرا بمبار غوطہ لگا چکا تھا۔ جہاز کے پیٹ سے پہلے کی طرح سیاہ بم نکلا اور چند ثانیوں کے فرق سے ٹینک سرنگ کے اندر تھا۔ ایک قیامت خیز دھماکہ ہوا۔ ٹینک کے اندر ہر شخص بری طرح لرزا۔ ٹینک کے نیچے سے زمین سرکی محسوس ہوئی۔ برنیز نے ایک سواسی ڈگری پر دوربین گھمائی۔

اف خدایا! ٹینک کے پیچھے جہاں دن کی روشنی کا محرابی ہالہ دکھائی دینا چاہئے تھا، اب وہاں مکمل تاریکی کا راج تھا۔ آخری بم دہانے کی چوٹی پر گرا تھا اس نے پہاڑی ڈھلوان کو ریلوے کی پٹڑی پر لڑھکا دیا اور یوں وہ بریونی دنیا سے کٹ گئے۔ سرنگ کا دہانہ مکمل طور پر بند ہو چکا تھا۔

☆☆☆

''ٹینک روک دو۔'' برنیز نے انٹرکام پر ڈرائیور کو حکم دیا۔ ''لیکن انجن اسٹارٹ رکھو۔''

وہ سرنگ کے اندر جس آخری سانحے سے ڈرتا تھا، وہ یہ تھا کہیں انجن بند نہ ہو جائے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ سب ایک دوسرے کو متوحش نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انجن کی آواز کے سوا کمبخت سناٹا طاری تھا۔ نہ کسی گولے کی سیٹی سنائی دے رہی تھی اور نہ سروں پر کسی غوطہ خور بمبار کی گڑگڑاہٹ۔

وہ بڑی احتیاط سے باہر نکلا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ازمنہ وسطیٰ کی کسی زیر زمین تاریک کھوہ میں داخل ہو چکا ہو، جس میں ٹینک کی طلسماتی روشنی، سحر انگیز منظر پیش کر رہی تھی۔ اس نے سرنگ کے سوراخ کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا، مگر دن کی روشنی کا کہیں سے گزر نہ ہو رہا تھا۔ غار کا منہ مکمل طور پر بند ہو چکا تھا اور اب یہاں سے نکلنے کا واحد راستہ سرنگ کا دوسرا دہانہ ہی تھا۔

وہ پھر ٹینک میں داخل ہوا۔ پان ابھی تک وائرلیس کا معائنہ کر رہا تھا۔ ''مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا

ہے گولی لگنے سے دو ولو خراب ہو گئے ہیں اور ہمارے پاس فالتو پرزے نہیں۔ اسکواڈرن ہیڈ کوارٹر واپس پہنچنے تک انتظار کرنا پڑے گا۔'' اس نے برنیز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

برنیز نے انٹر کام کو دوبارہ چیک کیا کم از کم یہ صحیح کام کر رہا تھا، لیکن ٹروپ کمانڈر، لیفٹیننٹ پارکر سے کٹ جانا ایک سنجیدہ صورت حال تھی۔ شکر ہے وہ فرانسیسیوں اور اپنے درمیان خلا کے بارے میں اہم ترین پیغام بھیج چکا تھا۔ پھر اس نے بلجیم اور شمالی فرانس کا بڑا نقشہ سامنے پھیلا دیا۔ اس کی ٹارچ اٹرکس کے گرد و نواح میں روشنی بکھیر رہی تھی۔

''یہ منحوس سرنگ بہت لمبی ہے، پان۔ پہلے ہمیں اس سے نکلنا ہوگا اور پھر پہاڑوں کے اوپر سے گھوم کر واپس جانا پڑے گا۔ خیر، اس علاقے کے بارے میں ہماری رپورٹ بڑی مستند ہوگی۔''

''جونہی ہم سرنگ سے باہر نکلیں گے، یہ تہر ہمارے راستے میں حائل ہوگی۔'' پان نے اپنی انگلی نقشے کے اوپر گھماتے ہوئے کہا: ''اور ہمیں اس پل پر سے گزر کر ادھر مڑنا ہوگا۔'' اس کی انگلی نیم دائرہ بناتی ہوئی اٹرکس کے عقب میں جا کر رک گئی۔ سارجنٹ برنیز نے اس کی تائید کی۔ وہ اندر ہی اندر وائرلیس کی خرابی پر کڑھ رہا تھا۔

ڈرائیور کو دوبارہ حرکت میں آنے کا حکم دیتے ہوئے اس نے کہا: ''یہ سرنگ ہرگز سیدھی نہیں۔ رفتار پانچ میل فی گھنٹہ رکھو اور موڑ سے احتیاط برتو۔'' یہ کہہ کر اس نے گنر ڈیوس کی طرف دیکھا۔ گول چہرے اور سرخ بالوں والا یہ توپچی انتہائی خوفزدہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے خوف بھتنے ناچ رہے تھے۔

''کیا بتا ہے، ڈیوس؟''

''تم کہوں گے یہ بکواس ہے سارجنٹ، مگر مجھے سرنگوں سے ہمیشہ خوف آتا ہے۔ ۱۹۴۳ء کے سانحے کا میں شم دید گواہ ہوں۔ ہم پانچ دن تک ایک کان میں زندہ دفن رہے.....

''ڈیوس یہ ریلوے سرنگ ہے، معدنی کان نہیں۔ ہم دس منٹ میں باہر ہوں گے۔ اپنی توپ کی طرف دھیان دو۔ ممکن ہے دوسری طرف پینزر ڈویژن کا سامنا ہو جائے۔''

ٹینک حرکت میں آیا اور انجن کا شور اور اس کی صدائے بازگشت مل کر کانوں کے پردے پھاڑ رہے

تھے۔ برنیز نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر سامنے نظر دوڑائی۔ اگر نقشہ صحیح تھا، تو انہیں سرنگ کے آخری سرے پر دو چار منٹوں میں پہنچ جانا چاہئے تھا.....

اچانک اس نے ٹینک روکنے کا حکم دیا۔ وہ حیران تھا کہ دوسروں پر حقیقت کیسے منکشف کرے؟ ہیڈ لائٹیں تاریکی کا پردہ چیرتی ہوئی ایک سخت پتھریلی دیوار پر جا کر رک گئی تھیں۔

سرنگ کا یہ سرا بھی بند تھا۔

چار آدمی، دنیا کے سب سے بڑے ٹینک کے ساتھ، زندہ درگور ہو چکے تھے۔

کیا یہ تاریکی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا مقدر بن کر رہ جائے گی.....؟

☆☆☆

۱۰ مئی کو برطانوی توسیعی فورس، فرانس سے بلجیم میں داخل ہوئی۔ برنیز کا یونٹ بھی اس کے ساتھ ہی حرکت میں آیا تھا اسی دن چار گھنٹے قبل، تین بجے صبح جنرل وان باخ کی فوج کے بی گروپ نے ہالینڈ اور بلجیم کی سرحدوں پر پیش قدمی صرف ایک مقصد کے تحت کی تھی اور وہ یہ تھا کہ برطانوی اور فرانسیسی فوج کو اپنی قلعہ بندیاں چھوڑ کر آگے آنے کی ترغیب دی جائے۔ اس دن کے اختتام تک لندن اور پیرس کو اس پیش قدمی کا پتہ چل چکا تھا، مگر ان کی نظروں سے ایک اور حرکت بالکل پوشیدہ رہی۔

وہ مقام جہاں بلجیم، فرانس اور لکسمبرگ کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں، مغربی یورپ میں سب سے زیادہ غیر معروف ہے۔ یہاں آرڈنیز کا سلسلہ کوہ واقع ہے۔ فرانسیسی ہائی کمان اسے ''ناقابل عبور'' قرار دے چکی تھی، اسی لئے وہاں سب سے کمزور فوج متعین کی گئی۔

۱۰ مئی کو صبح سویرے جنرل وان رنڈسٹیٹ کی فوج کا اے گروپ، آرڈنیز کے اسی ''دشوار گزار'' علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ یہ دنیا کی سب سے طاقت ور فوج تھی۔ اس میں ۴۴ ڈویژن شامل تھے اور دو ہزار سے زائد بکتر بند گاڑیوں کا مضبوط پنیزر ڈویژن بھی۔ وہ ساری رات بل کھاتے ہوئے پہاڑی راستوں اور دروں سے گزرتے رہے۔ ہر گاڑی، اگلی گاڑی کی ڈھکی ہوئی عقبی روشنی سے رہنمائی حاصل کر رہی تھی۔ یہ مشق وہ بار بار کر چکے تھے۔ دور سے دیکھنے پر یوں لگتا تھا جیسے نیم تاریکی میں سانپ رینگ رہے

ہوں..... بکتر بند سانپ، جن کا رخ سیڈان کے نزدیک میوز کی جانب تھا۔

سب سے اگلے پنیزر ڈویژن کی کمان ایک ۴۳ سالہ جرنیل کر رہا تھا۔ اسے پولینڈ ہی میں ترقی ملی تھی۔ اس نے اپنا یونٹ شعلوں میں لپٹے ہوئے وارسا کے شہر میں داخل کیا تھا اور اب اس کی نظریں جلتے ہوئے پیرس پر تھیں۔

جرمنوں کا اگلا سر ۲۱ مئی کو میوز پہنچ چکا تھا۔ ۳۱ مئی تک اسے بھی عبور کر لیا اور ۶۱ مئی کو فرانس کے قلب..... لیان شہر کے اندر..... نازی دندنا رہے تھے۔ کمانڈنگ جنرل ابھی تک سب سے اگلے ٹینک میں سینہ تانے کھڑا تھا۔

☆☆☆

سرنگ کے اندر ٹینک کے عملے کو مقید ہوئے چوبیس سے زائد گھنٹے ہو رہے تھے۔ تھکن اور دباؤ اپنا کام دکھا رہا تھا۔ وہ خالی ہاتھوں سے بڑے بڑے پتھروں کو ہٹانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھے اور ایک معمولی گینتی کے ساتھ (جو ٹینک میں موجود تھی) مہیب چٹانوں کو کاٹنا چاہتے تھے۔ شدید جسمانی تھکن نے انہیں کچھ سوچنے کا موقع نہ دیا اور جوں جوں ان کی قید کا عرصہ طویل ہوتا جاتا، وہ تعجب کرنے تگتے کے کبھی یہاں سے زندہ نکل بھی سکیں گے۔ برنیز نے گینتی چلاتے ہوئے ذرا سا توقف کیا تاکہ پیشانی پر سے پسینہ پونچھ سکے۔ اس کی کلائی کی گھڑی جمعہ ۱۷ مئی کی صبح کے سات بجا رہی تھی۔

وہ گزشتہ روز گیارہ بجے صبح سرنگ میں داخل ہوئے تھے اور اس وقت سے مسلسل سرنگ کا بند دہانہ کھولنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے، مگر ابھی تک اس پر معمولی سی خراش بھی نہ ڈال سکے تھے۔ برنیز نے کام کا ایسا پروگرام بنایا تھا کہ ہر شخص باری باری پندرہ منٹ آرام کر سکتا تھا۔

ڈیوس سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔ اس نے گینتی پرے پھینکتے ہوئے کہا:

''ہم اس خونیں دیوار میں کبھی سوراخ نہ کر سکیں گے۔''

''اگر اسی طرح کام چھوڑ کر کھڑے رہے، تو واقعی کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔'' برنیز نے نرمی سے کہا: ''کام کرو، کام۔''

''ہم وقت ضائع کر رہے تھیں۔''

''نہیں ڈیوس۔ اس لمحے تم وقت ضائع کر رہے ہو، چنانچہ کام میں جت جاؤ۔'' برنیز کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔ وہ اپنے گنر کے قریب کھڑا تھا اور اس کی نظریں ڈیوس پر مسلسل جمی تھیں۔

''ہم یہاں مر جائیں گے..... مر جائیں گے..... کیا تم سن رہے ہو اور ایک دن لوگ اس خونیں سرنگ کو کھولیں گے، تو انہیں چار لاشیں ملیں گی..... چار ڈھانچے۔'' اس کی آواز پر ہسٹیریا طاری تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں یوں کانٹ رہے تھے جیسے ابھی جواب دے جائیں گے..... ''میں کان کن رہ چکا ہوں..... اور جانتا ہوں اس کا مطلب کیا ہے؟''

''ڈیوس!'' برنیز کے لہجے میں تیکھے پن کی جھلک تھی۔ ''کیا تم نے اس سرنگ کو کان تصور کر لیا ہے؟''

''تو اس کا مطلب یہ ہے ہم ہزاروں فٹ نیچے ہونے کی بجائے سطح زمین کے برابر ہیں۔ تمہارا کان کن ہونا اسی طرح ہے جیسے پان کبھی ڈرافٹس مین ہوا کرتا تھا۔ اب یہ بتاؤ کیا سرنگ کا منہ کھولنے کے لئے پان کا ہاتھ بٹاؤ گے یا نہیں؟''

''یہ بھاری چٹان ہٹانے میں کئی ہفتے لگیں گے''..... ڈیوس نے ضدی پن سے کہا۔

''ڈیوس، میرے صبر کا پیمانہ چھلک سکتا ہے۔ باہر نکلنے کے لئے ہم چاروں کو برابر کام کرنا پڑے گا۔ میں تمہیں تیسری بار حکم دے رہا ہوں، کام کرو۔''

''ہمیں دوسرے سرے پر دیکھنا چاہئے، شاید وہاں چٹان کی موٹائی کم ہو۔''

برنیز تلملا اٹھا۔ اس نے اپنی انگلی ڈیوس کے سینے میں گھونپتے ہوئے کہا: ''تمہیں تین بار کام کرنے کا حکم ملا ہے اور تم نے تین بار ہی انکار کیا۔ جونہی ہم ہیڈ کوارٹر پہنچیں گے، تم پر اس الزام میں مقدمہ چلے گا۔ سردست تم ہمارے ساتھ کام کرو گے اور جو پانچ منٹ فضلو بحث میں صرف کئے اس کی پاداش میں تمہارا آرام کا وقفہ پندرہ منٹ سے گھٹا کر دس منٹ کر دیا جاتا ہے۔''

ڈیوس کو کرم کرتے ہی بنی۔

چوبیس گھنٹے بعد، ہفتہ ۸۱ مئی کی شام تک وہ سرنگ کے منہ سے خاصا ملبہ ہٹا چکے تھے، مگر دیوار ابھی تک اسی طرح سخت تھی، اب وہ تیل کے دیئے کی روشنی میں کام کرتے تھے ٹینک کی بتیاں اس لئے بجھا دی گئیں، تاکہ بعد میں اس سے بھی اہم ضرورت کے وقت استعمال میں لائی جاسکیں۔

برنیز اس دوران میں حقیقی مسائل پر بھی غور کرتا رہا۔ بالفرض وہ سرنگ کا منہ کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکے، تو کتنے دن تک خوراک اور پانی کے ذخیرے پر گزارا کرسکیں گے؟ کیا ایسی نوبت تو نہ آجائے گی کہ وہ ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کر کھانے لگیں؟ بھوک اور وحشیانہ پن میں انسان دوسرے کی جان کا کب احترام کرتا ہے۔

اگلے روز دوپہر کو ایک خطرناک حادثہ پیش آیا۔ رینالڈ اور ڈیوس کام کر رہے تھے ڈیوس نے ایک پتھر ہٹانے کے لئے گینتی چلائی۔ گینتی اٹک کر رہ گئی ڈیوس نے پورا زور لگایا، تو اگلے ہی لمحے بہت بھاری چٹان ایک قیامت خیز شور کے ساتھ نیچے آرہی..... رینالڈ نے برق رفتاری سے ڈیوس کو ایک طرف کھینچ لیا، ورنہ اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔

''شاید اب باہر نکلنا ممکن ہو۔'' برنیز نے قدرے توقف سے کہا۔

''لیکن باہر سے جنگ کے دھماکے تو سنائی نہیں دے رہے۔ یا دیوار ابھی خاصی موٹی ہے یا پھر ہم دشمن کو پیچھے دھکیل چکے ہیں۔'' رینالڈ نے رائے دی۔

برنیز پتھروں کے ڈھیر پر چڑھا اور ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ اس کے چہرے پر طمانیت کی پہلی جھلک نمودار ہوئی۔ رینالڈ اور ڈیوس اس کے قریب کھڑے تھے اور برنیز کی اس حالت پر متعجب تھے۔

''کیا معاملہ ہے؟'' پان نے پوچھا۔

برنیز نے جواب میں سر ہلایا اور دوبارہ پتھریلی دیوار کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آواز بڑی پرسکون تھی۔

''میرا خیال ہے ہم منزل پانے والے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' رینالڈ نے استفسار کیا۔

''میں تازہ ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ آؤ اور دیکھ لو۔''

سب نے اس جگہ کا معائنہ کیا جہاں سے ہوا کا جھونکا در آیا تھا ان کی تھکی ماندی رگوں میں نئی زندگی دوڑ گئی اور وہ آخری کوشش میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا یہاں سے نجات حاصل کر سکیں گے۔'' پان نے کھلکھلا کر کہا۔

''جنگ ختم ہونے سے پہلے اس سے بھی دشوار مراحل سر گزرنا پڑے گا۔'' برنیز نے کہا۔

اتنی دیر میں ڈیوس ایک بار پھر کینتی سے الجھا بیٹھا تھا اس نے مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ باہر نکلنے کی خوشی میں چاروں آدمی ایک جان ہو کر زور لگانے لگے۔ پہلے ایک چھوٹا سا کنکر نیچے گرا اور دن کی مدہم سی روشنی تاریک غار اور تباہ شدہ ہمتوں کو زندگی افزا پیغام دے گئی۔

ابھی وہ اس خوشی سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ مہیب گڑگڑاہٹ سنائی دی برنیز نے پوری آواز سے خبردار کیا۔ ''بچ جاؤ!''

اس کی تنبیہ قیامت خیز شور میں دب کر رہ گئی۔ چٹان کی کشش ثقل کا مرکز خراب ہو چکا تھا ایک بڑا سا تودہ لڑھک کر ان کے سر پر آن گرا۔ برنیز نے دوڑ کر ڈیوس کو کھینچنے کی کوشش کی، مگر رینالڈ نے اسے بروقت روک کر سرنگ کی دیوار کی طرف کھینچ لیا۔ دھماکے کے ساتھ اس قدر دھول اڑی کہ ان کی آنکھیں اور پھیپھڑے اس سے اٹ گئے۔

جب گرد بیٹھ گئی، تو برنیز کچھ کچھ سمجھ سکا کہ کیا وقوع پذیر ہوا ہے۔ سرنگ کی دوسری دیوار کے ساتھ پان بھی محفوظ کھڑا تھا۔ سرنگ کا دہانہ کھل چکا تھا اور یہ منظر انتہائی روح پرور تھا۔ اڑتالیس گھنٹوں کی جاں گسل جدوجہد کے بعد انہیں پہلی بار صاف نیلا آسمان دکھائی دیا تھا، سوراخ اس قدر بڑا تھا کہ اس میں سے ٹینک بآسانی گزر سکتا تھا۔

ڈیوس کو تلاش کرنے میں انہیں کئی منٹ صرف کرنے پڑے۔ وہ اس جگہ سے چند قدم دور کھڑا تھا، جہاں سے رینالڈ نے برنیز کو پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ مائلڈ ٹینک کے گنر، ڈیوس کا صرف سر نظر آ رہا تھا اس کا پورا جسم پتھروں کے ڈھیر تلے دبا ہوا تھا۔ دوسری نظر میں پتہ چل گیا کہ وہ مر چکا ہے۔

☆☆☆

بلجیم کی دنیا میں ایک تعجب خیز تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ جنگ کہیں دور چلی گئی تھی۔

ٹینک کو سرنگ سے نکالنے سے پہلے برنیز نے خود پورے علاقے کی ''ریکی'' کر لی تھی۔ وہ صبح کی پہلی خوشگوار کرنوں میں دور تک چلا گیا۔ سب سے پہلے اس نے جس چیز کو شدت سے محسوس کیا، وہ ناقابل یقین خاموشی تھی۔ ایسا سکوت جسے کسی نظر نہ آنے والے پرندے کی پر امن چہچاہٹ توڑ دی تھی۔ سرنگ سے آگے ریلوے لائن کھلے میدانوں میں پھیلی ہوئی تھی دونوں طرف کے سرسبز کھیت اجڑ گئے تھے، زندگی کا کہیں نام و نشان نہ ملا۔ ایک چوڑی نہر اٹرکس کی طرف سان کا راستہ روکے ہوئے تھی۔

اس مکمل سکوت پر وہ گھبرا سا گیا اور مزید کھوج نکالنے کے لئے سرنگ کے قریب پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اسے اب بھی کچھ سنائی نہ دیا۔ جنگ کہیں دور چلی گئی تھی، لیکن کس طرف؟ اور کہاں؟ وہ ایک لمحے کے لئے گھاس کے قطعے پر بیٹھ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی تروتازگی معنی خیز ہو۔ وہ کچھ دیر چمکدار دھوپ میں بیٹھا رہا۔ تروتازہ ہوا پھیپھڑوں میں پہنچائی اور پھر پہاڑ سے نیچے اتر آیا۔

ڈیوس کو دفن کرنے کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ پہلے ہی کئی ٹن وزنی چٹان کے اندر دفن تھا۔ انہوں نے ایک کاغذ پر اس کا نام، پتہ اور نمبر لکھا اور اس کے سر کے قریب پتھر کے نیچے رکھ دیا پھر وہ آگے بڑھے۔ ان کے اعصاب تو شکستہ تھے ہی، ایک ساتھی کی اچانک موت نے ان کے جذبات بھی سرد کر کے رکھ دیئے۔ برنیز کو سب سے بڑی تشویش یہ لاحق تھی کہ وہ چار کے بجائے تین افراد رہ گئے ہیں، لیکن ایمرجنسی کی صورت میں اب بھی وہ مل کر ٹینک کی سب گنوں سے فائر کر سکتے تھے۔ اسی لئے اس نے پان کو کہہ دیا تھا کہ وہ ضرورت پڑنے پر فائر کرنے کے لئے تیار رہے۔ ریلوے کی پٹڑی پر آئے بڑھتے ہوئے ٹینک کے سوراخ میں سارجنٹ برنیز سینہ تانے کھڑا تھا، نقشہ اس کے ہاتھ میں تھا اور ذہن صورت حال پر غور کر رہا تھا۔ ابھی تک تیل کی ٹینکیاں بھری ہوئی تھیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مزید ایک سو پچاس میل سفر کر سکتے ہیں۔ عملے کا ایک آدمی کم تھا، وائرلیس بے کار ہو چکی تھی، پارکر کا اتا پتا معلوم نہ تھا..... اس طرح ان کی مثال اس جنگی جہاز کی سی تھی جو نامعلوم پانیوں میں سفر کرتے ہوئے اپنے اڈے سے کٹ چکا ہو۔

سرنگ سے ایک میل دور ریلوے پھاٹک تھا جہاں سے وہ پٹڑی چھوڑ کر کچی سڑک پر ہو لئے۔ چھ میل اور آگے جا کر انہیں دائیں طرف مڑنے والی سڑک اختیار کرنا تھی جو اٹرکس کے عقب میں انہیں پہنچا دیتی..... لیکن ایک سوال رہ رہ کر برنیز کو ہلکان کئے جا رہا تھا۔ فوجیں کہاں گئیں؟

برنیز نے توپوں کی آواز پر کان لگائے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دھوئیں یا طیاروں کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ دور تک پھیلے ہوئے کھیت خالی تھے، زردی مائل نیلگوں آسمان پر کوئی پرندہ تک نظر نہ آتا تھا۔ ٹینک پوری رفتار پر آئے بڑھ رہا تھا۔ خاصی دور آگے جا کر برنیز کو جنگ کے آثار دکھائی دینے لگے، ٹینکوں کے پہیوں کے نشان اور کہیں کہیں گولے پھٹنے سے گڑھے بن گئے تھے۔ ایک جگہ اس نے رینالڈ کو ٹینک روکنے کا حکم دیا اور خود اتر کر سڑک کے کنارے تباہ شدہ گاڑیوں کا معائنہ کرنے لگا۔ پانچ جلے ہوئے ٹینک، فرانسیسی رینالٹ تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے تن تنہا پوری جرمن یلغار کا مقابلہ کیا ہو۔ کچھ اور آگے فرانسیسی ساز و سامان بکھرا پڑا تھا۔ ایک خندق میں رائفلیں یوں پڑی تھیں جیسے کوئی انہیں پھینک کر بھاگ نکلا ہو۔ برنیز نے ایک رائفل اٹھائی۔ یہ ابھی لوڈ تھی، اس کے چلانے کی نوبت تک نہ آئی تھی۔ ''ٹینکوں کے خلاف انسان۔'' برنیز بڑبڑایا۔ فولادی ٹوپ اسلحے کی پٹیاں، لاشیں۔ کیا فرانسیسی فوج پسپا ہو گئی؟''

جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے فرانسیسی ہزیمت اور پسپائی کی نشانیاں واضح ہوتی چلی گئیں۔ برنیز نے بہتیری کوشش کی۔ کہیں جرمن فوجی کی لاش دکھائی دے جائے، مگر بے سود۔ ناقابل تسخیر جرمن ٹڈی دل نجانے کدھر بڑھ گیا تھا؟

بالآخر برنیز نے جنگ کی ایک زندہ نشانی دیکھ لی۔ فضا میں دھوئیں کی ایک افقی لکیر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گیا یہ ریل گاڑی کے انجن کا دھواں ہے۔ پس منظر میں بمباروں کی ایک فارمیشن دھوئیں کا تعاقب کر رہی تھی۔ یہ برطانوی بلنہم طیاروں کا ایک اسکواڈرن تھا۔ اس نے فوران انٹرکام پر سب کو مطلع کیا: ''میرا خیال ہے تھوڑی دیر بعد ہمارے آپ پاس کچھ بم گرنے والے ہیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارے اپنے طیارے ہیں۔''

ٹینک روک دیا گیا تھا۔ برنیز نے ڈھکنا بند کرنا چاہا، مگر پھر طیاروں کی کارکردگی کا مظاہرہ دیکھنے

کے لئے رک گیا۔

''کیابات ہے؟'' پان نے آواز لگائی۔

''سامنے ریلوے لائن پر ایک گاڑی آرہی ہے۔'' برنیز نے جواب دیا۔ بلند پشتے کے عقب سے گاڑی نمودار ہو چکی تھی اور اب ان کے سامنے آ گئی۔ یہ مال گاڑی تھی۔ اسے دو انجن کھینچ رہے تھے۔ ایک ڈبے پر طیارہ شکن توپ نصب تھی۔ جونہی بلنہم طیاروں نے بم گرانے کے لئے غوطہ لگایا۔ یہ فضا میں نیلے پیلے راکٹ پھینکنے لگی۔ ٹینک اور گاڑی کا کچھ زیادہ فاصلہ نہ تھا، تاہم برنیز کو امید تھی کہ ہوا باز، جرمن مال بردار گاڑی اور برطانوی ٹینک میں تمیز کر سکیں گے۔

طیاروں نے فائر کی پروا کئے بغیر یکے بعد دیگریوں غوطہ لگایا کہ ہر ایک نے دو دو ڈبوں پر تاک کر نشانے لگائے..... اور پھر دھماکوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ بارود اور آگ ٹینک کے ڈھانچے سے ٹکرائی اور برنیز نے نیچے دیکھنے کی کوشش کی۔ الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے..... ''اسلحہ کی گاڑی'' دوسرا دھماکہ اور بھی تباہ کن تھا۔ برنیز ابھی تک اپنا صرف ایک ہاتھ اندر لے جا سکا تھا۔ ڈھکنا ابھی تک کھلا پڑا تھا۔ ناقابل برداشت طاقت نے اس کے پاؤں کا توازن خراب کر دیا اور اس کا ماتھا ٹینک کی فولادی چادر سے جا ٹکرایا۔

آگ اور لوہے کی بارش مسلسل جاری تھی، لیکن برنیز ہوش و حواس کھو چکا تھا۔

☆☆☆

برنیز نے محسوس کیا کچھ گڑبڑ ہے۔ یہ معمول کے مطابق بیداری کی حالت نہ تھی، چنانچہ اس نے فوراً آنکھیں نہ کھولیں۔ اس نے اپنے کان کسی آواز پر لگا دیئے، لیکن کچھ سنائی نہ دیا۔ کیا وہ خواب دیکھتا جا رہا ہے؟ کوئی ناخوشگوار خواب! ہاں، یہ جنگ کے بارے میں تھا۔ بلنہم طیارے اور دھوئیں کی لمبی لکیر، اسلحے کی گاڑی، خوفناک دھماکے۔ داہنے کندھے میں کسی کاٹدار شے کا گھسنا۔ اس کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا۔ کمبل کے نیچے لیٹے لیٹے اس نے کندھے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہاں پٹی بندھی تھی اور سخت پلاسٹر لگا تھا۔ خدا جانے وہ کسی جہنم میں آپھنسا ہے!

اس نے اوپر اٹھنے کی کوشش کی، مگر غنودگی کی لہر نے اسے نیچے گر جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے سر میں شدت سے درد تھا اور وہ انتہائی نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ لیٹے لیٹے اس نے ٹخنوں کو چھوا، پھر گھٹنوں کو اور اس کے بعد اپنی سب انگلیوں۔ ہر شے قدرتی حالت میں تھی۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اصل خرابی عمومی کمزوری میں پوشیدہ ہے۔ گردن ایک طرف موڑتے ہوئے اس نے اپنے بوٹ دیوار کے قریب دیکھے وہ ابھی ابھی پالش کیے گئے تھے اور شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا رینالڈ بھی وہیں کہیں موجود تھا کیونکہ یہ اسی کا کام تھا۔ دیوار کے ساتھ ایک اور شے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ یہ ایک جرمن مشینی پستول تھا۔

اس نے ہتھیار پکڑنے کے لئے اٹھنا چاہا، مگر ٹانگیں اس کا بوجھ نہ سہا سکیں۔ ناچار اسے رینگ کر دیوار کی طرف بڑھنا پڑا۔ وہ دیوار تک پہنچتے پہنچتے بے بس ہو کر گر پڑا۔ ایک بار پھر اس نے ہمت کی اور دیوار کے سہارے کھڑا ہونا، پھر ہتھیار پکڑا اور واپس کمبل میں لیٹ گیا۔ اب اسے یاد آ رہا تھا کہ کوئی شخص اس کا علاج معالجہ کرتا رہا ہے اور وہ یقیناً اس کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے اسے ٹیکے بھی لگائے تھے۔

ہتھیار کے تفصیلی معائنے کے بعد اس نے اسے کمبل میں ایک طرف رکھ لیا اور پھر سوچنے لگا وہ کب سے اس عمارت میں موجود ہے چھ گھنٹے؟ بارہ گھنٹے؟ اس نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی جس کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ۴۵۔۷ پر رکی ہوئی تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلحے کی گاڑی تباہ کی گئی تھی۔ کھڑکی میں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ باہر روشنی پھیلی ہے یہ ایک اور خوشگوار دن تھا، ممکن ہے یہ اتوار کی صبح یا سہ پہر ہو..... اتوار ۱۹ مئی کی..... پھر اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ دایاں ہاتھ ٹریگر پر اور بایاں نالی کے نیچے رکھ لیا تاکہ فوری طور پر نشانہ لیا جا سکے۔

بڑے دروازے میں دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ایک تو پان تھا اور دوسرا ایک اجنبی لڑکا جس کی عمر بمشکل اٹھارہ سال ہو گی۔ پان اس کے بستر کے قریب پہنچا، تو حیران ہو کر پوچھنے لگا: ''تم بیدار ہو گئے سارجنٹ!''

''تمہیں کیا توقع تھی..... یہاں لاش ہونی چاہئے؟'' برنیز نے طنزیہ جواب دیا۔ ''یہ کون ہے؟''

''یہ پیری اور انگریزی بول سکتا ہے۔ پیری، سارجنٹ برنیز سے ملو۔''

''سارجنٹ، تم سے مل کر از حد خوشی ہوئی۔'' لڑکے نے جھک کر بڑے ادب سے ہاتھ ملائے۔

''رینالڈ کہاں ہے؟'' برنیز نے پوچھا۔

''وہ باہر پہرہ دے رہا ہے۔''

''ٹینک پر پہرہ؟''

''نہیں، وہ دروازے پر کھڑا ہے۔ ٹینک کچھ دور کیموفلاج کیا ہوا ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔''

''پریشانی کاہے کی؟''

''تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' پان نے پوچھا۔ ''میرا مطلب ہے تمہیں۔''

''یہ شیطانی رازداری ختم بھی ہوگی یا نہیں۔ ہم کتنی دیر سے اس عمارت میں ہیں؟''

''جب گاڑی پر حملہ ہوا تھا، تو تمہیں کندھے پر گہرا زخم آیا تھا۔ تمہارا ماتھا بھی ٹینک سے ٹکرانے کی وجہ سے زخمی ہوا۔''

''ہاں، یہ تو مجھے یاد ہے۔'' برنیز نے تیزی سے کہا۔ ''میرے سوال کا جواب دو۔ ہم یہاں کب سے ہیں؟''

''چار دن سے۔''

یہ جواب بونیز پر بجلی بن کر گرا۔ زندگی میں پہلی بار الفاظ نے اس کی زبان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

اس سوال نے اس کے ذہن میں سینکڑوں سوالوں کو جنم دیا۔ اس کا گروپ کہاں ہے؟ برطانوی توسیعی فورس کہاں چلی گئی؟ اس نے نظریں اٹھا کر پیری کی طرف دیکھا: ''بچے، برا نہ مانو، تو تھوڑی دیر باہر رینالس کے پاس بیٹھو۔''

پیری کا چہرہ لٹک کر رہ گیا۔ پان نے بھی ناک چڑھایا۔ ''کاش! تم ایسا طرز عمل اختیار نہ کرتے۔ ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ تمہیں یہاں کی پوزیشن کا علم نہیں۔'' لڑکا باہر چلا گیا، تو پان نے ناراضی

سے کہا۔

''جب تک تم مجھے صحیح صورت حاب نہ بتا دو، میں کچھ سننے کے لئے تیار نہیں۔'' برنیز نے کمبل ایک طرف پھینکتے ہوئے جواب دیا۔

''جناب، ہم اس وقت جرمن لائنوں سے کوئی بیس یا اس سے بھی زائد میل پیچھے ہیں۔'' پان نے ایک ایک لفظ پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا.....''

''جرمن پورے محاذ پر پیش قدمی کر چکے ہیں۔ انہوں نے ہماری فوجوں کے درمیان خلا سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے چونکہ مختلف قسم کی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں اس لئے قطعی طور پر نہیں بتایا جا سکتا، انہوں نے کتنا بڑا شگاف ڈال دیا ہے۔''

''تو پھر ان کی پیش قدمی بھی افواہ سازی کا کرشمہ ہوگی!''

''یہ درست نہیں۔ آج صبح میں نے سنا جرمنوں کے پنیزر ڈویژن، اراس پہنچ چکے ہیں۔ لفٹ ویف فضاؤں پر چھائے ہوئے ہیں فرانسیسی اور برطانوی ایئر فورس ابتدائی دنوں میں کٹ کر رہ گئی۔ جرمنوں کے پاس سینکڑوں ٹینک اور ہزاروں طیارے ہیں۔ تمہیں ان کا سامنا کرنا پڑے گا..... ہم جرمن لائنوں سے میلوں پیچھے ہیں۔''

''تو کیا آج جمعرات ہے؟''

''جی ہاں، جمعرات۔ مئی کی ۳۲ تاریخ۔''

''اور ہم اس وقت کہاں ہیں۔''

''فونٹین نامی ایک قصبے سے باہر۔ ہم فرانسیسی سرحد کے بہت قریب آ چکے ہیں۔''

اور دوسری بار سارجنٹ برنیز لفظوں کی تلاش میں ہکلانے لگا۔ وہ کار پورل کی طرف سادگی سے گھورتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اسے یوں لگا جیسے ٹانگیں جواب دے جائیں گی، لیکن اس کی قوت ارادی اسے سہارا دیئے رہی۔ اس نے قریبی دیوار سے ٹیک لگا لی۔ پیشانی پر پسینے کے چند قطرے نمودار

ہوئے اور اس نے تعجب خیز مسکراہٹ سے پوچھا: ''پان مجھے اچھی طرح یاد پڑتا ہے جب ٹرین کو نشانہ بنایا گیا، تو ہم فرانسیسی سرحد سے چالیس میل دور تھے۔''

''پان نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔ اس کی حس ظرافت جاگ اٹھی تھی:

''سارجنٹ تم چار دن تک اس دنیا سے دور رہے ہو دوسرے لفظوں میں تم موت کی طرح سرد پڑ چکے تھے اور یہ میری ذمہ داری تھی کہ تمہیں کسی محفوظ جگہ تک پہنچاتا۔ میرا خیال ہے اگر تمہیں تمام تفصیلات بتاؤں، تو یقیناً لطف اندوز ہو گے!''

''تو پھر بتاؤ نا پوری تفصیل!'' برنیز نے اشتیاق اور حیرت سے پوچھا۔ ''جب گاڑی پر حملہ ہوا، تو فوراً بعد تم گولے کا ایک ٹکڑا لگنے سے بے ہوش ہو گئے، لیکن خوش قسمتی سے گرنے سے پہلے تم ڈھکنا بند کرنے میں کامیاب ہو گئے، یہی وجہ ہے اب میں تم سے مخاطب ہوں، کیونکہ فضا اس وقت جہنم کا منظر پیش کر رہی تھی۔ برطانوی طیاروں کے مقابلے میں جرمن طیارے نمودار ہو چکے تھے۔ گولیاں چنگھاڑنے لگیں اور موت اپنے وحشیانہ رقص میں مصروف ہو گئی۔ ٹینک کی فولادی چادر پر مشین گنوں کی گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں اور ٹینک کے اندر تمہارے کندھے سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ قیامت کے اس عالم میں انسان اپنے اعصاب پر بمشکل قابو رکھ سکتا ہے، لیکن میں تمہیں یوں موت کا تر نوالہ بنتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ فرسٹ ایڈ کے بکس سے ضروری مرہم پٹی کیا اور آسمان جہازوں سے خالی ہوا، تو ہم نے رات بھر سفر جاری رکھا۔ کئی گھنٹے بعد یہاں پہنچے اور اس وقت سے یہاں موجود ہیں۔''

''میں تمہارا از حد مشکور ہوں، پان۔ اس جگہ کیسے ٹھہرنا ہوا؟''

''مجھے ایک بلجین ڈاکٹر مل گیا۔ اس نے وعدہ کیا تمہارا علاج کرے گا اور ہمارے بارے میں کسی کو نہ بتائے گا۔ یہ عمارت، فونٹین گاؤں سے باہر ہے اور کوئی دیہاتی ہمیں نہیں جانتا، ڈاکٹر بہت نفیس آدمی ہے، اس کا نام لیپن ہے۔ ایک بار تمہارے کندھے سے گولی نکال کر مرہم پٹی کر کے چلا گیا۔ مجھے شک ہے دوبارہ نہیں آئے گا۔ جرمنوں کو پتہ چل جائے تو اسے گولی سے اڑا دیں۔ اس کا کہنا تھا تمہیں دس روز مکمل آرام کی ضرورت ہے۔''

''آراس..... تمہیں آراس کی خبریں کہاں سے ملیں؟''

''یہ خبر ریڈیو کے ایک بلیٹن میں نشر ہوئی۔ میں روزانہ ریڈیو سننے فونٹین جاتا ہوں۔ لپین کا گھر کھیتوں کے قریب ہے اور وہ ڈیوٹی پر جاتے وقت اپنا ریڈیو میرے لئے چھوڑ جاتا ہے۔''

''فرانسیسی ریڈیو پر یقین نہیں کا جا سکتا۔''

''میں بی بی سی کی بات کر رہا ہوں۔'' پان نے کہا۔

برنیز کی ہڈیوں میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آراس سمندر کے قریب واقع ہے۔ وہ ابھی تک تمام نتائج و عواقب سمجھنے سے قاصر تھا اور اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ یہ رپورٹیں غلط ہوں گی۔

''کچھ اندازہ ہے فرنٹ لائن کہاں ہے؟'' برنیز نے بڑی سوچ بچار کے بعد سوال پوچھا۔

''سارجنٹ تم صورت حال ابھی اچھی طرح سمجھ نہیں سکے۔ فرنٹ لائن کا کہیں وجود نہیں۔ جرمن آگے ہی آگے بڑھ رہے ہیں۔''

''کیا فونٹین میں کوئی جرمن موجود ہے۔''

''بالکل نہیں، پان نے جواب دیا۔'' چند دن قبل جرمن فوجی یونٹ گزر رہے تھے، مگر وہ پیچھے کسی کو نہیں چھوڑتے۔''

''مجھے ایک تشویش لاحق ہے، یہ پیر کہاں سے آدھمکا؟''

اس نے ہمارا خاصی مدد کی ہے۔ اس نے سب سے پہلے ہمیں یہاں آتے دیکھا تھا اور اس وقت سے یہاں ہے۔ میں نے اس سے دوستی کر لی۔ وہ مادری زبان فرانسیسی کے علاوہ انگریزی بھی بول لیتا ہے۔

''کیا وہ بلجین ہے؟''

''ہاں، اس کے والدین شمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا رابطہ ان سے ٹوٹ چکا ہے۔ فونٹین میں اپنے چچا سے ملنے آیا ہوا تھا کہ جنگ شروع ہوگئی۔ تم اس پر خواہ مخواہ شک نہ کرو۔ وہ انتہائی سودمند ثابت ہو سکتا ہے خصوصاً مقامی لوگوں سے گفتگو کرنے اور راستہ بتانے میں۔''

''اسے اندر بلاؤ۔''

پان، لڑکے کو بلانے گیا، تو برنیز پھر جرمن مشینی پستول سے کھیلنے لگا۔ جب پیری اندر آتا تو اس نے پوچھا: ''یہ ہتھیار تم نے کہاں سے لیا؟''

''مجھے یہ فونٹین سے باہر ایک سڑک سے ملا۔ ایک کار میرے قریب آ کر رکی کسی نے اسے قریبی خندق میں پھینکا۔ پھر کار اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔ میں نے ہتھیار اٹھالیا اور اس کا معائنہ کیا۔''

''میں حیران ہوں تمہارے جیسا بچہ اسے کیسے سمجھ سکتا ہے؟''

''میرا والد بلجیم میں ایک چھوٹے اسلحہ کی فیکٹری میں ملازم ہے وہ تمام پستولوں اور سٹین گنوں سے فائر کر سکتا ہے تمہاری برین گن بھی وہ چلا سکتا ہے اور میں نے بھی سب کچھ اس سے سیکھ لیا۔''

''کیا فونٹین میں تمہارا چچا رہتا ہے؟''

پیری کی آنکھیں خلا میں گھورنے لگیں۔ ہاں، رہتا تھا۔ تین دن قبل وہ جرمنوں کے ڈر سے بھاگ نکلا۔''

''اور تم کیوں نہ گئے؟''

''میں کوئی بزدل تھوڑا ہوں..... جولائی میں اٹھارہ برس کا ہو جاؤں گا اس نوجوانی میں راہ فرار اختیار کرنے کے کیا معنی؟ میں جرمنوں سے لڑوں گا۔ پان کہہ رہا تھا میں تمہارے ساتھ سفر کر سکتا ہوں۔''

برنیز نے انکار کرنے کے لئے لب کھولے۔ پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو رہا۔

''اچھا تم رینالڈ کے پاس ٹھہرو۔'' برنیز نے پان سے کہا۔ ''میں پیر کے ساتھ فونٹین پر نظر ڈالنے جا رہا ہوں مجھے امید ہے اب میں آرام سے چل پھر سکتا ہوں۔''

☆☆☆

سہ پہر کا سورج فرانس کے کھیتوں پر ملگجی روشنی بکھیر رہا تھا۔ سارجنٹ برنیز اپنے اوپر جبر کر کے لمبے لمبے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کے سر میں شدید درد تھا اور کندھے سے بھی گاہے گاہے ٹیسیں اٹھتیں۔ اس کے ہولسٹر میں اعشاریہ ۵۵۴ کا ویلبر ریوالور موجود تھا تا کہ ہنگامی طور پر اپنا دفاع کر سکے۔

''وہ رہا گاؤں!'' پیری نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور وہ سڑک پر کیسا منظر ہے۔''

''یہ پناہ گزینوں کے قافلے ہیں۔ دن رات فونٹین میں سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس لئے مرکزی چوک عبور کرنا ازحد مشکل ہے۔''

بڑی شاہراہ پر انسانوں کا جم غفیر نامعلوم سمت میں رواں دواں تھا۔ برنیز ہجوم سے بچنے کے لئے کھیتوں میں سے گزرنے والی پگڈنڈی پر ہولیا۔

''کیا ہم گاؤں میں داخل نہیں ہوں گے۔'' پیری نے پوچھا۔

''پہلے اس قافلے پر نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔ پھر گاؤں سے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں گے۔''

''گاؤں سے کچھ نہ ملے گا..... دکانیں خالی پڑی ہیں اور دکان دار دو دن پیشتر کہیں بھاگ نکلے۔''

''کیا وہ جرمنوں سے خوفزدہ تھے؟''

''نہیں، انہیں دیہاتیوں سے ڈر آتا تھا۔ لٹے پٹے، مفلوک الحال لوگ انہیں جان سے مار کے چیزیں لوٹ لیں گے۔ بس وہ بھاگ گئے۔''

بونیز چونک سا گیا۔ اس علاقے سے جلد نکل جانا ہی دانشمندی تھی، مگر وہ پہلے سڑکوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ ہر جگہ ٹریفک جام ہو چکی تھی، کیا انہیں کھیتوں میں سے گزرنا پڑے گا؟ اس طرح ان کی رفتار سست پڑ جاتی۔ طرح طرح کے وسوسے ابھر رہے تھے۔ وہ اب پناہ گزینوں کے مرکزی قافلے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی انسان ہی انسان دکھائی دے رہے تھے۔ کاریں، ٹانگے، بیل گاڑیاں، ٹرک، مویشی، بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں۔

دکھی انسانیت کراہ رہی تھی۔

سواستیکا کے خنجر نے دلوں کو چھید کر رکھ دیا تھا۔

جنگ کا مکروہ چہرہ عیاں ہو چکا تھا۔

ہنستی بستی آبادیوں میں موت کے بھیانک قہقہے رقصاں تھے۔

زندگی کی سادہ خوشیاں پامال ہو کر رہ گئیں۔

سڑک سے کچھ دور یہ ہولناک منظر برنیز کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ایک چھکڑے پر سامان بس کسی لمحے گرنا چاہتا تھا۔ ہر ایک، دوسرے کو دھکیل کر آگے بڑھ جانا چاہتا تھا۔ برنیز نے اس سے زیادہ غمزدہ اور پریشان حال چہرے کبھی نہ دیکھے تھے۔

کھوے سے کھوا چل رہا تھا۔

اور سروں کے اوپر مئی کا بے رحم سورج آگ برسا رہا تھا۔

''ہم اس ہجوم میں سے راستہ نہیں بنا سکتے۔'' بالآخر وہ کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولا۔

''وہاں ایک سڑک مڑ جاتی ہے۔'' پیری نے کھیتوں میں سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم اس پر بآسانی ٹینک چلا سکتے ہو، ادھر سے کبھی کوئی پناہ گزین نہیں آیا۔''

''کیا تم جانتے ہو سڑک کدھر جاتی ہے؟''

''بے شک۔ یہ آراس کی طرف جاتی ہے۔ میں خود تو وہاں کبھی نہیں گیا، مگر مجھے چچا نے یہی بتایا ہے۔''

پیری جو کچھ کہہ رہا تھا، برنیز کا نقشہ اس کی تصدیق کرتا تھا۔ اس کے خیالات آراس پر مرتکز ہو رہے تھے۔ پان نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہاں اتحادی، برطانوی ٹینکوں کی مدد سے جوابی حملہ کر رہے تھے کار کے ہارن نے اسے خیالوں کی دنیا سے نکال لیا۔ ہارن مسلسل بج رہا تھا۔ یہ کھلی ٹورسٹ رینالٹ تھی۔ اس میں چار نشستیں تھیں اور دور سے دیکھنے پر ملٹری اسٹاف کار لگتی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا کہ وہ اتحادیوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے والا ہے، مگر اس میں واحد سواری ایک خاتون تھی ہارن بار بار چیخ رہا تھا۔ خاتون قدم قدم پر بریک لگاتی۔ چند گز بڑھتی، پھر ہارن بجانے لگی۔ برنیز نے برا محسوس کیا عورت نے بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی اور کو لفٹ کی پیش کش نہ کی تھی اور تن تنہا اس کار میں براجمان تھی جو اس قیامت کے وقت میں دس بارہ سواریاں اٹھا سکتی تھی۔

''تم کس قدر بداخلاق ہو؟'' برنیز غرایا۔

''معافی چاہتی ہوں!''

اور پھر جرمن فضائیہ کا حملہ کسی وارننگ کے بغیر شروع ہو گیا۔ کوئی راڈار اس کا سراغ لگانے والا نہ تھا اور نہ کوئی سائرن بیچارے لوگوں کو خبردار کر سکتا تھا۔ صاف بے آسمان پر برنیز نے جرمن طیارے منڈلاتے دیکھے، تو ایک دم چلایا: ''نیچے لیٹ جاؤ۔''

اس نے چیخ چیخ کر یہ الفاظ دہرائے، مگر کون سنتا۔ وہ اور پیری گھاس میں لیٹ گئے۔ ہجوم دہشت زدہ تھا۔ طیارے غوطے پر غوطہ لگا رہے تھے۔ کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ سامنے سڑک پر ایک بوڑھا شخص حملہ آور طیاروں کو دیکھ کر سراسیمہ بھاگا پھرتا تھا، مگر اگلے ہی لمحے ایک دلدوز چیخ کے ساتھ گر پڑا۔ اسے یقیناً درجن بھر گولیاں سینے میں لگی ہوں گی۔ پھر ایک گھوڑا بدک کھڑا ہوا لوگوں پر نئی آفت نازل ہو گئی۔ فضا سسکیوں سے بھر گئی، لیکن جرمنوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کے مقابلے میں دلوں سے اٹھنے والا دھواں کم لوگ ہی دیکھ سکے۔

حملہ ختم ہو گا تھا۔ برنیز پاؤں پر کھڑے ہو کر ساکت و جامد رینالٹ کار کی طرف لپکا۔ ڈرائیونگ سیپ پر اس نے جو منظر دیکھا، اس سے وہ سہم سا گیا، اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ خاتون کو مشین گن کی پوری بوچھاڑ لگی تھی اور اب اسے پہچاننا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ خون سے تربتر لاش سے زیادہ کچھ اہمیت نہ رکھتی تھی۔ کار کا انجن ابھی تک اسٹارٹ تھا۔ قسمت کی اس سے بڑی ستم ظریفی اور کیا ہو سکتی تھی؟

☆☆☆

ٹینک جنوب کی طرف پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ سڑک بالکل صاف تھی۔ یہاں تک کہ ہوائی حملے کی صورت میں کسی درخت کی آڑ بھی میسر نہ تھی۔ سوراخ میں کھڑا ہوا برنیز چاروں جانب نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ ڈیوس کی نشست، پان نے سنبھال لی تھی اور رینالڈ بدستور ڈرائیوری کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا جب تک برنیز زندہ ہے سب خیریت ہے۔ سوراخ کے پیچھے پیری بیٹھا تھا اسے ساتھ لانے کے لئے برنیز ہرگز آمادہ نہ تھا، مگر پان نے مجبور کیا کہ وہ صحیح راستہ دریافت کرنے اور کھانے پینے کی اشیا کے حصول میں مدد

دے سکتا ہے، تب کہیں برنیز رضامند ہوا اور جب ٹینک فونٹین کو پیچھے چھوڑ رہا تھا تو اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات جنم لے رہے تھے۔

انہیں جلد ہی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ برنیز کی ہڈیوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ پہلے تو اسے کھیتوں میں بھولی بھالی گائیں چرتی دکھائی دیں، مگر کوئی بڑی شے جلد ہی نظر آ گئی۔ اب برق رفتار ایکشن کی ضرورت تھی۔

اس وقت ٹینک کی رفتار کم ہو چکی تھی، کیونکہ سامنے کچھ فاصلے پر ایک پل آ گیا تھا۔ زمینی حالت بھی بدل گئی تھی۔ ہموار کھیتوں کی بجائے اونچی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ ٹینک کے سوراخ میں کھڑے ہونے کے باوجود اسے پل سے آگے سڑک کا پھیلاؤ نظر نہ آ رہا تھا، چنانچہ اس نے پل پر نگاہ مرکوز کر دی۔ جبلی طور پر اسے پل کا ڈھانچہ پسند نہ آیا تھا، اسی لئے بطور احتیاط اس نے حکم جاری کیا ''دو پاؤنڈ تیار رکھو۔ فاصلہ ایک سو فٹ۔ پل سامنے ہے۔''

پان نے ابھی رینج درست کیا ہی تھا کہ سامنے سے ایک بھاری ٹرک پوری رفتار پر آتا دکھائی دیا۔ برنیز کو اس کی شناخت میں زیادہ وقت نہ لگا۔

''جرمن ٹرک فائر!'' اس نے آرڈر دیا۔

توپ کی نالی قدرے نیچے کو جھکی، کیونکہ ٹرک بلندی سے اتر رہا تھا اگلے ہی لمحے ٹینک تھرتھرایا، گولہ چیخ کر توپ میں سے نکلا۔ سیدھا ٹرک کے انجن پر لگا۔ لکڑی اور لوہے کے ٹکڑے ہوا میں اچھلے، پٹرول نے آگ پکڑ لی۔ جرمن سپاہی اپنے مشینی پستول تھامے نیچے کودے اور گھاس پر لیٹ گئے۔ وہ حیران تھے معاملہ کیا ہے؟ آہستہ آہستہ انہیں صورت حال کا صحیح طور پر احساس ہوا، تو وہ اٹھنے لگے۔ اگر وہ اچھے تربیت یافتہ سپاہی تھے، تو چند منٹ میں ٹینک کے گرد گھیرا ڈالنا شروع کر دیتے۔ برنیز نے متوقع خطرے سے نبٹنے کے لئے نئے احکام جاری کئے۔

''ڈرائیور، دائیں طرف، ٹینک سڑک سے اتار دو۔ پان، بیسا فائر کرو، دائیں طرف۔''

پان کا ہاتھ بیسا کے ٹریگر پر پہنچا۔ مشین گن چنگھاڑی۔ پہلی بوچھاڑ ایک سپاہی کو لگی جو بھاگنے کی

سوچ رہا تھا۔ وہ دھڑام سے زمین پر گرا۔ پستول اچھل کر دور جا گرا۔

''بیسا بائیں طرف گھماؤ۔ فائر''

کسی گھبراہٹ کے بغیر پان سمجھ گیا، برنیز کیا چاہتا ہے۔ انتہائی دائیں طرف سے شروع کر کے بائیں طرف تمام بھگوڑوں کا صفایا کر دیا جائے۔ اس نے زمینی سطح پر ایک اور بوچھاڑ ماری۔ آدھے منٹ میں میدان صاف ہو چکا تھا اور ٹینک واپس سڑک پر آ گیا۔

ٹرک ابھی تک جل رہا تھا۔ بونیز نے ٹینک سے اتر کر جائزہ لینا شروع کیا۔ آسمان کسی بھی خطرے سے خالی تھا۔ صرف زمین پر موت نے خوشگوار چمکیلے دن کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ ادھر ادھر جرمنوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ایک سپاہی نہر میں اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ اس میں زندگی کے آثار باقی تھے۔ برنیز نے اپنا پستول نکالا اور ڈز ڈز فائر کر کے اسے موت کے کرب سے نجات دلائی۔ پھر کچھ سوچ کر اس کی جیبیں ٹٹولیں۔ صرف آرمی پے بک ملی۔ نام: کستاف فریزلر۔ ۵۷ فیلڈ رجمنٹ۔ اس نے پے بک اپنی جیب میں ڈالی لی تا کہ واپس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر ریڈ کراس کے ذریعے کم از کم اس کی موت کی اطلاع تو بھیج دے۔

پان اینڈ رینالڈ بھی ٹینک سے نکل کر پل پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ برنیز نے اشارے سے انہیں قریب بلا کر کہا: ''یہ ہیں وہ حرامی جو ٹینکوں، توپوں اور ہوائی جہازوں کی مشین گنوں سے نہتے لوگوں پر موت کی بارش کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! ہم نے انہیں ہلاک کرنے میں پہل نہ کی ہوتی، تو اس وقت یہ لوگ ہماری بے بسی دیکھ رہے ہوتے۔''

ٹرک اب تک جل کر بھسم ہو چکا تھا۔ تقریباً بیس جرمن اس کے ساتھ راکھ بن گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر پیری کا دل متلانے لگا۔ انہوں نے جرمنوں کے ہتھیار اٹھا لئے تھے تا کہ بوقت ضرورت استعمال میں لائے جا سکیں۔ برنیز نے باقی ساتھیوں کو ان کا استعمال سکھایا۔ پیری اس دوران میں ٹینک کے اوپر ساکت و صامت بیٹھا خلا میں گھور رہا تھا۔ اس نے برنیز کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ سارجنٹ کن انکھیوں سے اس کی کیفیت بھانپتا رہا۔ وہ اس کے اسرار کو سمجھنا چاہتا تھا۔

بالآخر ٹینک کمانڈر، سارجنٹ برنیز نے حرکت میں آنے کا حکم دیا اور ٹینک کے پہیے انجانی منزل کی طرف پھر سے گردش کرنے لگے۔ وہ خود اکڑ کر سوراخ میں کھڑا ہو گیا۔ مستقبل کے خطرات اس کے قلب و ذہن پر چھائے ہوئے تھے۔ اس نے ڈھلتی سہ پہر کے آسمان پر نظریں دوڑائیں۔ اگرچہ فضا کسی بھی خطرے سے صاف تھی، مگر اسے یقین نہ تھا کہ آنے والی رات انہیں کسی بڑی مصیبت میں پھنسائے بغیر گزر سکتی ہے۔ اس نے قوت ارادی کو پکارا جو ہر سپاہی کا خاصہ ہوتی ہے۔

☆☆☆

اس کے فیصلے میں کئی خطرات مضمر تھے، مگر اس نے رات، دریا کے پل کے نیچے بسر کرنے کا حکم دیا جس سے انہوں نے نہر پر جلے ہوئے ٹرک کو چھوڑا تھا، وہ مسلسل اعصابی دباؤ کا شکار رہے۔ پان اور رینالڈ تو پہلے ہی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ فونٹین میں برنیز کی بے ہوشی کے دوران میں وہ باری باری راتوں کو پہرہ دیتے رہے تھے۔ اس وقت ان کا ایک ایک انگ ٹوٹ رہا تھا، لگاتار سفر نے ان کے قویٰ مضمحل کر دیئے تھے اور برنیز نے صحیح فیصلہ کیا تھا کہ رات آرام سے بسر کر لی جائے۔

اس حالت میں وہ سفر سے یوں بھی گھبرا رہا تھا کہ کہیں اتنی بڑی جرمن فوج سے سامنا نہ ہو جائے، جو انہیں چند منٹوں میں ملیامیٹ کر کے رکھ دے۔ بدشگونیاں پہلے ہی ظاہر ہو رہی تھیں۔ نہر عبور کرنے کے بعد کچھ فاصلے پر ٹینک کا انجن رک گیا اور اسے ٹھیک کرنے میں دو گھنٹے لگ گئے جب تک رینالڈ، انجن کی مرمت میں مصروف رہا، پان اور برنیز قریبی کھیتوں میں گھومنے نکل گئے۔

''مجھے شک ہے، ہم جس سڑک پر سفر کر رہے ہیں یہ وہ نہیں جو نقشے پر ظاہر کی گئی ہے۔ ہمیں جنوب مغرب کی طرف جانا چاہئے تھا، مگر ہم جنوب کی طرف بڑھ رہے ہیں۔'' برنیز نے اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''ممکن ہے قطب نما ٹھیک کام نہ کر رہا ہو؟'' پان نے خفت سے کہا۔ ''میں سورج کی مدد سے سفر کر رہا ہوں، یہ تو دھوکا نہیں دے سکتا۔'' برنیز نے جھنجھلاہٹ سے کہا۔

''وہ سامنے ایک قصبہ نظر آ رہا ہے، اس کی طرف چلتے ہیں اور پیری کی مدد سے کسی سے صحیح راستہ

دریافت کرلیں گے۔"

"بھاڑ میں جائے پیری اور تم بھی۔" برنیز نے غراتے ہوئے کہا۔ "میں قصبوں میں گھسنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ ہم اس کے باہر کھیتوں میں سے گزریں گے۔"

"پان کوئی جواب نہ دے سکا، اتنی دیر میں ٹینک ٹھیک ہو چکا تھا اور سفر پھر شروع ہو گیا۔ شام کے سائے تیزی سے پھیل رہے تھے۔ جب برنیز کو سامنے ایک پل نظر آیا، اس وقت وہ کھلے علاقے میں سفر کر رہے تھے اور دور و نزدیک کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں وہ آرام کر سکتے تھے۔ پل سے ادھر درختوں کے جھنڈ میں ٹینک کھڑا کر دیا گیا۔ برنیز اور پان، صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے آگے بڑھے۔

"پل ہمارے لئے سودمند ثابت ہوئے ہیں۔" پان نے بات چھیڑی۔ "اس جھنڈ میں ٹینک چھپا دیں گے اور خود کہیں اور لیٹ رہیں گے۔"

برنیز نے جھنڈ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "نہیں، یہاں ٹینک اچھی طرح نہیں چھپایا جا سکتا۔ پل کی طرف سے آنے والی ہر گاڑی کی ہیڈ لائٹیں سیدھی اس جگہ پڑتی ہیں۔ اب تک قسمت نے ہمارا ساتھ دیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سڑک پر سے مزید جرمن فوج نہیں گزرے گی..... ہم پل کے نیچے ٹینک کھڑا کریں گے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"پل کے نیچے.....!" پان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

برنیز اس دوران میں پل کے نیچے اتر چکا تھا۔ دریا کا پیندا تقریباً خشک تھا۔ صرف ایک فٹ اونچا پانی بہہ رہا تھا۔ پل کے نیچے دلدل کے بجائے ریت اور پتھروں نے سطح مرتفع سی بنا دی تھی۔

پل کی بلندی اور چڑائی اس قدر تھی کہ ٹینک بآسانی نیچے کھڑا کیا جا سکتا تھا، چنانچہ ہر طرح سے اطمینان کر لینے کے بعد ٹینک کو دور سے گھما کر وہ پل کے نیچے لے آئے اور قریب ہی اپنے لئے لیٹنے کی جگہ منتخب کر لی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ہر ایک باری باری پہرہ دے گا۔ اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ سب سے پہلے پان ڈیوٹی دے گا، پھر برنیز اور اس کے بعد رینالڈ۔ سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے جلد ہی وہ نیند کی آغوش میں جا چکے تھے۔ برنیز کی آنکھیں بڑی بے چینی سے بند ہوئیں۔ اس کے دماغ کا ایک چھوٹا سا حصہ اسے بیدار

رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔

☆☆☆

سارجنٹ اٹھو!.....

برنیز نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اس کا ہاتھ خود بخود ریوالور کی جانب بڑھا جو اس نے کمبل کے نیچے چھپا رکھا تھا۔

''پل کے اوپر چلو.....ایک لمبا چوڑا قافلہ بڑھا چلا آ رہا۔'' پان پر گھبراہٹ طاری تھی۔

اس وقت ڈیڑھ بجے کا عمل تھا، مزید اڑھائی گھنٹوں بعد صبح کے آثار پھوٹنے والے تھے۔ وہ دبے پاؤں پان کے ہمراہ پل پر چڑھا۔ ٹھنڈا خوف اس کے سریر میں سرایت کر گیا۔ چاند سر پر تھا اور زردی مائل رات میں اس نے دیکھا کہ جنوب کی طرف سے روشنیوں کا ایک قافلہ چلا آ رہا ہے۔ صبح کاذب کے سناٹے میں بیشمار گاڑیوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، اس نے جلدی جلدی گاڑیاں گننا شروع کیں۔ ابھی بیس تک پہنچا تھا کہ پان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: ''جاؤ، رینالڈ کو بیدار کر دو۔''

''پیری کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

''اسے کسی قیمت پر مت جگانا۔''

برنیز اوپر کھڑا انتظار کرتا رہا، سردی کی وجہ سے وہ کپکپا بھی رہا تھا۔ سب سے اگلی روشنی قریب تر ہو گئی تھی۔ یہ پناہ گزینوں کا قافلہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ گاڑیاں ایک خاص ترتیب سے ایڈوانس کر رہی تھیں، اس لئے یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دیر نہ لگی کہ یہ فوجی گاڑیاں ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کا اندازہ یقین میں بدل گیا۔ اب ٹینکوں کے چلنے کی آواز صاف پہچانی جا رہی تھی۔

وہ ایک آرمرڈ کالم کے راستے میں کھڑے تھے۔

برنیز جلدی سے پل کے نیچے گیا اور پان رینالڈ کو حکم دیتے ہوئے بولا: ''چند منٹوں میں وہ پل پر پہنچنے والے ہیں۔ میں جب تک مزید کچھ نہ کہوں، اسی جگہ تیار کھڑے رہو۔'' اس نے دریا کے رواں دواں پانی پر معنی خیز نظر ڈالی، پھر وہ جست لگا کر پل کے اوپر پہنچ گیا۔

اگلے ہی لمحے ایک موٹر سائیکل کی بتیاں پل کے اوپر پڑیں۔ پھر پچھلی موٹر سائیکل کی روشنی سے پہلی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ''اف خدایا!''

برنیز نے دل ہی دل میں کہا: ''یہ تو پنیز رڈویژن سر پر آن پہنچا!!''

دوسری موٹر سائیکل بجائے فونٹین کی طرف بڑھنے کے، اچانک رک گئی۔ اس کی روشنی ان جھاڑیوں پر پڑ رہی تھی، جن میں برنیز لیٹا ہوا تھا۔ موٹر سائیکل سے اتر کر ایک فوجی پل کی طرف چلا آیا اور موٹر سائیکل آگے روانہ ہوگئی۔ جونہی جرمن سپاہی نے اپنی طاقت ور ٹارچ کی روشنی دوبارہ ان جھاڑیوں پر ڈالی تو برنیز نے سانس روک لیا، پھر ٹارچ بجھ گئی اور جرمن سنتری نے مزید دو چار قدم پل کی طرف بڑھائے۔ ٹارچ دوبارہ جلی۔ اب اس کا رخ نیچے دریا کے کنارے کی جانب تھا۔ روشنی آگے بڑھنے لگی اور اس کے پیچھے نپے تلے قدم اٹھ رہے تھے۔ برنیز نے دانتوں تلے زبان دے لی۔

جرمن سنتری پل کے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سارجنٹ برنیز قریبی جھاڑیوں میں سانس روکے لیٹا تھا اور پل کے نیچے برطانوی فورس کا مہیب ماٹلڈا ٹینک کیموفلاج کیا ہوا تھا۔ جرمن سنتری کے چند مزید قدم، ٹینک اور اس کے ساتھ چار افراد کی قسمت کا فیصلہ کر سکتے تھے۔

کوئی آواز پیدا کئے بغیر برنیز، اپنا داہنا ہاتھ پشت کی جانب لے گیا اور پچھلی جیب سے لمبی دھار والا چاقو ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔

انجنوں کی آواز قریب تر ہو رہی تھی۔ برنیز کو بھی صرف چند سیکنڈ میں کوئی برق رفتار فیصلہ کرنا تھا۔ وہ خاموش لیٹا رہا اور اپنے کان جرمن سنتری کے قدموں کی چاپ پر لگائے رکھے۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ پان، فائر نہ کھول دے۔ جرمن، برنیز سے چند فٹ کے فاصلے پر گزرا۔ اس کے بھاری بوٹوں تلے پتے اور خودرو پودے چرمرا رہے تھے۔ برنیز آہستہ آہستہ اوپر اٹھا اور پل کی دیوار کی طرف بڑھا اور پھر سنتری کا تعاقب کرنے لگا۔ اس کا بایاں ہاتھ دیوار کو تھامے ہوئے تھا اور دائیں ہاتھ سے چاقو کے دستے پر گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔ اسے ایک ہی وار میں جرمن کا کام تمام کرنا تھا۔ ٹارچ کی روشنی کے پس منظر میں وہ اس کا ہیولیٰ صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ کسی بھی لمحے ٹارچ بائیں طرف گھوم جائے گی اور ٹینک اسے نظر

آجائے گا۔ایک برطانوی ٹینک دیکھ کر جرمن کا ردعمل کیا ہوگا!

برنیز، چوروں کی طرح کنارے سے نیچے اترا۔ اف! کتنا خوفناک لمحہ تھا۔ اس کا پاؤں پھسلتے پھسلتے بچا۔ وہ دیوار سے تقریباً لٹک کر رہ گیا، لیکن پھر توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔

جرمن سنتری اس سے صرف چار قدم آگے تھا اور پل سے ذرا دور انجنوں کا شور متواتر بڑھ رہا تھا۔ اسے اور نزدیک ہونے کی ضرورت تھی۔ اس نے سرعت سے قدم آگے بڑھائے۔ اسی لمحے جرمن نے اپنی ٹارچ ایک طرف گھمائی۔ روشنی کا ہالہ ٹینک پر پڑ رہا تھا۔ پورا منظر واضح ہوگیا۔ ٹینک کی دو پاؤنڈر دڑیا کے پانی کی جانب جھکی ہوئی تھی۔

برنیز نے چیتے کی طرح جست لگائی۔ چاقو والا ہاتھ بلند کرلیا۔ اس کا پورا بدن ایک ہی بار اوپر اٹھا اور پھر نیچے آرہا۔ سنتری کی پشت میں چاقو لگا اور اوورکوٹ کو چھیدتا ہوا جسم کے اندر دھنستا چلا گیا۔ وہ دونوں آگے کنارے پر جا گرے۔ سنتری نیچے تھا اور برنیز اوپر۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں جا گری۔ برنیز کا سر بڑے زور سے جرمن کے فولادی ہلمٹ سے ٹکرایا جس سے وہ چکرا کر رہ گیا، مگر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر ہلمٹ اس کے سر سے اتار کر سامنے کھڑے ہوئے پان کی طرف پھینکا۔ ''یہ لو..... اور سر پر رکھو..... کسی نہ کسی کو اب سنتری کی جگہ کردار ادا کرنا ہوگا..... میرا قد چھوٹا ہے، اس کا مشینی پستول بھی لے لو۔'' وہ سنتری کا اوورکوٹ اتارنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ پان نے آگے بڑھ کر اس کی مدد کی اور لاش پانی میں دھکیل دی گئی۔

پیش قدمی کرتے ہوئے انجنوں کی گڑگڑاہٹ اس کے کانوں کے پردے سے ٹکرائی۔ ''رینالڈ، پیری کے ساتھ پل کے نیچے ٹھہرے رہو گے۔'' پھر پان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، ''اوورکوٹ کی پچھلی طرف خون کے داغ ہیں۔ اس مسئلے پر قابو پانے کیلئے تم اپنی پشت پل کی دیوار کی طرف کر کے کھڑے رہنا۔ اس طرح گزرتے ہوئے جرمنوں کی نظر اس پر نہ پڑ سکے گی..... اب میرے پیچھے آؤ۔'' اور وہ دونوں آگے پیچھے اوپر چڑھنے لگے۔

سب سے اگلی گاڑی بہت قریب آچکی تھی، لیکن اس کی روشنی سے ابھی تک پل منور نہ ہوا تھا۔

برنیز نے آواز پر کان لگاتے ہوئے صاف محسوس کرلیا کہ اس قافلے میں ٹینک بھی شامل ہیں۔

''پان، ہم وقت پر پہنچے۔ اپنا اوپر کا بٹن ٹھیک کرلو۔ اس طرف سڑک پار چلے جاؤ اور دیوار کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔'' برنیز نے آخری فقرے پر زور دیتے ہوئے کہا: 'سینے کے سامنے مشینی پستول تانے رکھو۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ جرمن تمہیں دیکھتے رہیں..... بس اب جاؤ۔''

پان دوڑ کر پل کے پار جا کھڑا ہوا۔ ہیڈ لائٹوں پر آخری نظر ڈالتے ہوئے برنیز واپس کنارے کے نیچے چلا گیا۔ اس نے ستنیر کی ٹارچ پانی میں سے اٹھا کر بجھادی۔ پھر وہ دوبارہ اوپر چڑھ گیا۔ اب دشوار ترین مرحلے کا آغاز ہو رہا تھا۔ وہ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بھاری گاڑی پل کے اوپر سے گزری۔ اس کی روشنیاں دریا کے پانی میں لہرائیں اور پھر جونہی ٹرک آگے بڑھ گیا، وہاں مکمل اندھیرا تھا۔

کئی اور گاڑیاں آئیں اور گزرتی چلی گئیں۔ پھر برنیز کو ٹینک کے چین کی گڑگڑاہٹ سی سنائی دی۔ اس نے اپنا سر دیوار سے اوپر کر کے نظر ڈالی..... تیز روشنی کی محراب میں اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پنیز رڈویژن کا ایک ٹینک درمیانی رفتار سے بڑھے چلا آتا تھا۔ جوں جوں وہ پل کے قریب پہنچ رہا تھا، رفتار کم ہو رہی تھی۔ برنیز نے دیوار کے پیچھے دیکھتے ہوئے سوچا، اس وقت پان کے احساسات کیا ہونگے!!

☆☆☆

پان، خوف کے شکنجے میں اس بری طرح گرفتار تھا کہ اسے اپنے جذبات کا احساس تک نہ رہا۔ اس نے ابھی پوزیشن لی ہی تھی کہ پہلی گ اڑی پل پر پہنچ گئی۔ ہیڈ لائٹیں جزوی طور پر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ یہ ایک آرمرڈ کار تھی۔ پان نے اپنے لئے وہ جگہ منتخب کی تھی جہاں سے پل کی دیوغار سڑک چھوڑ کر ایک طرف کو مڑ جاتی تھی۔ اس نے اپنا ہتھیار ایک خاص زاویئے پر رکھا۔ اس کی نالی سڑک کے جانب تھی تا کہ جرمن صاف طور پر اسے دیکھ سکیں۔ پھر ایک اور آرمرڈ کار آئی۔ پان نے گاڑیاں گننی شروع کر دیں۔ اس نے سوچا، برنیز ان کی تعداد ضرور دریافت کرے گا، اسی لئے کہ وہ بعد میں کچھ نہ کچھ ضرور پوچھا کرتا تھا۔

پان کو خوفناک حد تک اس بات کا احساس تھا کہ صرف ایک گاڑی رکنے کی دیر ہے جس میں کوئی

افسر بھی بیٹھا ہو اور پھر کام تمام سمجھو۔ چار گاڑیاں مزید گزریں، پھر پان کے کانوں میں جانی پہچانی آواز آئی۔ اب ٹینک آ رہے تھے۔ ان میں کمانڈر سینہ تانے کھڑے ہونگے۔ وہ اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گیا، اس کے ہاتھوں کی گرفت نالی پر اس قدر سخت تھی کہ وہ تقریباً کانپنے لگی۔ جلد ہی اس نے گرفت ڈھیلی کی۔ اس وقت تک پہلا ٹینک اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنی نظریں سامنے دیوار پر گاڑھے رکھیں اور ٹینک کے سوراخ میں ایستادہ کمانڈر کی طرف دیکھنے کی جرات نہ کی۔ ٹینک نے پل پار کیا اور پان نے اپنا سانس باہر نکالا جسے غیر شعوری طور پر وہ روکے ہوئے تھے۔ وہ متعجب تھا کتنی دیر اس صورت حال کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ کیا وہ شدید ترین اعصابی دباؤ کے سامنے بے دم ہو کر نہ رہ جائے گا؟ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اتنی دیر میں دوسرا ٹینک اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مشکلوں اور خطروں کے مقابلے میں پان نے ایک ذہنی مشق کر رکھی تھی اسے وہ دماغ کو کولڈ اسٹور میں رکھنے کا نام دیتا تھا..... مقصد یہ تھا کہ جب کبھی وہ حقیقی بحران سے دوچار ہو جائے، تو عارضی طور پر اپنے تمام احساسات اور ہر قسم کے عمومی ردعمل پر قابو پالے اور ایک اور صرف ایک نکتے پر تمام تر توجہ مرکوز کر دے۔ اس وقت وہ گاڑیوں کی گنتی میں مصروف تھا۔ وہ پچاس کے قریب بھاری ٹینک شمار کر چکا تھا کہ اسے کسی شے کا احساس ہوا..... کسی بھی ٹینک کمانڈر نے اس پر نظر ڈالنے کی تکلیف نہ کی تھی، اسی لئے وہ گاڑیوں اور ٹرکوں کے مقابلے میں ٹینکوں کو پسند کرتا تھا۔ جب اسے پہلا ٹرک اپنی طرف آتا دکھائی دیا، تو وہ خوفناک گھبراہٹ کا شکار ہو گیا۔ یہ ویسا ہی ٹرک تھا جیسا وہ اپنی توپ سے نہر کے پل پر شعلوں کی نذر کر چکا تھا۔ ٹرک آئے بڑھا اور پان نے ہلمٹ کے نیچے سے دیکھا، ڈرائیور کے پہلو میں ایک افسر براجمان تھا جس نے ایک نگاہ غلط انداز پان پر ڈالی اور اتنی دیر میں ٹرک آگے نکل گیا۔ اس کے پچھلے حصے میں فولادی ہلمٹ پہنے ہوئے جرمن پیادہ سپاہی اپنا اپنا اسلحہ تھامے بیٹھے تھے خالی خولی چہروں کے ایک سمندر نے اسے گھورا۔ ''خدا کے لئے چلتے رہو، چلتے رہو۔'' پان نے دل ہی دل میں کہا۔ پسینے کی وجہ سے اس کے ہاتھ اس قدر گیلے ہو چکے تھے کہ ہتھیار پکڑے رکھنا مشکل ہو گیا۔ ''گنو، گنتے رہو۔ اس کے سوا کوئی اہم کام نہیں۔'' اس کے لاشعور نے کہا..... اس نے جلدی سے اوور کوٹ سے اپنے ہاتھ پونچھے اور پھر تن کر کھڑا ہو گیا اب ایک اور ٹرک آ رہا

تھا۔ پہلے کی طرح ایک افسر نے اس پر نگاہ ڈالی، پھر گھورتی ہوئی آنکھوں کا سمندر ٹرک کی پچھلی طرف سے ابل پڑا۔ جونہی ٹرک غائب ہوا، اسے عقب سے برنیز کی آواز سنائی دی: ''ثابت قدم رہو، تم نے تو شاندار مظاہرہ کیا۔''

برنیز کی آواز سن کر اس کے حوصلے جوان ہو گئے۔ دشمن کے سامنے بڑی بے رحمی سے تن تنہا کھڑے ہونے کا احساس دب گیا۔ وہ پھر گنتی کرنے لگا..... اور پھر کسی وارننگ کے بغیر ایک کڑی آزمائش سے دوچار تھا۔

دوسرے ٹرکوں کی طرح ایک اور ٹرک پل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی ہیڈ لائٹوں نے جزوی طور پر پان کا چہرہ منور کر دیا۔ یہ ڈھلان سے اوپر چڑھا اور اس کے قریب سے گزرا۔ ڈرائیور کے ساتھ معمول کے مطابق جرمن افسر نے نشست سنبھالی ہوئی تھی اور پھر پچھلے حصے میں گھورتے ہوئے چہروں کا سمندر۔ جونہی وہ پل سے آگے موڑ مڑنے لگا، اس کے انجن نے دھواں چھوڑا اور پھر کھانسنے لگا۔ ایک لمحے کو اس کی رفتار کم ہو گئی اور وہ رک سا گیا..... پان صاحف محسوس کر رہا تھا کہ ڈرائیور اسے چلانے کی سر توڑ کوشش میں ہے۔ ٹرک پھر حرکت میں آیا اور سڑک سے اتر کر کھیتوں میں داخل ہو گیا۔ اب انجن کے کھانسنے کی آواز پہلے سے بڑھ گئی تھی۔

خوف کے مہیب سایوں تلے پان نے دیکھا کہ ٹرک کے پچھلے حصے سے فوجی نیچے اترے اور کھیتوں میں ادھر ادھر پھرنے لگے۔ ڈرائیور اور افسر نے بونٹ اوپر اٹھایا اور انجن کے اندر جھانکنے لگے۔ ''مقتول جرمن سنتری ان میں سے کسی نہ کسی کا دوست ضرور ہو گا۔'' پان نے سوچا اور خوف کی لہریں اس کے انگ انگ سے ٹکرانے لگیں۔ ''اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ادھر آ نکلا، تو بس معاملہ ختم سمجھو۔'' اور پھر مزید گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ خراب ہونے والی گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو شاید حکم تھا کہ وہ سڑک پر رکاوٹ ہرگز نہ بنیں تاکہ نقل و حرکت پروگرام کیغ مطابق جاری رہے۔ ''شاید یہ لوگ صبح تک یہیں رہیں گے!!'' پان انجانے خوف سے لرز گیا۔

''پان! برنیز نے دیوار کی اوٹ سے سرگوشی کی۔ ''جو کچھ وقوع پذیر ہوا ہے، میں اسے جانتا ہوں

اوراس کے نتائج وعواقب میرے سامنے ہیں۔بس تم خاموش کھڑے رہو۔ وہ چند منٹوں میں انجن ٹھیک کر کے روانہ ہو جائیں گے.....'' اس کی آواز، ٹینک کی گڑگڑاہٹ میں دب گئی اور وہ خود دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔

''پان، خطرے کی صورت میں تمہارے پیچھے موجود ہوں اور میرے ہاتھ میں خود جرمنوں کا پستول ہے.....تم کوئی حرکت نہ کرو اور.....''

اسے ایک بار پھر دیوار کی اوٹ میں ہونا پڑا۔ پان کو جب یہ محسوس ہوا کہ اس کا کمانڈر اس کی حفاظت کے لئے پیچھے موجود ہے، تو اس کا مورال بلند ہو گیا۔ اس نے مشینی پستول پر گرفت مستحکم کر لی۔ کیونکہ اس کا کام یہی تھا۔ اس وقت کچھ جرمن سپاہی سڑک کے قریب آ چکے تھے۔ ڈرائیور اور افسر ابھی تک انجن پر جھکے ہوئے تھے۔ اگر ٹرک جلدی نہ چلا، تو کوئی جرمن سپاہی سڑک عبور کر کے سنتری کے ساتھ گپیں ہانکنے آ سکتا تھا۔ پان نے دیکھا ایک سپاہی واقعی سڑک پار کر رہا تھا، موت کے خونی کے پنجے اسے اپنی طرف بڑھتے دکھائی دیئے۔ ایک.....دو.....تین..... لمحے رینگ رہے تھے اور انجام قریب آ رہا تھا، اچانک ایک اور ٹینک کی ہیڈ لائٹوں نے پل پر روشنی بکھیر دی اور سڑک پار کرنے والا جرمن سپاہی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سڑک کے کنارے گھاس پر کھڑا تھا اور اندرونی تذبذب میں مبتلا۔ پھر وہ مزید پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے سوچا ہو گا کوئی افسر اسے یوں چہل قدمی کرتے دیکھ کر جھاڑ پلا سکتا ہے یا ممکن ہے اس کی پے بک ہی چھین لی جائے۔

برنیز نے اس دوران میں پان کی عقبی دیوار چھوڑ دی تھی اور وہ پل کا کنارا دونوں ہاتھوں سے پکڑے آہستہ آہستہ دریا کی دوسری جانب رینگ رہا تھا اس کی ہتھیلیاں پہلے ہی لہولہان تھیں۔ ایک ایک انچ کا فاصلہ صدیوں کی مسافت بن گیا، لیکن اس کی بے پناہ قوت ارادی اسے آگے دھکیلے جا رہی تھی۔ وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور ایک اوٹ میں لیٹ کر جرمن فوجی قافلے کو دیکھنے لگا۔ وہ اندازہ لگانا چاہتا تھا ابھی کتنی اور گاڑیاں گزرنے والی ہیں، پھر اس نے اطمینان کا سانس لیا اور دوبارہ پہلے کی طرح پل سے لٹک کر پان کی طرف جانے لگا۔

''ہاں۔'' اس نے دیوار کے اوپر سر نکالتے ہوئے کہا: ''صرف چار گاڑیاں اور آنی ہیں اور آخری دو شاید موٹر سائیکل ہوں گے۔''

''میرا خیال ہے وہ ٹرک بھی حرکت کر رہا ہے......''

''ہاں، میں نے انجن چلنے کی آواز سن لی ہے...... دیکھو۔'' برنیز نے زور دیتے ہوئے کہا: ''جب دو گاڑیاں اور گزر جائیں، تو تم چمگادڑ کی طرح اپنے آپ کو اس دیوار سے نیچے گرا لو گے۔''

''لیکن وہ ٹرک......''

''بس چپ ہو جاؤ اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔''

برنیز پھر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس کی نظریں کھیتوں میں کھڑے ہوئے ٹرک پر جمی تھیں۔ سپاہی اس کے پچھلے حصے میں جست لگا کر بیٹھنے لگے اور ڈرائیور اور افسر اپنے کیبن میں بیٹھ چکے تھے۔ اس کا دماغ طرح طرح کے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا...... ممکن ہے آخری موٹر سائیکل یہاں رک کر سنتری کو اوپر بٹھا لے۔ اس طرح اس موٹر سائیکل کے ڈرائیور کے ساتھ انہیں بنٹنا ہوگا، لیکن اس سے پہلے ٹرک کی روانگی ضروری تھی تا کہ یہ لوگ بھی بیچ میں نہ کود پڑیں۔

ٹرک نیم دائرے میں حرکت کرنے لگا۔ ایک گاڑی اس وقت پل پر پہنچ گئی اور اب صرف ایک باقی تھی۔ ٹرک اب غیر ہموار زمین کی وجہ سے ہچکولے کھاتا سڑک کی طرف بڑھ رہا تھا کیا یہ دوسری گاڑی کے آنے سے قبل سڑک پر چڑھ جائے گا یا اسے راستہ دینے کے لئے تھوڑا انتظار کرے گا؟ برنیز نے مشینی پستول پر گرفت مضبوط کر لی۔ اسے اگلے ساٹھ سیکنڈ میں انتہائی سرعت سے کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ ٹرک، سڑک کے کنارے پر رک گیا تا کہ اطمینان کر سکے، راستہ صاف ہے۔ برنیز اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا ٹرک ان کا حقیقی دشمن تھا، جو ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کر سکتا تھا وہ ابھی تک سڑک پر چڑھنے سے ہچکچا رہا تھا جیسے ڈرائیور کو کچھ ضروری کام یاد آ رہا ہو۔ شاید اس کا افسر اسے پیچھے مڑنے کو کہہ رہا تھا تا کہ سنتری کو بھی ساتھ بٹھایا جا سکے۔ برنیز نے دعا کی ہم سوئے اتفاق سے موت کے منہ میں نہ پہنچ جائیں، پھر اچانک ٹرک سڑک پر چڑھا اور فونٹین کی طرف جانے والی سڑک پر آہستہ آہستہ اس کی رفتار بڑھتی گئی۔ اتنے میں آخری

گاڑی پل پر پہنچ چکی تھی۔ برنیز نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا: ''پان، اب کود پڑو۔''

اس نے پان کا بازو تھاما اور اسے نیچے کھینچ لیا۔ ''ان جھاڑیوں میں لیٹ جاؤ، خواہ کچھ بھی ہو جائے، فائر مت کھولنا، ممکن ہے پہلی موٹر سائیکل بغیر رکے گزر جائے، لیکن آخری ضرور رکے گی تا کہ اپنے سنتری کو بٹھا کر لے جائے بس ہمارا مقابلہ اسی سے ہوگا۔''

''لیکن اگر انہیں سنتری نظر نہ آیا اور تلاشی لینے لگیں.....''

''ضروری نہیں وہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ سنتری آخری ٹرک میں سوار ہو کر چلا گیا..... دیکھو..... میں دوسری پوزیشن لیتا ہوں۔''

برنیز پوری رفتار سے دوڑا اور سڑک پار کر کے بیس گز دور جھاڑیوں میں گر گیا۔ ان دونوں نے ایسی پوزیشنیں لے لی تھیں کہ آخری موٹر سائیکل ان کے کراس فائر کی زد میں آجاتی، پھر اس نے پہلے موٹر سائیکل کو پل کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔

یہ پوری رفتار پر بڑھی چلی آ رہی تھی اور کوئی سنسنی پیدا کیے بغیر گزر گئی یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ برنیز کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ اب انہیں آخری موٹر سائیکل کا خطرہ درپیش تھا وہ زمین کے ساتھ اور بھی چپک گیا، مشینی پستول سامنے پھیلا لیا۔ پھٹ پھٹ کی سی آواز سنائی دینے لگی۔ جھاڑیوں میں سے وہ اس کی روشنی دیکھ رہا تھا جو پل کی طرف دوڑتی جا رہی تھی۔ برنیز کی ٹانگوں کے اعصاب تن گئے اور ہاتھ مضبوطی سے ہتھیار پر جم گئے۔

اور پھر موٹر سائیکل اس کے سامنے تھی۔ یہ اسی رفتار پر پل سے گزر گئی۔

برنیز خاموشی سے اپنے آپ پر ہنسا۔ وہ خفت مٹانا چاہتا تھا اسے فوجی الف بے کی بھی شد بد نہ تھی۔ ''مجھے ریفریشر کورس کی ضرورت ہے۔'' اس نے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

موٹر سائیکلوں پر وائرلیس نظام نہیں ہوتا اور انہیں کسی طرح اطلاع نہیں دی جا سکتی کہ آگے ان کے لئے کوئی کام ہے۔ سنتری کو خود بخود آخری ٹرک روک کر سوار ہو جانا چاہئے..... اعصاب شکن تناؤ، قیامت کی سی گھبراہٹ اور سر پر لٹکتی موت کا کرب ختم ہو چکا تھا، وہ سڑک پار کر کے پان کی طرف گیا۔

''بالآخر اب ہم آرام کر سکتے ہیں۔'' پان صرف یہی الفاظ تلاش کر سکا۔

''مجھے ڈر ہے، ایسا نہیں..... صبح سے پہلے ہمیں ایک خوفناک سوال کا جواب دینا ہوگا۔''

☆☆☆

صبح ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی تھا اور پل کے نیچے ابھی تک گھپ اندھیرے کی کیفیت تھی۔ برنیز نے اپنی ٹارچ روشن کی اور پیری کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ لڑکے نے روشنی میں آنکھیں کھولیں اور بند کیں اور پھر بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا: ''سارجنٹ کوئی اور مصیبت آ پڑی؟''

''نہیں، ماب تم اپنی باری بھگتاؤ گے۔ ہم سب تھک چکے ہیں۔ اٹھو اور رینالڈ سے ڈیوٹی لے لو۔ تمہیں تین گھنٹے تک پل پر پہرہ دینا ہوگا، کیونکہ سات بجے سے پہلے یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتے۔''

''ٹھیک ہے۔'' پیری نے بوٹوں کے تسمے باندھتے ہوئے کہا۔ ''میں بڑی خوشی سے اپنی ڈیوٹی دوں گا۔''

''ہم دیکھیں گے، تم کام کیسے سرانجام دیتے ہو۔ تمہیں صرف پل پر کھڑے ہو کر کان کھلے رکھنے ہوں گے۔ یہ مت فرض کر لینا کہ جو بھی گاڑی پل کی طرف آئے گی، اس کی بتیاں ضرور روشن ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں یہ پہلی گاڑیوں کی طرح جنوب ہی سے آئے، بلکہ مجھے یقین ہے یہ شمال ہی سے آئے گی، کیونکہ جب انہیں پتہ چلے گا سنتری غائب ہے، تو وہ ضرور کسی کو واپس بھیجیں گے۔''

''میں بڑی احتیاط سے پہرہ دوں گا۔''

کوئی بھی پہلی شے دیکھتے اور اس کی آواز سنتے ہی تم دوڑ کر نیچے آؤ گے اور ہمیں خبردار کر دو گے۔ سمجھ گئے نا!

''بہت اچھی طرح سمجھ گیا۔'' اس نے اپنے ہاتھ مشینی پستول کی طرف بڑھائے جسے برنیز نے اور بھی مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ ''مجھے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑے گی؟'' پیری نے پوچھا۔

''بس اپنی آنکھوں اور کانوں سے کام لو۔ میں یہ خطرہ ہرگز مول نہیں لے سکتا کہ تم جھاڑیوں میں رینگتے ہوئے آدمی کے شبہے میں فائر کر دو۔ جاؤ اب؟''

برنیز نے پیری کے اوپر چڑھنے تک انتظار کیا۔ پھر وہ پل کے نیچے دوڑ کر دوسرے کنارے پہنچ گیا اور جھاڑیوں میں اپنے آپ کو چھپالیا۔

یہ پل ایک پہاڑی دریار پر بنا ہوا تھا اور اس کی لمبائی کچھ زیادہ نہ تھی۔ اس لئے برنیز جہاں لیٹا ہوا تھا وہاں سے پیری اور رینالڈ کو باتیں کرتے سن رہا تھا۔ پھر رینالڈ اسے مڈیوٹی دے کر نیچے اترا، تو اس کے قدموں کی چاپ بھی صاف سنائی دی اس کے بعد صرف پیری کی نقل وحرکت کی آواز باقی رہ گئی۔ نیم تاریکی کی وجہ سے برنیز کو اس کا ہیولی سا دکھائی دے رہا تھا اور ہیولے کو اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔

صبح کاذب کی سیاہی چھٹنے تک برنیز کو اطمینان ہو گیا کہ لڑکا بخوبی پہرہ دے سکتا ہے۔ وہ پل کے آر پار گشت کرتا رہا۔ کبھی کبھی دونوں سروں پر رک کر چپ چاپ کسی بھی آواز پر کان لگا کر خاصی دیر تک کھڑا رہتا۔ ایک دو بار اس نے دریار پر بھی نگاہ ڈالی جیسے اسے خدشہ ہو کہ دشمن اس طرف سے بھی اچانک حملہ کر سکتا ہے۔ برنیز نے سوچا۔ لڑکا تربیت یافتہ ہے اور یہیں سے اس کے وہ شبہات تقویت پکڑ گئے جو پہلے دبے رہے تھے۔

صبح صادق کے آثار ہویدا تھے زردی مائل خنک روشنی کی لکیریں افق پر جلوہ گر ہو رہی تھیں۔ برنیز اس وقت تک بعض مشکلات میں گھر چکا تھا وہ بے حس وحرکت لیٹا ہوا تھا اس طرح اس کے جسم کے مختلف اعضا سن ہونا شروع ہو گئے تھے، خصوصاً داہنی ٹانگ تو اس قدر اکڑ چکی تھی کہ وہ اسے ذرا سی حرکت دیتا تو پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ جاتی اور یوں لگتا جیسے اسے برقی جھٹکے دیئے جا رہے ہوں۔ بایں ہمہ سب کچھ برداشت کر رہا تھا، کیونکہ وہ ایک سوال کا حتمی جواب چاہتا تھا۔ پیری کی حقیقت کیا ہے اور وہ ان کا کس حد تک وفادار ہے؟

وہ بڑے عزم کے ساتھ لیٹا رہا اس وقت پیری اس کے قریب پل کے سرے پر کھڑا انہی جھاڑیوں کی طرف دیکھ رہا تھا، جن میں برنیز لیٹا تھا۔ ذرا سی بھی آواز پیری کو چوکنا کر دیتی اور اسے علم ہو جاتا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے وہ اس وقت مشرقی افق پر نظریں جمائے کھڑا تھا، جہاں صبح کے آثار لحہ بہ لحہ اور بھی

نمایاں ہو رہے تھے۔ اس یخ بستہ ماحول میں برنیز کے چہرے سے پسینہ پھوٹ بہا، کیونکہ وہ اپنی قوت ارادی سے کام لے کر بڑا ضبط کئے ہوئے تھا۔ وہ بڑی دیر تک ٹانگ پھیلائے لیٹا رہا، یہاں تک کہ درد کافور ہو گیا۔ شاید پیری اتنی دیر اسی لئے کھڑا رہا کہ برنیز کو زیادہ سے زیادہ کرب میں مبتلا رکھے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا پل کے دوسری جانب چل دیا۔

جھاڑیوں میں سے برنیز نے آگے کھیتوں میں نظر ڈالی جن کے پیچھے دریا کا ایک کنارا بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ اگر دشمن اس مقام کو حملے کے لئے منتخب کرے، تو بڑی خاموشی سے ان کے سر پر پہنچ سکتا تھا۔ اسی جگہ پر اب اس کی نظریں مرکوز تھیں کنارا روشن ہوتا چلا گیا۔ بھورے اور سنہری رنگ کا امتزاج افق پر پھیل رہا تھا اور ایک چمکدار دن کی ابتدا ہو رہی تھی۔ پیری اب دوسرے سرے پر رک گیا تھا۔ ابتدائے صبح کی مطلق خاموشی اسے غیر حقیقی سی لگی۔ ایسا سکوت جسے برنیز سن بھی رہا تھا۔

فضا میں اس قدر خنکی تھی کہ وہ کئی بار کانپ کر رہ گیا۔ سردی فوراً یونیفارم کو چھید کر اس کا جسم منجمد کئے دیتی تھی۔ دریا کے ابھرے ہوئے کنارے کے پار اٹھنے والے بخارات نے صبح کو دھندلا سا دیا تھا۔ برنیز کو نہ جانے کیسے یقین آ گیا کہ دھند اور کہر کے اس کثیف پردے کے پیچھے کوئی پراسرار نقل و حرکت جاری ہے۔ چند منٹ بعد اس نے کنارے کے اوپر کسی انسانی وجود کا واضح احساس کر لیا۔

آہستہ آہستہ یہ مبہم ہیولیٰ اوپر ہی اوپر چڑھتا گیا اور پھر ساکت و جامد کھڑا ہو گیا۔ برنیز کا پورا بدن تن گیا، انگلیاں ریوالور کی طرف بڑھنے لگیں، اس کی آنکھیں خاموش کھڑے ہوئے ہیولے پر جمی تھیں، جس کے کپڑے دھند کی وجہ سے پہچانے نہ جا رہے تھے، لیکن ایک بات واضح ہو گئی، اس کے ہاتھ میں بھی مشینی پستول تھا اور سر پر فولادی ہلمٹ۔ برنیز کے ذہن میں زبردست سرگرمی شروع ہو گئی اور وہ صورت حال سے نپٹنے کے لئے ضروری کارروائی پر غور کرنے لگا۔

پیری اب پل پار کر کے ادھر آ رہا تھا، پھر قدموں کی چاپ اچانک بند ہو گئی۔ برنیز نے گردن موڑ کر پل کی طرف دیکھا، تو پیری غائب ہو چکا تھا۔

فولادی ہلمٹ پہنے ہوئے سپاہی بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ پل کی جانب یوں دیکھ رہا تھا جیسے

خطرے کی بو سونگھ چکا ہو ماحول پر ایک معنی خیز سکوت طاری تھا، ایسا سکوت جو کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

برنیز انتظار کرتا رہا.....

پیری انتظار کرتا رہا.....

اور فولادی ہلمٹ پہنے ہوئے جرمن سپاہی بھی منتظر رہا.....وہ اس طرح ساکت وصامت کھڑا تھا جیسے پتھر کا بے جان بت ہو۔

اب برنیز کی توجہ دو طرف بٹ گئی تھی۔ سامنے کنارے پر اور پہلو میں پل کے کنارے کی طرف، جہاں پیری چھپ گیا تھا۔

پھر کسی وارننگ کے بغیر جرمن سپاہی کنارے سے اترا اور پل کی طرف رینگنے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا اس نے بھی ابھی تک کسی کو نہ دیکھا تھا، مگر اس کی حرکات وسکنات سے ظاہر ہوتا تھا، وہ پورے پل سے خوفزدہ ہے۔ وہ کسی دستے کا ہراول سپاہی تھا جو دریا عبور کرنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ بھال کرنے بھیجا گیا تھا۔

جرمن سپاہی پستول تانے آگے بڑھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک دھندلایا ہوا تھا۔ برنیز کو پل کی اس دیوار کے قریب سے سرسراہٹ سی سنائی دی جہاں پیری دبک گیا تھا اور جب یہ سرسراہٹ ختم ہوگئی، تو صرف آگے بڑھنے والے جرمن سپاہی کے قدموں کی مبہم چاپ باقی رہ گئی۔ وہ بلی کی طرح دبے پاؤں آگے بڑھ رہا تھا۔ کنارے اور پل کے درمیان وہ سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کچھ سننے کے لئے ایک طرف سر جھکایا اور پھر قدم بقدم آگے بڑھا۔ اسی لمحے برنیز نے اپنے آپ کو قدرے اوپر اٹھایا۔ اس نے پل کی جانب جست لگانے کی آواز سنی۔ پیری کے ہاتھ ہوا میں اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ وہ کھلے علاقے میں آتے ہوئے بار بار پکار رہا تھا اور جرمن سپاہی نے ابھی تک فائر نہ کھولا تھا۔ برنیز بھی سیدھا کھڑا ہو گیا اس کی یونیفارم سے شبنم کے قطرے ٹپ ٹپ گرے۔ پیری اس دوران میں پل اور جرمن سپاہی کے درمیان پہنچ گیا، جس نے اپنا پستول برنیز کی طرف گھما لیا تھا۔ پیری نے مڑ کر برنیز کو دیکھا اور وہ بار بار چلانے لگا۔ وہ ہاتھ سے برنیز کی

طرف اشارہ کر رہا تھا، پھر جرمن سپاہی کی طرف پوری رفتار سے بھگا اور ہلمٹ پہنے ہوئے سپاہی سے کچھ فاصلے پر اچانک رک گیا اس کی آواز تقریباً مر رہی تھی۔ برنیز احتیاط سے دونوں آدمیوں کی طرف بڑھا۔ پیری اس وقت تک جرمن زبان میں چیخ چیخ کر پکار کرتا رہا جب تک اس نے فولادی ہلمٹ اور اوورکوٹ کے پردے میں پان کا چہرہ صاف طور پر نہ پہچان لیا۔

''تمہارا اندازہ اس حرامی کے بارے میں صحیح تھا۔'' پان نے اپنا پستول پیری کے پیٹ پر رکھا اور برنیز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ایک بلجین محب الوطن کا یہ عجیب طرز عمل ہے کہ اس نے جرمن سپاہی کو دیکھ کر بجائے خبردار کرنے کے، اس کی طرف پناہ کے لئے دوڑنا شروع کر دیا۔'' پھر برنیز نے پان کی اداکاری کو تحسین کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: ''تم نے تو مجھے بھی خوفزدہ کر دیا۔ میں سمجھا اب آخری وقت آچکا ہے۔''

''ہم نے غلطی سے ایک ننھے جاسوس کو اپنے اندر گھس آنے کی اجازت دی دے۔'' پان نے اپنی انگلی ٹریگر پر مضبوطی سے جماتے ہوئے کہا۔

''آہ! یہ مناسب وقت کے انتظار میں تھا۔ اس نے سوچا ہوگا پیچھے پوری پلاٹون آ رہی ہے، وہ ہمیں اس کے ہاتھوں میں دے کر عظیم تمغ جیت سکے گا۔ پیری، تم نے سخت حماقت کی!''

''کیسی حماقت! مجھ سے کبھی حماقت سرزد نہیں ہو سکتی۔'' پیری نے چہرے پر رعب طاری کرتے ہوئے کہا۔ اس نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اسے ان کا قطعاً خوف نہیں، اپنی انگلیاں بالوں میں پھیریں۔

پھر اس نے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے کہا: ''جرمن فوجی کی یہ عادت نہیں کہ دشمن کے ڈر سے بلوں کے نیچے چھپتا پھرے۔''

پان نے اشتعال میں آ کر ایک قدم آگے بڑھایا اور قریب تھا کہ اس کے دل پر پستول داغ دیتا، برنیز نے اسے روک لیا۔ ''ٹھہرو، اگر ہمیں یہ ضروری معلومات بہم پہنچا دے گا، تو ٹھیک ہے، ورنہ اسے اگلے ہی لمحے گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔''

پہلی بار پیری کی نیلی آنکھوں میں خوف کے سائے تیرنے لگے۔ اس نے تیزی سے پہلے تو پان

کے کندھوں کے اوپر سے دیکھا اور پھر برنیز پر نگاہیں جما دیں۔ ''برنیز، یہ قتل ہوگا..... وحشیانہ قتل!!!

''یاد رکھو، تم مجھے سارجنٹ کہہ کر پکارو گے اور چونکہ تم وردی میں ملبوس نہیں ہو، اس لئے تمہیں جاسوسوں کی صف میں شمار کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ انہی جیسا سلوک ہوگا۔ تمہاری یونٹ کون سی ہے، پیری؟''

''میں تمہارے سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں۔''

''ٹھیک ہے تم پابند نہیں، تو گولی سے اڑا دیا جائے۔''

''میں بعض سوالوں کا جواب دینے کو تیار ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ تمہاری عمر کیا ہے؟''

''بیس!''

''تمہارا اصل نام کیا ہے؟''

''سارجنٹ گرہارڈ سافٹ!''

''اور تمہاری یونٹ!''

خاموشی، سکوت..... سافٹ کا منہ ایک اکڑے ہوئے دھاگے کی مانند تھا۔ اس نے دوبارہ تیزی سے پان کے کندھوں کے اوپر دیکھا۔

''معلوم ہوتا ہے تمہیں ابھی تک کسی جنگ کا تجربہ نہیں۔'' برنیز نے اسے اکسایا۔ سافٹ کی آواز بدل گئی۔ اس نے کندھے سکیڑ لئے اور تقریباً بھونکتے ہوئے کہا:

''میں پولینڈ کی جنگ میں حصہ لے چکا ہوں۔ میں وارسا میں داخل ہوا تھا، ہم نے پولش باشندوں کو دو نیم کر کے رکھ دیا اور انہیں تباہ کر دیا۔''

''تو پھر تم یقیناً جانتے ہو گے کہ ایک سپاہی سادہ کپڑوں میں پکڑا جائے، تو اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟''

جرمن کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں، پھر اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا: ''کارپورل پان میری

نظر سے بچ کر پل کے نیچے سے نکلنے میں کیسے کامیاب ہوا؟''

''میں اس وقت دریا کے اندر اندر اس کنارے پر آ گیا، جب تم رینالڈ سے ڈیوٹی لے رہے تھے۔'' یہ کہہ کر پان، اس کے ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔

جرمن نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خالی خولی نظروں سے تکتا رہا اور کچھ اور سننے کا منتظر رہا۔

''سافٹ، آخر دشمن کی لائنوں کے پیچھے تمہیں سادہ کپڑوں میں کیوں بھیجا گیا۔ میں جاننا چاہتا ہوں، کیوں؟''

''اس لئے کہ میں انگریزی اور فرانسیسی مہارت سے بولتا ہوں۔ میری ماں فرانسیسی تھی۔''

کیا اس نے آخری فقرہ جذبہ ہمدردی ابھارنے کے لئے کہا تھا؟ برنیز کو بھی یہی شک گزرا، لیکن اس کے دل میں نفرت اور بھی بڑھ گئی۔ اس نے پہلے سے تیکھی آواز میں پوچھا: ''یہ سڑک کس طرف جاتی ہے؟''

''آر اس کی طرف..... میں بتا جو چکا ہوں''

''تم بہتوا ہی تباہی بک چکے ہو میرے بچے، اب یہ بتاؤ ہم آ کہاں سے رہے ہیں؟''

''یقیناً فونٹین سے۔''

سافٹ کا لہجہ بھی پر اعتماد تھا۔ اسے کچھ احساس ہو گیا کہ فوراً گولی کا نشانہ نہیں بن رہا۔

''فونٹین سے؟'' برنیز نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''ایک بار پھر کہو۔''

''لیکن یہ ٹھیک تو کہہ رہا ہے!'' پان نے حیرت بھرے لہجے میں احتجاج کیا۔

''اونہہ! وہ ٹھیک کہتا ہے! کیا پورے گاؤں میں اس کے علاوہ بھی تمہیں کسی نے بتایا؟ میرا خیال ہے کسی نے نہیں۔ ہم نے فونٹین سے جو سڑک اختیار کی، وہ نقشے کے مطابق جنوب مغرب کو جانی چاہئے، لیکن یہ سڑک خاصی دور تک جنوب کی سمت گئی اور پھر جنوب مغرب کو مڑی..... اور ہمیں کئی دیہاتوں کے قریب سے گزرنا چاہئے تھا، مگر تم جانتے ہو ہمارے راستے میں صرف چار قصبے آئے اور کوئی گاؤں دکھائی نہ دیا۔ سافٹ کا کھیل یہ تھا کہ ہمیں جرمن مقبوضہ علاقے میں اندر تک لے جائے اور مائلڈا کو بالکل چالو حالت

میں اپنے آقاؤں کی خدمت میں پیش کر کے تمغے جیتے، اب بتاؤ اس گاؤں کا صحیح نام کیا ہے جسے تم فونٹین کہتے ہو"

وہ خاموشی سے جرمن کو دیکھتا رہا۔ ایک پاگل نوجوان نازی سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔ نیم وا آنکھوں سے اس نے دیکھا کہ ان کے قیدی پر حالات کا کوئی اثر نہیں۔

بالآخر سافٹ نے ہونٹ کھولے اور وہ بلند آواز میں بولا۔ "مجھے ایسے رازوں سے پردہ اٹھانے کی اجازت نہیں جو دشمن کیلئے مددگار ثابت ہو..... تم میرے دشمن ہو..... ہیل ہٹلر (ہٹلر زندہ باد)

پان نے ہتھیلی کی پشت سے اس کے گال پر زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔ جرمن کا رخسار سرخ ہو گیا۔

"سافٹ تمہیں ایک بار بتایا جا چکا ہے اور پھر نہیں بتایا جائے گا کہ بات کرتے وقت سارجنٹ کے لفظ سے مخاطب کرو۔ اب تم بھول گئے، تو منہ کے اندر چند دانت کم کروا بیٹھو گے۔"

سافٹ نے پان کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر نفرت بھرے انداز میں زمین پر تھوک دیا۔

سارجنٹ برنیز نے کہا: "پان، اس بچے پر طاقت ضائع نہ کرو، وہ تو ابھی ابھی پنگھوڑے سے نکلا ہے۔"

اس ہتک پر سافٹ اور بھی چڑ گیا۔ اسکی ٹھوڑی آگے کو اٹھی اور اسکی آواز کسی ڈرل سارجنٹ کی طرح لرز رہی تھی:

"جرمن فوج تھوڑی دیر بعد یہاں پہنچنے والی ہے۔ تم جرمن مقبوضہ علاقے میں کھڑے ہو اور اس وقت میرے جنگی قیدی ہو۔ سارجنٹ برنیز، ہتھیار ڈال دو۔"

اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ دو قدم اور اٹھا کر وہ برنیز کے ہاتھ پر جھپٹا تا کہ پستول چھین لے۔ پان اس اچانک وار پر ششدر کھڑا رہ گیا، لیکن برنیز نے اس طرح پینترا بدلا کہ اسے ایسے ردعمل کی پہلے سے توقع تھی۔ قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے اس نے پستول کو شیطانی محراب کی شکل میں گھمایا۔ گولی بائیں کنپٹی پر لگی اور کھوپڑی چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی۔ اگلے ہی لمحے سافٹ زمین پر آ رہا۔ اس کے سنہری بال خون سے تر بتر تھے۔ برنیز نے آگے جھک کر اسے چھوا اور پھر پان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "بیوقوف مر گیا.....

ہم اسے قیدی بنا کر کہاں لئے پھرتے؟''

.....لیکن پان، جنوب کی سمت سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا، جو آغاز صبح کی روشنی میں نمایاں ہو چکی تھی۔ کھلونوں جیسی گاڑیوں کا ایک اور قافلہ ان کی طرف بڑھا چا آ رہا تھا، قافلے کا پچھلا حصہ زمین کے ابھار کی وجہ سے ابھی تک اوجھل تھا، لیکن اس سے آگے گاڑیاں ہی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

برنیز بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے ادھر دیکھتے ہوئے بولا: ''لو یہ راست بھی بند ہو گیا، اگر ہم واپس نام نہاد فونٹین کی طرف جائیں، تو وہاں بھی جرمن فوج موجود گی۔''

''خدا کے لئے بتاؤ، ہم کیا کریں؟'' پان نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔

''صرف ایک راستہ باقی ہے اور جتنی تیزی سے ہو سکے، ماٹلڈا ٹینک کے ساتھ ادھر نکل جانا چاہئے۔''

☆☆☆

ساڑھے چار بجے وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے ایک بار پھر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پانچ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ٹینک، پل کے نیچے سے یوں نکلا جیسے کوئی مہیب عفریت پانی کے رخ پر تیر رہا ہو۔ برنیز نے دریا کے اندر سفر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پل سے آگے کچھ فاصلے پر دریا کے کنارے اونچے ہو گئے اور چھوٹی بڑی پہاڑیوں کی وجہ سے دریا کی چوڑائی اور بھی کم ہو گئی یہ اب پہاڑی نالے سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ ایک سو گز تک یہ بالکل سیدھا تھا، پھر ایک موڑ سا دکھائی دے رہا تھا اور برنیز قافلے کے پل پر پہنچنے سے پہلے برنیز اپنے ٹینک کو اس موڑ پر لے جانا چاہتا تھا، اس طرح ان کی زندگیاں محفوظ رہ سکتی تھیں۔

موڑ تک نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد دونوں کناروں پر درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں نے سرنگ سی بنالی تھی لیکن یہ جگہ پل سے صاف طور پر نظر آ سکتی تھی۔ اس سرنگ کے اندر برنیز کو پانی کی سطح کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ اگر دریا کی گہرائی میں اچانک اضافہ ہو جائے، تو وہ پانی کے تیز ریلے میں آناً فاناً بہہ جائیں گے۔ ماٹلڈا ٹینک اگرچہ اس مقصد کے لئے تیار نہیں کیا گیا تھا لیکن اب وہ آبی ٹینک کی طرح کام کر رہا تھا وہ تین ساڑھے تین فٹ پانی میں چل سکتا تھا، اس سے زیادہ گہرائی میں چلنا اس

کے بس کی بات نہ تھی، مگر خطرات میں بس سے باہر کام بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں اور یہ بات برنیز کو اچھی طرح معلوم تھی۔

پل سے ان کی روانگی میں قدرے تاخیر ہوگئی تھی کیونکہ وہ سنتری اور سافٹ کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف ہوگئے تھے۔ انہوں ان دونوں کو رسے سے باندھ کر ٹینک کے اوپر رکھ لیا تاکہ کوئی سراغ بھی جرمنوں کے ہاتھ نہ لگ سکے۔

سب سے بڑا خطرہ موٹر سائیکلوں کی طرف سے درپیش تھا، جنہیں برنیز اپنی دوربین میں سے فوجی قافلے کے آگے آگے دیکھ چکا تھا۔ وہ کسی بھی لمحے پل پر پہنچ کر کسی سنتری کو اتار سکتی تھیں اور سنتری گشت کرتے ہوئے پل کے درمیان کھڑے ہوکر دریا کی طرف نگاہ اٹھاتا، تو اسے برطانوی ٹینک بآسانی نظر آجاتا۔

برنیز، ٹینک کے سوراخ میں سے کبھی دریا کی سطح پر غور کرتا اور کبھی پل کی طرف دیکھتا۔ پان نے خاموشی سے سوال پوچھا: ''کیا اس طرح ہم بچ نکلیں گے؟''

''اس موڑ تک بروقت پہنچ جائیں، تو.....'' برنیز نے جواب دیا۔

''کیا رفتار اس سے زیادہ نہیں کی جاسکتی۔'' پان نے جھنجھلا کر کہا۔

''ہم کچھوے کی طرح رینگ رہے ہیں۔''

''یہ جرنیلی سڑک نہیں۔ دریا کے اندر ٹینک چلانا آسان کام نہیں اور مجھے تشویش ہے اس کی گہرائی میں مزید اضافہ ہورہا ہے۔''

اسی لمحے انہیں سر پر کسی طیارے کی آواز سنائی دی۔

وہ ایک اور آزمائش سے دوچار ہوچکے تھے۔

برنیز نے اندازہ لگایا یہ پینزر قافلے کا اوپی طیارہ ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک ایک انچ زمین کا بغور جائزہ لے رہا گا، اگر وہ دریا کے اوپر سفر کرتا ہوا انہیں دیکھ لے، تو چند منٹوں میں اس کی وائرلیس رپورٹ، کمانڈ ہیڈ کوارٹر پہنچ جائے گی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کناروں پر پینزر ٹینک ان کا محاصرہ کرلیں گے

اور ڈائریکٹ نشانے لگا کر ان کا بھرکس نکال دیں گے۔

برنیز کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی، خطرات پر خطرات کی یلغار ہو رہی تھی، وہ ایک آزمائش سے ابھی نکل نہ پائے تھے کہ دوسری بلائے بے درماں کی طرح انہیں نرغے میں لے چکی تھی۔

درختوں کی شاخوں سے بننے والی سرنگ ختم ہو چکی تھی اور وہ ایک بار پھر جرمن طیارے کی دور بینوں کی زد میں آ گئے۔ او پی کسی لمحے بھی انہیں دیکھ سکتا تھا..... اور پھر اچانک فضا میں منڈلانے والے طیارے کی بلندی کم ہونے لگی۔ برنیز، ٹینک کے سوراخ میں سانس روکے کھڑا تھا وہ سوچ رہا تھا اس صورت حال میں اسے کیا کارروائی کرنی چاہئے اور پھر بجلی کی تیزی سے وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ اس نے انٹر کام پر رینالڈ کو محتاط رہنے کا حکم دیا اور پھر پان کو بیسا مشین گن سے طیارے کو زد میں لینے کی ہدایت کی۔

طیارے کی بلندی خوفناک حد تک کم ہوتی چلی گئی۔ شاید اس کا پائلٹ ٹینک کے قریب سے دیکھ کر شناخت کرنا چاہتا تھا۔ ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا۔ برنیز کسی قیمت پر بھی پائلٹ کو وائرلیس پیغام بھیجنے کی مہلت نہ دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے چلا کر حکم دیا۔

"فائر....."

وہ اپنی اس حرکت کے نتائج و عواقب سے خوف آگاہ تھا۔ طیارہ خواہ گر کر تباہ ہو جاتا یا بچ نکلتا، دونوں صورتوں میں خود ان کا حشر ہو سکتا تھا، وہ اس کی نظروں سامنے تھے۔

پان نے بیسا مشین گن کا رینج درست کیا اگرچہ اس مقصد کے لئے نہ بنائی گئی تھی، لیکن جان بچانے کے لئے وہ ہر داؤ استعمال کرنے کو تیار تھے۔ طیارہ سوفٹ کی بلندی سے اوپر نہ تھا اور بار بار ان کے اوپر چکر لگا رہا تھا، مشن گن کی پہلی بوچھاڑ اس کے پہلو سے نکل گئی۔ پان دوسرے چکر کا انتظار کرنے لگا۔ طیارہ پھر سر پر آیا، تو اس نے ٹریگر دبا دیا۔ گولیاں پٹرول کی ٹینکی میں لگیں اور طیارے سے شعلے اٹھنے لگے۔ چند منٹ میں یہ آگ کا گولا سا بن گیا، لیکن ساتھ ہی ایک غیر متوقع واقعہ رونما ہو گیا۔ طیارے کے پائلٹ نے چھاتے کی مدد سے چھلانگ لگا دی۔ برنیز جس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ پہلے سے بڑھ کر دردِ سر ثابت ہو رہی تھی۔

''ڈرائیور، ٹینک روک دو، انجن چلتا رہنے دو۔'' اس نے انٹرکام پر رینالڈ کو حکم دیا۔ ٹینک رک گیا اور وہ مشینی پستول ہاتھ میں پکڑے نیچے اترا اور پھر کنارے پر چڑھنے لگا۔

اس نے پائلٹ کو اپنی آنکھوں کے سامنے نیچے گرتے دیکھا، مگر پورے پانچ منٹ تک تلاش کرنے کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اب وہ پورے احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا، کیونکہ خدشہ تھا کہ پائلٹ نے زمین پر اتر کر کوئی پوزیشن لے لی ہوگی تاکہ ٹینک کے عملے سے دو دو ہاتھ کر سکے، یا پھر کم از کم اپنے آپ ہی کو محفوظ رکھ سکے۔

برنیز اس وقت کٹے پھٹے پہاڑی کنارے کی اوٹ میں تھا۔ اس کے سامنے دس پندرہ فٹ بلند چٹان تھی۔ اس نے پستول تان لیا اور انگلیاں ٹریگر پر رکھ کر ایک ایک انچ اوپر کی طرف رینگنا شروع کیا۔ اسے ڈر تھا، اوٹ میں سے جرمن پائلٹ کسی بھی لمحے سیدھا اس کے بھیجے کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس خیال سے وہ کانپ کر رہ گیا۔

چند گز اوپر چڑھ کر اسے پتھروں پر تازہ تازہ خون دکھائی دیا۔ اس نے اور اوپر دیکھا، خون کی لمبی لکیر چوٹی تک جا رہی تھی اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا معاملہ کیا؟ وہ نیولے کی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ ایک بہت بڑے نوکیلے پتھر پر جرمن پائلٹ اوندھے منہ گرا پڑا تھا۔ اس کی پیشانی تیز نوک میں دھنس چکی تھی اور خون بہہ بہہ کر جمنا شروع ہو گیا۔ پائلٹ کے جسم میں زندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔

لاش کو اسی حالت میں چھوڑ کر برنیز واپس ٹینک کی طرف آیا اس دوران طیارے کے جلے ہوئے ٹکڑے دور دور تک زمین پر بکھر گئے تھے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے مکمل صورت حال رکھی۔ جرمن ہیڈ کوارٹر کو طیارے کی تباہی کا جلد یا بدیر پتہ چل جائے گا اور پھر ہیلی کاپٹروں اور دیگر ہلکے طیاروں کا پورا بیڑہ اس علاقے میں پھیل جائے گا۔ وہ پہلے ہی دو نازی سپاہیوں کے قتل کا ارتکاب کر چکے تھے۔ لیکن تیرا جرم انتہائی سنگین تھا۔ انہیں اپنی گرفتاری کا یقین ہو گیا اور پھر مشقتی کیمپوں کی صعوبتوں اور گسٹاپو کے انسانیت سوز مظالم کے تصور نے ان کے سوچنے کی تمام قوتیں قریباً مفلوج کر کے رکھ دیں۔

روشن دن کے باوجود انہیں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔

ٹینک ایک بار پھر دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ حرکت کرنے لگا۔ درختوں کی شاخیں جا بجا ایک دوسرے میں پھنس کر سرنگ بنا رہی تھیں۔ ان کی وجہ سے برنیز کو دریا کا جائزہ لینے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ پھر اچانک اس نے اپنا سانس روک لیا۔ ان کا راستہ آگے سے بند تھا۔

دریا کے عین درمیان، دس گز آگے، ایک چٹان ابھری ہوئی تھی۔ یہاں دریا دو شاخوں میں بٹ گیا تھا، لیکن ہر ایک کی چوڑائی اتنی کم تھی کہ کسی میں سے بھی ٹینک کا گزرنا محال تھا۔ مائلڈ ٹینک دو فٹ بلند جگہ کسی مشکل کے بغیر عبور کر سکتا ہے لیکن اس کی بلندی کم از کم چھ فٹ تھی۔ اب سوائے اس کے کوئی متبادل حل نہ تھا کہ ٹینک کو کنارے پر چڑھا دیا جائے، مگر اس طرح وہ پل پر پہنچنے والے جرمن قافلے کی نظر میں آ سکتے تھے۔ بہر حال انہیں کوئی نہ کوئی چیلنج قبول کرنا ہی تھا۔ یہاں کنارے کی ڈھلوان بہت کم تھی اور اس پر ٹینک کو چڑھانا موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلانے کے مترادف تھا۔ ڈرائیور کی ذرا سی کوتاہی انہیں واپس دریا میں گرا دیتی اور وہ چھبیس ٹن وزنی فولاد کی قبر میں زندہ دفن ہو کر رہ جاتے۔

کچھوے کی طرح ایک ایک انچ کر کے مائلڈ ٹینک اوپر کی طرف رینگنے لگا۔ برنیز کو سوراخ میں کھڑے ہوئے اپنا توازن برقرار رکھنا مشکل ہو گیا تھا ٹینک کو پچھلے حصے سے بندھی ہوئی لاشیں نیچے لٹک رہی تھیں اس عالم میں ذرا سا توازن خراب ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ٹینک لڑھک کر نیچے گر جاتا، چنانچہ اس نے پان سے کہا کہ وہ کوشش کر کے رسہ کاٹ دے پان پچھلے حصے پر اوندھا لیٹ گیا اور جیب سے چاقو نکال کر موٹا رسہ کاٹنے لگا۔ اس وقت وہ تینوں ایک ایسے تجربے سے گزر رہے تھے جس کے لئے انہیں کبھی تربیت نہ دی گئی تھی۔

خاصی تگ و دو کے بعد رسہ کٹ گیا اور دونوں لاشیں دھڑام سے پانی میں جا گریں۔ برنیز کی جان میں جان آئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر رینالڈ کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور پسینے کی وجہ سے اس کے لئے مختلف آلات پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بار بار گیلے ہاتھ اپنی میلی کچیلی پتلون سے صاف کرتا اور پھر سکا دینے والی جدوجہد میں لگ جاتا۔ بالآخر وہ کنارے پر اس حد تک چڑھنے میں کامیاب ہو گیا کہ دریائی رکاوٹ پیچھے رہ گئی۔ اب اس نے آہستہ آہستہ ٹینک واپس پانی میں اتار دیا وہ ہر ممکن احتیاط سے کام رہا تھا،

پھر بھی ایک فٹ کی بلندی سے پھسل کر پانی میں گر پڑا۔

''رینالڈ، بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا تم نے۔ اب سیدھے چلے جاؤ۔'' برنیز نے انٹر کام پر کہا۔

رینالڈ نے رفتار بڑھادی۔ ٹینک کے چین دریا کے پانی میں عجیب سا ہنگامہ برپا کر رہے تھے اب موڑ بہت نزدیک آ رہا تھا۔ ڈرائیور نے اپنے آپ کو کسی عظیم مہم کا کلیدی فرد سمجھتے ہوئے ''قطب جنوبی'' تک پہنچنے کے لئے رفتار میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ ٹینک کے سوراخ میں دو آدمیوں کی آنکھیں پیچھے کی جانب پل کو گھور رہی تھیں جو کسی پوسٹ کارڈ پر چھوٹی سی تصویر کی مانند نظر آ رہا تھا۔ پل ابھی تک اندھے کی آنکھ کی مانند خالی تھا، لیکن کسی لمحے جرمن قافلے کا اگلا سرا اس میں داخل ہو سکتا تھا۔

ٹینک نے وقت کے ساتھ دوڑ شروع کر دی تی۔ ڈرائیور کی بے پناہ مہارت اور اپنے کمانڈر کی ناقابل شکست قوت ارادی کی وجہ سے وہ دوڑ جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ برنیز کی آنکھیں ابھی تک پل پر مرکوز تھیں۔ کھلونے کی مانند ایک موٹر سائیکل پل پر چڑھی اور ساتھ ہی ٹینک موڑ مڑ گیا۔ برنیز نے اطمینان کا سانس لیا اور گردن گھما کر موڑ سے آگے نظر ڈالی، تو وہ چکرا کر رہ گیا۔ سو گز دور ایک اور پل تھا اور اس پر جرمن ٹینکوں کا ایک اور قافلہ گزر رہا تھا ان کا راستہ ادھر سے بھی بند تھا۔

☆☆☆

ماٹلڈ ٹینک ایک بار پھر رک گیا تھا۔

دریا کے عین درمیان یہ ایک عجیب و غریب فولادی قلعے کی مانند نظر آ رہا تھا۔

پہلی موٹر سائیکل اس طرف کے پل پر بھی پہنچ چکی تھی۔ دریا میں آگے بھی ذرا سا خم تھا اس لئے برنیز اور پان نے کھیتوں میں سے موٹر سائیکل کو پل پر رکتے دیکھا ایک سپاہی نیچے اترا اور پل کے درمیان کھڑے ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

برنیز نے دوربین آنکھوں سے لگائی اور ہموار کھیتوں کے اوپر سے جرمن فوجی قافلے کی طرف موڑ دی۔ آرمرڈ کاریں، خود کار توپیں، بھاری ٹینک، اسلحے اور فوجیوں سے لدے ہوئے ٹرک، اس نے اپنی نوٹ بک میں کچھ اندراج کیا، جسے وہ خود ہی پڑھ سکتا تھا۔

رینالڈ اپنی سیٹ پر خاموش بیٹھا رہا۔ وہ کناروں سے بارہ فٹ نیچے تھا، اس لئے پینزر قافلے کا شور نہ سن سکا۔ ٹینک کے چینوں کے ساتھ پانی کی بلندی تین فٹ سے زیادہ تھی۔ کناروں پر خودرو جھاڑیوں نے کچھ ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ دور سے یا فضا میں ٹینک کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔

درختوں کی آڑ میں بونیز ابھی تک نوٹس لینے میں مصروف تھا۔ ''میرا خیال ہے یہ فوجی قافلہ رات والے قافلے سے چھوٹا ہے اور پہلو سے اس کی حفاظت کر رہا ہے۔''

اس نے پنسل ذرا روکتے ہوئے کہا: ''ہم سینڈوچ میں گوشت کی مانند قابو آ گئے ہیں۔''

''شکر ہے، ہم فوراً رک گئے۔ اگر اس پل سے آگے بڑھ گئے ہوتے، تو بڑی آسانی سے پکڑے جا سکتے تھے، کیونکہ آگے میدانی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔'' پان نے نقشے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم گاڑیاں گنتے رہو، میں ٹینک میں پانی کی بوتل لاتا ہوں، حلق خشک ہو رہا ہے۔'' یہ کہہ کر برنیز درختوں کی آڑ سے نکلا اور کنارے سے اترنے لگا۔ اچانک اس کے قدم جم کر رہ گئے۔

دریا میں کوئی شے تیرتی جا رہی تھی۔

''یہ سنتری کی لاش ہے۔'' اس کے تحت الشعور نے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

برنیز نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، دریا میں کود پڑا۔ ''اگر لاش پل تک پہنچ گئی اور جرمنوں کی نظر میں آ گئی، تو ہماری خیر نہیں۔'' اس کے دل سے آواز اٹھی۔

یخ بستہ پانی نے اس کے بدن کو سن کر کے رکھ دیا، لیکن وہ تیرتا رہا۔ لاش پانی کے تیز دھارے کی زد میں آ چکی تھی اور اسی رفتار سے برنیز سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ دریا کے اگلے موڑ تک اسے ہر حال میں پکڑنا ضروری تھا، ورنہ جس موت کے ڈر سے وہ بھاگے پھرتے تھے، ان کا گلا دبا ڈالتی۔

موڑ قریب آ رہا تھا۔ لاش اور اس کے درمیان فاصلہ بھی گھٹ چکا تھا اچانک اس کا گھٹنا ایک بھاری پتھر سے ٹکرایا اور درد کی شدت سے وہ بلبلا اٹھا۔ اس نے ہمت نہ ہاری اور ایک جست میں لاش کو پکڑ لینا چاہا لیکن ایک لہر نے لاش کو موڑ سے آگے پہنچا دیا۔ اب وہ پل کے بالکل سامنے تھا۔ برنیز نے غوطہ لگایا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں بڑی سرعت سے دریا کی مٹی کو پیچھے دھکیل رہے تھے کچھ دور جا کر اس نے اپنے اوپر

تاریکی سی محسوس کی۔ وہ بالکل لاش کے نیچے تھا۔ اس نے پانی سے سر باہر نکالا۔ جرمن سنتری پل پر اس کی طرف پشت کئے کھڑا تھا۔

اب نہ وہ لاش کو پیچھے لے جا سکتا تھا، نہ آس پاس کوئی ایسی آڑ میسر تھی، جہاں اسے چھپا دیتا۔ صرف ایک رستہ باقی تھا اور وہ یہ کہ لاش کو زیر آب دھکیل کر پل کے نیچے لے جائے، جو صرف پچاس گز دور رہ گیا تھا۔

ایک اور صبر آزما جدوجہد کا آغاز ہو گیا۔ اس کا سانس بار بار پھولتا اور دم گھٹتا محسوس ہوتا مگر وہ پانی کے نیچے رہنے پر مجبور تھا..... اسے اوپر ٹینک کی آواز سنائی دی۔ وہ احتیاط سے اوپر اٹھا۔ اس وقت وہ پل کے نیچے کھڑا تھا اور جرمن فوج اس کے سر پر سے گزر رہی تھی۔ وہ اس قسم کی صورت حال سے دوسری بار دو چار ہو رہا تھا۔ اس نے لاش پل کے نیچے آبی پودوں میں پھنسا دی اور پھر اسی طرح غوطہ لگا کر واپسی کا سفر شروع کیا۔ اس کے گھٹنے میں تکلیف بڑھ گئی تھی۔ بہاؤ کے خلاف تیرنا آسان نہیں ہوتا ایسی مشکلات کا تصور وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کبھی خود پانی میں اترے ہوں۔ ایک بار تو اس کا سانس اس قدر اکھڑ گیا کہ اسے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا، لیکن اس نے یہ کہہ کہ اپنن آپ کو سہارا دیا: ''برنیز، لوگ چار فٹ گہرے پانی میں نہیں ڈوبا کرتے، ہمت کرو اور آگے بڑھ۔ پنیز رڈویژن نے فرانس پر ذلت مسلط کر دی ہے اور یہ آگے بڑھ کر اس کے مادر وطن، برطانیہ کا حسن بھی خاک میں ملا سکتا ہے۔''

وہ سوچ رہا تھا ایک بار یہاں سے نکل جائیں، تو پھر مغرب، جنوب مغرب کا رخ اختیار کریں گے۔ سافٹ کے فریب کے باوجود اسے یقین تھا کہ یہ رخ انہیں آر اس تک پہنچا سکتا ہے۔

نئے منصوبوں نے اس کی ہمت بڑھائی، قریب تھا کہ وہ بے دم ہو کر رہ جائے اس نے محسوس کیا کہ موڑ تک پہنچ گیا ہے۔ اس نے ذرا گردن اوپر اٹھائی اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ موڑ سے آگ اسے غوطہ لگانے کی قطعاً ضرورت نہ تھی وہ کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ٹینک تک پہنچ گیا۔ پان اس کی طویل غیر حاضری کی وجہ سے خاصا پریشان تھا وہ کچھ دیر تو گاڑیاں گننا بھی بھول گیا۔ برنیز کو زندہ سلامت دیکھ کر اسے خوشی تو ہوئی، لیکن ساتھ ہی خوف بھی محسوس ہوا کہ وہ اس کی کوتاہی پر ضرور جھاڑ پلائے گا۔

☆☆☆

آٹھ گھنٹے بعد، تین بجے سہ پہر اور پل سے تیس میل دور مائلڈ اٹینک اس جانور کی سی کیفیت سے دور چار تھا جسے چاروں طرف سے شکاری کتوں نے گھیر رکھا ہو، لیکن یہ اپنے کمانڈر کی تیز نظروں کی وجہ سے ابھی تک نہ صرف زندہ تھا، بلکہ چار مختلف موقعوں پر اپنے شکاریوں کے منہ سے بچ نکلا تھا۔ اس میں اسلحے کی وافر تعداد موجود تھی۔ ستر گولے توپ کے، دس بکس بیسا مشین گن کے اور جرمنوں سے چھینے ہوئے مشینی پستول اس کے علاوہ۔

ساڑھے آٹھ بجے صبح پینز ٹینکوں کا قافلہ پل پر سے گزر چکا تھا۔ اس کے بعد ٹینک کے عملے نے حجامت بنائی اور سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اس طرح وہ ایک طویل اور شاید نہ ختم ہونے والے سفر کے لئے تیار ہو چکے تھے، انہوں نے ٹینک کے اندر صرف ایک چیز کی کمی تھی اور وہ تھا پانی۔ ایک بجے تک پان، شدید پیاس کے ہاتھوں بلبلانے لگا۔ اسے ایک قصبہ نظر آیا، تو اس نے برنیز سے درخواست کی کہ ٹینک اس کے اندر سے گزارا جائے تاکہ پانی وغیرہ پی سکیں، لیکن برنیز نے اس کی درخواست رد کر دی۔

''پان، یہ قصبہ بھی اجڑا اجڑا سا نظر آتا ہے، کھیتوں میں کوئی شخص کام کرتا دکھائی نہیں دیتا اور مجھے ڈر ہے کہیں ناگہانی آفت کا شکار نہ ہو جائیں''..... پھر قدرے توقف سے بولا: ''میرا انداز ہے جرمنوں نے اتحادی صفوں میں بیس میل لمبا شگاف ڈال دیا ہے۔ (برنیز کا اندازہ بہت کم تھا۔ فی الواقع شگاف پچاس سے ساٹھ میل تک چوڑا تھا) اور اس وقت ہم شگاف کے اندر سفر کر رہے ہیں جب تک صحیح صورت حال معلوم نہ ہو جائے، میں کسی قصبے یا گاؤں میں داخل ہونے کو تیار نہیں۔''

پانی اپنی بات پر اڑا رہا اور رفتہ رفتہ نوبت تکرار تک پہنچ گئی۔ برنیز سوچ رہا تھا پان کو کیا ہو گیا؟ اس نے آج تک ایسے ضدی پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کے سامنے ڈیوس کا چہرہ پھر گیا، جو اپنی موت سے پہلے اسی طرح ہسٹیریا کا شکار ہوا تھا۔ کیا پان پر بھی نزع کا عالم تو طاری نہیں ہو گیا؟..... برنیز اس وقت ٹینک کمانڈر تھا اور جو چاہے فیصلہ کر سکتا تھا، لیکن اس نے زندگی میں پہلی بار اپنے ایک ماتحت کی آواز پر اپنی انا کو قربان کر دیا۔

''ٹھیک ہے پان، ہم اس قصبے میں رات گزاریں گے۔'' برنیز نے کہا۔ ''لیکن میرا دل انجانے خدشات سے گھبرا رہا ہے۔''

دو گھنٹے مسلسل سفر کے باوجود اس قصبے تک نہ پہنچ سکے، جو انہیں بہت قریب نظر آ رہا تھا۔ جب شام کے پھیلتے سایوں میں وہ قصبے کے نواح میں پہنچے، تو انہیں ایک مکان میں دیئے کی ٹمٹماتی لو دکھائی دی..... کیا انہیں پانی اور خوراک کی تلاش میں اس مکان تک جانا چاہئے؟ یہ سوال بڑا اہم تھا..... اور خاصی سوچ بچار کے بعد برنیز نے خطرات سے کھیلنے کو ترجیح دی۔ انہوں نے ٹینک ذرا دور کھیتوں میں کھڑا کیا اور برنیز اور پان دبے پاؤں مکان تک جا پہنچے۔ ہولے سے دستک دی، دروازہ کھلا اور ان کے سامنے ایک تنومند بوڑھا شخص کھڑا تھا۔

''تم، برطانوی سپاہی!'' بوڑھے نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جلدی سے اندر چلے آؤ۔ میرے گھر کے دوسری طرف سڑک ہے اور دن رات ادھر سے جرمن فوجی قافلے گزرتے رہتے ہیں۔''

برنیز نے اسے ساری صورتحال سمجھائی۔ باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ وہ بلجیم عبور کر کے فرانسیسی سرحد میں داخل ہو چکے ہیں اور یہ بوڑھا شخص پہلی جنگ عظیم میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھا کر کئی تمغے جیت چکا ہے، اسی لئے پورا قصبہ خالی ہونے کے باوجود وہ اور اس کا پورا خاندان اپنے گھر میں آباد ہے۔

برنیز کو احساس ہوا فرانس ابھی زندہ ہے، فرانس مر نہیں سکتا۔

بوڑھے کے کہنے پر وہ ٹینک اس کی وسیع و عریض حویلی میں لے آئے۔ انواع و اقسام کھانوں سے ان کی تواضع ہوئی اور آرام دہ بستر بھی سونے کے لئے نصیب ہوا۔ چاند کی زردی مائل روشنی سے منور اور تاروں بھری رات ان کے لئے امن و سکون کا گہوارہ ثابت ہوئی۔ لیکن یہ کیفیت کب تک برقرار رہ سکے گی؟ برنیز نے اسی سوال پر غور کرتے ہوئے آنکھیں بند کیں.....

آغاز صبح کے آثار ہویدا تھے۔ برنیز کو جھنجھوڑ کر جگایا گیا۔ بوڑھا فرانسیسی اس کے سرہانے کھڑا تھا۔

''ایک جرمن فوجی قافلہ، قصبے کے نواح میں پہنچ چکا ہے۔'' اس نے پریشانکن خبر سنائی۔ ''ہمیں حفاظتی تدابیر اختیار کر لینی چاہئیں۔''

فوجی قافلے کی روشنیاں، مکان کی چھت سے صاف نظر آ رہی تھیں، اس صورت حال میں ٹینک کو کہیں لے جانا، خودکشی کے مترادف تھا، چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ ٹینک پر بھوسہ ڈال دیا جائے۔

جرمن گاڑیاں قریب سے قریب تر آ رہی تھیں اور ادھر یہ لوگ ایک صبر آزما جدوجہد میں مصروف تھے۔ ٹینک کے اوپر بھوسے کا ڈھیر لگ گیا اور نزدیک سے بھی شبہ نہ ہو سکتا تھا کہ اس کے نیچے برطانوی فورس کا سب سے بڑا ٹینک، مائلڈا کیموفلاج کیا ہوا۔ مزید تسلی کے لئے انہوں نے جلدی جلدی تھوڑے سے بھوسے کو علیحدہ جلا کر راکھ اوپر بکھیر دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر برنیز، پان اور رینالڈ تو کھیتوں میں چلے گئے، لیکن بوڑھے فرانسیسی نے گھر ہی میں رہنے کو ترجیح دی۔

جرمن قافلے کی اگلی گاڑیاں قصبے میں داخل ہو چکی تھیں۔ بوڑھا فرانسیسی سڑک پر کھڑے تالیاں بجا بجا کر جرمنوں کا استقبال کر رہا تھا۔

قافلے آخر میں ایک اسٹاف کار تھی۔ یہ اس کے دروازے کے سامنے آ کر رک گئی۔ میجر رینک کا ایک افسر باہر نکلا۔

''بوڑھے کا نام ہے تمہارا؟'' میجر نے رعونت سے پوچھا۔

''مانڈل!'' بوڑھا فرانسیسی نام بتا کر مزید گفتگو کا منتظر کھڑا رہا۔

''تمہارے پاس کھانے پینے کو کافی راشن ہے؟''

''سر دست تو کسی شے کی کمی نہیں، لیکن جنگ طول پکڑ گئی، تو خدا حافظ ہے۔''

''خوب، ذرا اندر چلو، میں تمہیں ایک سرٹیفکیٹ دیتا ہوں۔ بعد میں آنے والے قافلے تم جیسے اچھے شہریوں کی مدد کریں گے۔''

وہ دروازہ کھول کر حویلی میں داخل ہو گئے۔ میجر کی نظر حویلی کے کونے میں جلے ہوئے بھوسے پر پڑی۔

''یوں لگتا ہے، اس میں آگ لگ گئی۔'' جرمن افسر نے کہا۔

''جی ہاں لیکن تمہارے آدمیوں نے اسے بجھانے میں ہماری مدد کی۔ ہم بہت ممنون ہیں۔''

''اچھا تم کہہ رہے تھے، کھانے پینے کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ تو کیا میرے ان آدمیوں کے لئے تھوڑی سی شراب دینا پسند نہ کرو گے؟''

بڑی خوشی سے، تم کونسی پیتے ہو؟''

''مجھے کاکنک چاہئے۔''

''معاف فرمانا میجر، میرے پاس یہ نہیں، سادہ شراب ہے۔''

''بکتے ہو حرامی!'' میجر نے اچانک غرات ہوئے کہا: ''تم نے ہمارا قافلہ دیکھ کر کہیں چھپالی ہے۔ اچھا جو کچھ ہے وہ تو کار میں رکھو۔''

مانڈل اور کار ڈرائیور، بوتلیں اٹھا اٹھا کر کار میں رکھنے لگے، یہاں تک کہ الماری خالی ہوگئی۔ میجر، کمرے سے نکل کر بھوسے کے ڈھیر کے قریب ٹہل رہا تھا۔ اس نے ایک اور سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھا۔ مانڈل نے سوچا، ابھی ان کی آزمائش ختم نہیں ہوئی۔ مکان کے باہر ایک موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔ یہ اسٹاف کار کے قریب رکی۔ ڈرائیور نے جلدی سے کار اسٹارٹ کر دی، لیکن میجر کو شاید چلنے کی جلدی نہ تھی۔ دھوئیں کے مرغولے چھوڑتے ہوئے وہ بھوسے کے ڈھیر کو بار بار دیکھ رہا تھا۔

''جب شک کرنے کے لئے خاص وجہ موجود نہیں، تو گھبراؤں کیوں؟ مانڈل نے اپنے آپ سے کہا۔ اس نے کوشش کر کے ایسا رویہ اختیار کیا جیسے پورے ماحول سے لاتعلق ہو۔

میجر، بھوسے کے ڈھیر کے گرد ایک اور چکر کاٹ چکا تھا۔ اس نے مانڈل کی طرف دیکھے بغیر یہ فقرہ چت کیا: ''تم نے یقیناً کاکنگ شراب چھپا رکھی ہے، لیکن یہ تمہیں بھی پینا نصیب نہ ہوگی۔'' یہ کہہ کر اس نے جلتا ہوا سگریٹ بھوسے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ بھوسہ سلگنے لگا ہوا کا ایک جھونکا آیا اور آگ بھڑک اٹھی۔ مانڈل نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میجر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا باہر نکل گیا..... الاؤ روشن ہو چکا تھا اور اس کے نیچے مائلڈ اٹینک.....

بھوسے کا ڈھیر بتدریج آگ پکڑ رہا تھا۔ سیاہ، نیلا اور سفید دھواں کسی مہیب ناگ کے پھن کی طرح حویلی کے اوپر لہرا رہا تھا۔

برنیز نے انسانی بس سے باہر قوت ارادی سے لے اپنے آپ کو بمشکل فصلوں میں چھپا رکھا تھا۔ سارا منظر اس کے سامنے تھا۔ اس کی خواہشات کی چتا روشن تھی اور حسرتوں کا جنازہ اٹھنے والا تھا۔ اس کا وہ ٹینک اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ کسی بھی لمحے پھٹنے والا تھا جسے وہ بڑی صعوبتوں سے گزرنے کے بعد یہاں لانے میں کامیاب ہوا تھا۔ سیاہی مائل بھورے دھوئیں کے بادل فضا میں پھیلتے جا رہے تھے اور برنیز محسوس کر رہا تھا کہ بھڑکتے ہوئے شعلوں کی سرخ سرخ زبانیں اس کے سرمایہ حیات کو ڈس لیں گی۔

پان نے اس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی: ''سارجنٹ، ہمیں فوراً وہاں جانا چاہئے۔ آگ ٹینک تک پہنچ گئی۔ تو ہم کبھی وطن کی سرزمین نہ چھو سکیں گے۔ اگر اس جرمن افسر نے مدافعت کی، تو اسے گولی سے اڑا دیں گے۔''

''بیوقوف نہ بنو، پان۔'' برنیز نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ ''جب تک وہ اسٹاف کار دور نہیں چلی جاتی، ہمیں حرکت نہیں کرنی چاہئے۔''

''تمہارے پاس مشینی پستول ہے۔'' پان نے احتجاج کیا۔ ''اور ہمارے پاس ریوالور موجود ہیں۔''

''اور ان کے پاس کار ہے، احمق بچے، جونہی ہمیں دیکھیں گے، کار کی رفتار بڑھا دیں گے اور چند منٹ بعد نصف فوجی قافلے کے ساتھ ہم پر چڑھ دوڑیں گے!''

''تم چاہتے ہو ہمارا مالڈ ٹینک بھسم ہو جائے۔'' پان نے غم و غصے کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

''وہ دیکھو کار حرکت کر رہی ہے۔ کوئی شخص میرے حکم کے بغیر یہاں سے نہ اٹھے گا۔''

اس نے اپنے آپ کو بڑی احتیاط سے اوپر اٹھایا، اس کا آدھے سے زیادہ دھڑ ابھی تک فصل میں چھپا ہوا تھا۔ کار، حویلی سے دور جا چکی تھی اور جب یہ اگلے پہاڑی موڑ پر پہنچی، تو وہ جست لگا کر اس تیز رفتاری سے دوڑا کہ پوری زندگی میں اس طرح نہ دوڑا تھا۔ باقی لوگ بھی اس کے پیچھے تھے۔ وہ حویلی میں پہنچے، تو مانڈل، اٹینی، میرین اور دیگر اہل خانہ پہلے ہی پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر آگ پر ڈال رہے تھے۔

سب لوگ مل کر جنوں، بھوتوں کی طرح آگ پر قابو پانے کی سر توڑ جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔

برنیز صحیح معنوں میں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود چکا تھا۔ اسے اپنی زندگی سے زیادہ ٹینک کی سلامتی عزیز تھی کیونکہ اس کے ساتھ سب لوگوں کا مفاد وابستہ تھا۔ وہ شدید حدت کی پرواہ کئے بغیر جلنے والے بھوسے کو باقی ڈھیر سے دور پھینک رہا تھا۔ دس منٹ موت وحیات کی یہ کشمکش جاری رہی۔ بالاخر ٹینک کی نالی نظر آنے لگی۔ وہ یوں لگ رہی تھی جیسے جلتے ہوئے تیل کے سمندر میں کوئی آبدوز پھنس چکی ہو۔

برنیز نے لمحہ بھر کے لئے صورتحال پر غور کیا۔ حسرت ویاس کے سرد پنجے اسے اپنی مضبوط گرفت میں لینے کو آگے بڑھے، مگر وہ جس مٹی کا بنا ہوا تھا، اس پر انتہائی مایوس کن حالات بھی ذرا بھر اثر انداز نہ ہو سکتے تھے۔ وہ ایک بار پھر آنکھیں بند کر کے دھوئیں کے بادل میں کود پڑا اور ہر آن پھیلتے ہوئے الاؤ سے نبرد آزما ہونے لگا۔ پان اور مانڈل بھی اسی جذبے سے کام میں جتے ہوئے تھے۔ سب لوگ زخم پر زخم کھا رہے تھے، لیکن اس امتحان شوق میں کسی کے قدم پیچھے ہٹنے نہ پائے۔

ستم ظریفی ملاحظہ ہو، وہ ٹینک جو اپنے گولہ بارود، اسلحہ اور پٹرول کے ساتھ صرف آدھ گھنٹہ قبل تک اس کی مسرت کا باعث تھا، اس وقت سب سے زیادہ تباہی کا سبب بن چکا تھا۔ وہ دوسروں کی بقاء اور آزادی کی ضمانت تھا، لیکن اب اپنے ہی فولادی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے انہی کی توجہ کا محتاج بن گیا اور حقیقت یہ ہے کہ برنیز، پان اور رینالڈ اور ان کے میزبان سبھی مل کر اسے محفوظ رکھنے کے لئے کوشاں تھے، جیسے یہی ان کا متاع عزیز ہو۔

اس جہنم میں کودنے کے بعد انہیں وقت کا کوئی احساس نہ رہا تھا۔ وہ انسان تھے یا جن، یہ تمیز بھی باقی نہ رہی تھی۔ بالاخر آگ سرد ہوگئی اور ہر طرف گیلی راکھ بکھر گئی۔

''میرا خیال ہے اب ہم محفوظ ہیں۔'' مانڈل نے کہا۔

''ہاں، اگر پٹرول یا بارود نے آگ پکڑنا ہوتی، تو اب تک دھماکہ ہو چکا ہوتا۔''

برنیز نے محتاط رائے دی۔ ''میرا خیال ہے آگ کی حدت، ٹینک کی فولادی چادر کے اندر نہیں پہنچ سکی۔''

''یہ ایک معجزہ تھا۔'' رینالڈ نے اپنے جلے ہوئے بازو کو دیکھتے ہوئے کہا! ''ٹینک جس طرح بچ

نکلا ہے، اس سے یوں لگتا ہے کہ یہ کوئی اہم کارنامہ سرانجام دے گا۔'' شاید یہ الفاظ کہتے ہوئے رینالڈ سوچ رہا تھا کہ وہ گھر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

پان اور رینالڈ کے زخموں پر مانڈل کی بیوی اور بہن نے پٹیاں باندھ دیں۔ ان کے بدن پر گوشت جابجا چر مرا گیا تھا اور ان کے سرخ سرخ چہرے روئی کی طرح سفید ہو گئے تھے۔

''کیا تم ٹینک چلا لو گے؟'' برنیز نے تشویش انگیز لہجے میں پوچھا۔

''مجھے صرف آدھ گھنٹہ آرام کر لینے دو، پھر تمہیں ساحل کی طرف لے چلوں گا۔''

''وہ ناقابل تسخیر ہے۔'' اس کی قوت ارادی، پہاڑوں کی طرح مستحکم ہے۔ وہ کل تک نان سٹاپ ڈرائیونگ کرتا رہا ہے۔ اس نے رات صرف اڑھائی گھنٹے نیند لی تھی، اس کے دونوں بازو جل گئے ہیں، پھر بھی اس کی آواز میں بے پناہ جوش و جذبہ موجود ہے۔

اس اطمینان کے بعد کہ اس کے پاس اب بھی عمدہ ڈرائیور موجود ہے، برنیز نے پان کی طرف توجہ دی۔ اس کا چہرہ بھی موت کی طرح سفید تھا۔ اگرچہ اس کا جسم بھی رینالڈ کی طرح جل گیا تھا، مگر اس میں وہ قوت و حشمت مفقود تھی جو رینالڈ کے چہرے سے ٹپک رہی تھی۔ برنیز نے سوچا کہ پان اس طرح خیالات میں کھویا اور سر لٹکائے بیٹھا ہے کہ کبھی اٹھنے کا نام نہ لے گا۔

''میرے حالت اس قدر خراب نہیں، جتنی نظر آ رہی ہے۔''

''بے شک! تم بھی ایک باہمت نوجوان ہو۔''

مانڈل کے خاندان کو کچھ زیادہ زخم نہ آئے تھے، اٹینی اس لئے محفوظ رہی تھی کہ وہ گھر سے پانی کی بالٹیاں لانے کا فریضہ انجام دیتی رہی تھی اور آگ کے نزدیک نہ گئی تھی، صرف مانڈل اپنی خوبصورت بھنوؤں سے محروم ہوا تھا۔

اب انہوں نے چلنے کی تیاری کی۔ برنیز نے مانڈل کا شکریہ ادا کیا۔ مگر اس نے جواب میں کہا۔ ''شکریہ کس بات کا؟ برطانوی فوج اپنے اور فرانس دونوں کے لئے جنگ لڑ رہی ہے۔ ہم نے تمہاری مدد کر کے دراصل اپنی مدد کی ہے۔''

چونکہ مزید کہنے کو کچھ نہ تھا، اس لئے برنیز نے ٹینک کا بغور معائنہ کیا۔ کہیں کوئی خرابی نہ پائی گئی۔ وہ ڈھکنا کھول کر اندر داخل ہوا اور ٹینک کو حویلی کے باہر لا کھڑا کیا۔ پھر رینالڈ اور پان نے اپنی اپنی سیٹیں سنبھالیں اور انہوں نے مانڈل سے رخصت چاہی۔

مغرب اور پھر شمال..... یہ ان کی سمت ہوگی۔ ٹینک پوری رفتار سے پہاڑی پر چڑھ رہا تھا۔ آگے ایک موڑ تھا، جس کے بعد مانڈل کا فارم ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ برنیز نے آخری بار مڑ کر دیکھا، فارم کے باہر چند ہیولے ابھی تک ہاتھ ہلا ہلا کر ان کو رخصت کر رہے تھے۔ برنیز کو محسوس ہوا، جیسے یہ لوگ اس کی ذات ہی کا ایک حصہ ہوں۔

پہاڑی موڑ مڑنے کے بعد کیمبری کی طرف جانے والی سڑک ویران پڑی تھی۔ اکا دکا لوگ سڑک سے کئی کلومیٹر دور کھیتوں میں کام کرتے دکھائی دے جاتے۔ اس کے علاوہ جنگ کے کوئی آثار نہ ملے۔

برنیز نے گزشتہ دو روز کی سوچ بچار کے بعد اپنا رخ تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے وہ شمال مغرب کے رخ پر آر اس پہنچنا چاہتا تھا، اب اس نے مغرب اور پھر شمال کے رخ پر کلیس جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے جنگ کی جو صورتحال دیکھی تھی اس سے پرانے جنگی نظریئے یکسر باطل ہو گئے تھے، جرمنوں نے کہیں بھی ساکن محاذ نہ رہنے دیا۔ ان کا پینزر ڈویژن طوفان کی طرح فرانس کو روندتا چلا جا رہا تھا۔ پیش قدمی کرنیوالے دستے یہ انتظار نہ کرتے کہ پیچھے سے فوج آ جائے، تو آگے بڑھیں۔ وہ تحیر کا کھیل، کھیل رہے تھے اور اور دشمن واقعی بوکھلا گیا تھا۔ اتحادی فوجیں پرکاہ کی مانند بکھر کر رہ گئیں اور انہیں کسی جگہ بھی منظم ہونے کا موقع نہ ملا۔ اس صورت حال کے پیش نظر برنیز نے سوچا کہ جب اتنا بڑا ٹینک ڈویژن بے فکر ہو کر پیش قدمی کر سکتا ہے، تو پھر ایک تن تنہا ٹینک بھی اس کے پیچھے پیچھے اپنی منزل پر پہنچ جائے گا، بشرطیکہ وہ دشمن کی نظر میں نہ آئے۔

اس نے مانڈل کے ہاں قیام کے دوران میں اس کے ایک نوجوان بھتیجے، جیکوئس سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ جرمن اپنے پیچھے پٹرول اور اسلحے کے جو ذخیر چھوڑ رہے ہیں، ان پر حفاظت کے لئے مناسب جرمن فوج موجود نہیں ہوتی۔ اگر انسان ذرا پھرتی سے کام لے، تو انہیں ذخیروں سے یہ دونوں چیزیں حاصل کی جا

سکتی ہیں۔اس طرح برنیز کو پٹرول یا اسلحے کی کمی کے بارے میں کوئی تشویش نہ ہوگی۔

☆☆☆

دوربین کے دونوں شیشے دھوپ میں چمکتی ہوئی سفید سفید کھلونوں جیسی چوٹیوں پر مرکوز تھے۔ یہ ڈوور کی سفید پہاڑیاں تھیں۔ جنرل سٹارچ نے دوربین نیچے کرتے ہوئے کہا۔''وہ رہا دشمن کا مستحکم حصار..... دشمن کی اصل قلعہ بندیاں۔ آیئے ہم امید رکھیں کہ چودھواں پینرز ڈویژن سب سے پہلے برطانوی ساحل پر اترے گا۔

''پہلے انہیں یہاں شکست دینا ہوگی۔'' فرانس کو روندنے والے جرمن پینرز ڈویژن کے کمانڈر جنرل سٹارچ کے اے ڈی سی لیفٹیننٹ میئر نے نکتہ اٹھایا۔

''یہ تو اگلے چوبیس گھنٹوں میں ہو جائے گا۔ ہم اس وقت کلیس کے مغرب میں ساحل پر کھڑے ہیں۔ یہ شہر محصور ہو چکا ہے اور اب صرف ڈنکرک پر قبضہ باقی ہے۔'' جنرل نے سرفخر سے بلند کرتے ہوئے کہا۔

میئر نے محسوس کیا کہ وہ فتح و کامرانی کے اس عظیم لمحے میں تھکا تھکا سا ہے انہوں نے ۱۴ مئی کو سیڈان کی ناقابل گزر پہاڑیوں کا سلسلہ عبور کیا تھا۔ آج ہفتے کا دن تھا اور مئی کی ۵۲ تاریخ۔ اتنے کم عرصے میں شاندار فتوحات نے ان کے قدم چومے تھے اور اب آخری اقدام باقی تھا۔

''میں چاہتا ہوں اس فرانسیسی مخبر کی اچھی طرح تفتیش کی جائے اس کا کہنا ہے ڈنکرک جانے کے لئے ایک سڑک اور موجود ہے اور وہاں دشمن کا دفاعی نظام بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔''

فرانسیسی جرنیل بہت ہوشیار ہیں..... وہ جانتے ہیں سمندری سیلاب اس سڑک کو آج کل اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، اس لئے ادھر سے کسی کا گزرنا ممکن نہیں، خصوصاً پینرز ٹینکوں سے حملہ محال دکھائی دیتا ہے۔'' میئر نے رائے دی۔

''میں کہتا ہوں یہ سڑک فیصلہ کن ثابت ہوگی ہم دشمن کو بے خبری میں جالیں گے، ڈنکرک ہمارے پاؤں تلے ہوگا اور لاکھوں کی تعداد میں اتحادی فوج ہتھیار ڈال دے گی۔'' جنرل سٹارچ نے گرجدار آواز

میں کہا۔ ''جاؤ اور فرانسیسی بوڑھے سے مزید پوچھ گچھ کرو۔''

لیکن میسر فوری طور پر تفتیش کے لئے روانہ نہ ہو سکا، کیونکہ فضا میں اچانک سینکڑوں طیارے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور انہیں ایک مورچے میں گھسنا پڑا۔

☆☆☆

''ڈرائیور، ٹینک روک دو، ایک پیراشوٹ نیچے اتر رہا ہے۔'' برنیز نے خبردار کیا۔

نجانے کتنی دیر سے فضائی جنگ ان کے سروں پر جاری تھی، طیارے بلندی پر تھے اور صبح کی تیز کرنوں کی وجہ سے نظروں سے اوجھل بھی، اچانک اس کے کان میں دھماکوں کی آوازیں آئیں۔ یوں لگتا تھا سینکڑوں مشینوں کے دہانے کھلے ہوئے ہیں، گولیاں تڑ تڑ برس رہی تھیں پھر ایک زبردست دھماکہ ہوا اور کسی جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ رنیز یہ نہ دیکھ سکا تباہ ہونے والا جہاز کس ملک کا تھا۔ فضا میں بکھرا ہوا جہاز کے ٹکڑوں کے درمیان ایک پیراشوٹ بھی اترتا دیکھا۔ پیراشوٹ میں کون ہے؟ یہ جاننے کے لئے وہ سانس روکے انتظار کرنے لگا۔

پیراشوٹ ابھی بلندی پر تھا، اس لئے برنیز کا ذہن گزرے ہوئے واقعات کو یاد کرنے لگا اسے سب سے زیادہ پان کی فکر تھی جو بری طرح آگ میں جھلس گیا تھا۔ اس نے ابھی تک ایک نوالہ حلق سے نہ اتارا تھا وہ راستے میں تین دیہات سے گزرے۔ یہ بالکل خالی پڑے تھے برنیز نے خاصا دیکھا بھالا، مگر کسی ڈاکٹر کو تلاش نہ کر سکا جو اس کی مرہم پٹی کر سکتا۔ پان کا جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس پر مستزاد ٹینک کے اندر کا حبس تھا۔ برنیز نے اسے راستے میں یہ پیش کش کی تھی کہ وہ سوراخ میں کھڑا ہو جائے۔ لیکن اس میں اتنی سکت کہاں تھی؟

''گرنے والا جہاز ہمارا ہے یا دشمن کا؟'' رینالڈ کے اس سوال نے برنیز کو پھر حال کی تلخ حقیقتوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اگر پیراشوٹ کے ذریعے اترنے والا پائلٹ جرمن ہوا اور وہ ان سے بچ کر نکل گیا، تو چند گھنٹوں کے اندر اندر کیمبری میں جرمن ہیڈ کوارٹر کو علم ہو جائے گا کہ اس نواح میں ایک برطانوی ٹینک موجود ہے۔ پیراشوٹ مزید نیچے آ چکا تھا۔ رینالڈ نے اپنا سوال دہرایا۔ ''اگر وہ جرمن نکلا۔ تو؟''

''میں اسے شوٹ کر دوں گا، یہ حرامی فرانسیسی پناہ گزینوں کے قافلے پر وحشیانہ بمباری کرتا آیا ہو گا!''

برنیز حیران تھا جب سے انہوں نے ٹینک کو حرکت دی تھی، وہ یکے بعد دیگرے مصائب کا شکار ہو چلے آئے ہیں۔ اس بھیانک دنیا میں انہیں مانڈل کے فارم پر کچھ سکون میسر آیا تھا، مگر وہ بھی عارضی نکلا۔ پے در پے مشکلات نے ان کے اعصاب بری طرح متاثر کیے تھے۔

پیراشوت زمین کو چھونے ہی والا تھا کہ برنیز نے مشینی پستول سنبھالا اور ٹینک سے نیچے کود پڑا۔ ''تم بھی ایک مشینی پستول کے ساتھ یہاں ہوشیار ہو کر بیٹھ جاؤ اور ضرورت پڑے، تو میری مدد کرنا۔'' اس نے کچی گرد آلو سڑک پر دوڑتے ہوئے کہا۔ وہ دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ پائلٹ کی باتوں سے ذرا بھی شبہ گزرا، تو وہ پستول کا ٹریگر دبانے میں بالکل نہ ہچکچائے۔ ''تم رائل ایئر فورس کے پائلٹ ہو؟'' برنیز نے گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے ہیولے سے دور کھڑے کھڑے پوچھا۔

فلائن سوٹ میں ملبوس شخص ۵۲ سے ۵۳ کے پیٹے میں تھا۔ جلد بھورے رنگ کی، ناک بھاری اور مضبوط ہونٹ، اس کی بلند کرداری کی دلالت کر رہے تھے۔

''اگر میں آر اے ایف پائلٹ نہیں تو کیا جرمن ایئر فورس جعلی لوگ بھرتی کرتی ہے۔'' پیراشوٹ میں سے امریکی لہجے میں پھبتی سنائی دی۔

برنیز نے اس کی چھاتی کی طرف پستول تان کر کہا۔ ''سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔''

''مجھے یوں لگتا ہے جیسے دونوں ٹانگیں تڑوا بیٹھا ہوں۔''

خدایا! ایک اور لنگڑا ٹینک پر سوار ہونا چاہتا ہے، جبکہ وہاں ایک مریض پہلے سے موجود ہے۔ برنیز نے سوچا۔ ساتھ ہی چند قدم پیچھے ہٹ گیا، کیونکہ پائلٹ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''سارجنٹ، میں اپنے بیان کی تصحیح کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا ''محسوس'' ہوا تھا جیسے ٹانگیں ٹوٹ گئی ہوں۔ خدا کا شکر ہے میں بچ گیا۔''

''میرے علم میں نہیں کہ آر اے ایف امریکیوں کو بھی بھرتی کرتی ہے۔'' برنیز نے تشکیک کا اظہار

کیا۔

''میں کینیڈین ہوں۔'' پائلٹ قدرے خوفزدہ سا تھا۔''میری ماں کینیڈین ہے اور باپ امریکی، لیکن میں کینیڈا ہی میں پیدا ہوا۔''

''کیا تم اپنی شناخت کے بارے میں کوئی ثبوت مہیا کر سکتے ہو؟''

یقیناً، لیکن شرط یہ ہے اگر میں بٹن کھول کر اندرونی جیب سے شناختی کارڈ نکالنے کے لئے ہاتھ ڈالوں، تو تم اطمینان دلاؤ کہ فائر نہ کر دو گے۔''

برنیز نے کوئی جواب نہ دیا اور پائلٹ نے انتظار کئے بغیر اپنا شناختی کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

''اب اگر میں تمہیں یہ پکڑانا چاہوں، تو تم سمجھو گے تمہارے اوپر جھپٹ رہا ہوں۔ اس کا حل یہ ہے اسے زمین پر پھینک دیتا ہوں اور تم اسے اٹھالو۔'' پائلٹ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اسے زمین پر پھینک دو اور پھر چھ قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔''

پائلٹ ابھی پیچھے ہٹ ہی رہا تھا کہ برنیز نے قدرے جھک کر بائیں ہاتھ سے شناختی اٹھالیا اور دائیں ہاتھ میں وہ مشینی پستول تھامے رہا۔

پائلٹ افسر جیمز کالبورن..... کارڈ پر یہ نام درج تھا۔

''میرا خیال ہے تم میرے بارے میں مطمئن ہو گئے ہو۔'' پائلٹ نے وہی غیر سنجیدہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔''اب کیا میں تمہاری پے بک دیکھ سکتا ہوں۔''

برنیز نے چھ فٹ بلند پائلٹ پر خشمگیں نگاہیں ڈالیں۔''میں سارجنٹ برنیز ہوں اور تم اگر چاہتے ہو کہ میں تمہیں اپنی پے بک دکھا دوں تو تمہارا چھوٹا سا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا خیال ہے میرے پیچھے کھڑا ہوا ٹینک..... پنیرز ڈویژن کا حصہ ہے اور کیا تم نے کبھی برطانوی یونیفارم نہیں دیکھی؟''

''تو کیا مجھے یہ کہنے کی اجازت ہے کہ میں نے بھی آر اے ایف کی فلائن کٹ پہن رکھی ہے اور ابھی جو طیارہ تباہ ہوا ہے، یہ چند گھنٹے قبل منسٹن کے ہوائی اڈے سے اڑا تھا، تو بہت اچھا ''ہری کین'' طیارہ

تھا۔

''یہ اتنی سرعت سے تباہ ہوا کہ میں اس کی شناخت نہ کر سکا۔'' برنیز نے کہا۔

''سارجنٹ، کیا تم میرے بارے میں مطمئن ہو گئے؟''

''معاف فرمانا، ہم پہلے ہی ایک جرمن جاسوس کے ہاتھوں مصیبت میں پھنستے پھنستے بچے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بلجیم کا باشندہ ظاہر کرا تھا، لیکن نکلا مار آستین۔'' برنیز نے سرد لہجے میں کہا وہ برابر گہری نظروں سے پائلٹ کا معائنہ کر رہا تھا تا کہ اس بار جانچ پرکھ میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

تم ایک وسیع و عریض نو مین لینڈ میں گرے ہو جرمن فوجوں نے تقریباً پندرہ بیس میل چوڑا شگاف اتحادی صفوں میں ڈال دیا ہے اور ہمارا انحصار اس وقت صرف ایک ٹینک پر ہے۔''

''اگر تم مجھے ساتھ لے لو تو تمہاری قوت میں اضافہ ہو جائے گا۔'' پائلٹ نے آخر وہ درخواست کر ہی دی جس سے برنیز پہلو بچانا چاہتا تھا۔

''تمہاری بات درست ہے، لیکن ٹینک پرواز نہیں کر سکتا اور تم ایک پائلٹ ہو نا! ہمارے کس کام آؤ گے؟''

تو پھر متبادل راستہ کیا ہے؟'' پائلٹ نے مایوس ہو کر پوچھا۔

''متبادل راستہ یہ ہے کہ گھر پہنچنے کا خود ہی کوئی انتظام کرو۔'' برنیز نے کہا۔ ''اگر زیادہ آرام پسند ہو، تو کیمبری جانے والی سڑک پر چلے جاؤ، وہاں جرمن موجود ہیں۔ وہ تمہیں کسی عمدہ جنگی کیمپ میں بھیج دیں گے۔'' برنیز نے کالبورن کے ردعمل کا انتظار کیا۔

''میرا خیال ہے اگر میں تمہارے ایک چیت رسید کر دوں تو ٹینک پر پوزیشن سنبھالے ہوئے تمہارے باقی ساتھی مجھے گولی سے اڑا دیں گے۔ تم نے میرے جذبات کو مجروح کیا ہے اور میں عام حالات میں اس کا بدلہ لے سکتا تھا۔''

''میرا خیال ہے تم اس وقت ایسی حماقت نہ کرو گے اس کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

''مطلب یہی نکلا کہ تمہیں یقین نہیں آیا میں کون ہوں؟''

''تم کینیڈین ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو آر اے ایف کا پائلٹ ظاہر کر رہے ہو..... یہ تضاد کیسا؟''

''آہ! میں کیا بتاؤں ڈاکٹر بننے کے بعد مجھے جہاں متعین کیا گیا، وہاں کا موسم کس قدر گرم تھا! چنانچہ میں رضا کارانہ طور پر آر اے ایف میں بھرتی ہونے کے لئے چلا آیا۔''

''تو تم ڈاکٹر بھی ہو.....'' برنیز کے لہجے میں اگرچہ غیر معمولی جوش نہ تھا لیکن پھر بھی ہوشیار پائلٹ نے اس کے دل کی تیز حرکت بھانپ لی۔ ''سارجنٹ، تمہیں میرے ڈاکٹر ہونے پر اچنبھا کیوں ہے؟''

''بات یہ ہے میرا کارپورل شدید زخمی ہے اور بخار میں پھنک رہا ہے میں کسی ڈاکٹر ہی کی تلاش میں تھا۔ کیا تم اسے ایک نظر دیکھو گے؟''

''بڑی خوشی سے۔'' کالبورن نے جواب دیا اور جلدی جلدی اپنا ریا شوٹ سمیٹا۔''

برنیز ٹینک کے باہر انتظار کرتا رہا۔ کالبورن اندر داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اپنا سر، سوراخ میں سے باہر نکالتے ہوئے پوچھا۔ ''وہ بیمار شخص تمہارا قریبی دوست ہے؟''

''وہ میرا کارپورل ہے۔'' برنیز نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''معاف کرنا، مجھے ڈر ہے خبر اچھی نہیں۔''

''کیا وہ بچ نہ سکے گا؟''

''وہ بچ نہیں سکا..... وہ مر چکا ہے۔''

☆☆☆

فرانس کے دہکتے ہوئے سورج کی حدت سے جلی ہوئی سخت مٹی میں انہیں قبر کھودنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ وہ باری باری کام کر رہے تھے کالبورن نے ان کی خاصی مدد کی۔ برنیز کے ذہن میں کارپورل پان کی پرانی یادیں فلم کی طرح سامنے آتی چلی گئیں۔ وہ تین سال سے اکٹھے ملازمت کر رہے تھے لیکن ان کے درمیان ایسے تعلقات فروغ پا گئے جیسے وہ عمر بھر اکٹھے رہے ہوں۔ پان ایسا آدمی تھا جس پر کسی بھی صورت حال میں اعتماد کیا جا سکتا تھا اور وہ اسی اعتماد کے ساتھ چند راتیں قبل پل پر جرمن سنتری کی حیثیت سے ڈیوٹی دے چکا تھا۔ سینکڑوں پینزر ٹینک اس کے سامنے سے گزرے، مگر وہ لمحے بھر کے لئے بھی نہ

ڈگمگایا۔

قبر تیار ہوگئی اور میت قبر میں اتارنے کا مرحلہ آیا۔ پان کا آدھا دھڑ نیچے اتر گیا پھر لاش پھنس گئی۔ رینالڈ اپنے زخمی بازوؤں کی وجہ سے توازن قائم نہ رکھ سکا تھا۔ ایک بار پھر انہوں نے کوشش کی، لاش دوبارہ پھنس گئی۔ برنیز نے سوچا پان یہاں دفن نہیں ہونا چاہتا، اسی لئے وہ مزاحمت کر رہا ہے۔ وہ تو وطن پہنچ کر طرح طرح کے پروگرام بنایا کرتا تھا۔ وطن کا دور دور تک نشان نہ ملتا تھا اور پان کی روح اس کے قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے سب پروگرام ادھورے رہ گئے۔

انہوں نے لاش کو نیچے اتارنے کے لئے تیسری بار جدوجہد کی۔ اب کے وہ اتنی جلدی سے اتر گئی کہ برنیز کا اپنا توازن خراب ہوگیا اور اس کے کندھوں پر بندھی ہوئی پٹی کے نیچے زخم کھل گئے۔ جب وہ قبر پر مٹی ڈال کر اوپر اٹھا تو پسینے سے تربتر تھا۔ ایک ساتھی..... اور ایک دوست کی ناگہانی موت نے نجانے اس کے قلب و ذہن میں کیا ہلچل مچا دی تھی۔ شاید اس کا اپنا انجام بھی اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا ہو۔

قبر پر کتبہ نصب کرنے کے لئے انہیں کچھ اور نہ ملا، تو وہی پھاوڑا، جس سے قبر تیار کی گئی تھی، اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ ہوا۔ برنیز نے اپنے چاقو سے اس کے دستے پر یہ الفاظ کندہ کر دیئے۔

نمبر ۱۵۴۲۷۹۸۱، کارپورل پان۔ جنگ میں مارا گیا۔ ۵۲ مئی ۱۹۴۰ء

☆☆☆

پان کی موت کے بعد برنیز کے پاس سوائے ڈرائیور، رینالڈ کے اور کوئی شخص نہ تھا۔ ناچار انہوں نے کالبورن کو ساتھ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ روانگی سے پیشتر برنیز نے اسے دو پاؤنڈر اور بیسا مشین گن چلانے کی تربیت دی تاکہ ضرورت پڑنے پر ٹینک کو موثر طور پر استعمال کیا جا سکے۔ کالبورن، اندازے سے زیادہ ذہین نکلا اور اس نے بڑی پھرتی سے پورا نظام سمجھ لیا۔

بالآخر ٹینک حرکت میں آیا۔ برنیز اس کے سوراخ میں کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ وہ اپنی مہم کے نقطہ عروج کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اگلے چوبیس گھنٹوں میں یا تو وہ مر چکے ہوں گے یا قیدی بنا لئے جائیں گے..... یقیناً تیسری شکل بھی موجود تھی اور وہ یہ کہ اگر کوئی ہدف مل گیا، تو ٹینک کی توپ کے ستر گولے

قیامت بھی برپا کر سکتے ہیں۔

سورج آہستہ آہستہ آغوش مغرب میں چلا گیا اس وقت وہ گنجان آباد علاقے میں سے گزر رہے تھے۔ لوگ کھیتوں میں کام کر رہے تھے اور کہیں ٹریکٹر بھی چل رہے تھے۔ برنیز کو یقین نہ آ رہا تھا کہ اٹرکس سے چل کر وہ کلیس کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں اس کا دل زور زور سے حرکت کر رہا تھا اس نے فیصلہ کیا کہ رات بھر سفر جاری رکھا جائے گا اور ٹینک کی اگلی پچھلی سب بتیاں روشن رہیں گی۔ وہ اب دشمن کی صفوں میں گھسنے والے تھے۔ ٹینک کی روشن بتیاں جرمنوں کو حیرت میں ڈال دیں گی اور اس سے پہلے کہ وہ شبہ کر پائیں، ٹینک آگے گزر جائے گا"

آغاز شب کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ اچانک برنیز کو سامنے سے ایک لمبے قافلے کی روشنیاں دکھائی دیں..... پینزر ڈویژن..... اس کے دماغ پر ہتھوڑا سا برسا۔ اس نے انٹرکام پر رینالڈ کو ہدایت کی کہ وہ ٹینک کو سڑک سے اتار کر دائیں طرف وسیع میدان میں لے جائے۔

رینالڈ نے دائیں طرف اسٹیرنگ گھمایا۔ سڑک سے کچھ دور تک سرسبز گھاس زمین پر لہلہا رہی تھی۔ جوں جوں یہ آگے بڑھتا گیا، گھاس کم ہوتی گئی اور اس کی رنگت بھی بدلی ہوئی تھی..... زردی مائل پتے، زمین کی تیزابیت کی غمازی کر رہے تھے اور پھر برنیز کو یوں محسوس ہوا جیسے اس پر غنودگی طاری ہو۔ ٹینک کے پہیے مسلسل گھوم رہے تھے مگر یہ ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ رہا تھا اس نے سر کو زور سے جھٹکا دیا اور اس پر ایک تلخ اور حیران کن حقیقت منکشف ہوئی.....

ٹینک نیچے ہی نیچے دھنس رہا تھا..... چھبیس ٹن سے زیادہ وزن دلدل ڈوبا چلا گیا۔

اس نے فوراً ٹینک کو روکنے کا حکم دیا اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اگر وہ ٹینک کو پیچھے لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، تو مزید پھنس جائیں گے۔ آگے حرکت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ دوسری طرف سڑک پر کسی قافلے کی روشنیاں قریب سے قریب تر آ چکی تھیں۔ برنیز اس وقت صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گیا۔ دشمن کو ان پر فائر کرنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ وہ آرام سے سڑک پر انہیں مزید نیچے دھنستے دیکھتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ زندہ درگور ہو جائیں۔ خوف کی شدت میں اسے سڑک کی

طرف دیکھنے کی جرات نہ ہوئی۔ وہ آنکھیں بند کر کے موت کو گلے لگانا چاہتا تھا۔

گاڑیوں کی آواز ان کے برابر آ چکی تھی پھر اسے یوں لگا جیسے سب گاڑیاں رک گئی ہوں۔ برنیز کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ اس نے اپنے سب خواب چکنا چور ہوتے محسوس کیے، تمام خواہشیں، حسرتوں میں بدل رہی تھیں اس عالم میں اسے یہ احساس بھی نہ ہو سکا کہ کالبورن بھی ٹینک کے باہر آ چکا ہے اور اس کے قریب کھڑا ہے۔

سڑک کی طرف سے کسی نے فرانسیسی میں انہیں آواز دی۔ برنیز کو کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ وہ جرمن زبان میں دھمکیاں سننے کا منتظر تھا..... لیکن وہ فرانسیسی سے نابلد تھا۔ سڑک پر کوئی شخص مسلسل چیخ رہا تھا کالبورن نے دیکھا کہ برنیز ساکت و جامد ہو کر رہ گیا ہے، اس نے اسے زور سے جھنجھوڑا اور سڑک کی جانب متوجہ کیا۔ وہاں پانچ ٹریکٹر کھڑے تھے اور ان کی روشنی میں کئی لوگ چیخ چیخ کر انہیں متنبہ کر رہے تھے۔ کالبورن ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی بول سکتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ تھوڑی دیر تعد متعدد فرانسیسی، لکڑی کے بڑے بڑے تختے لے آئے اور سڑک سے لے کر پھنستے ہوئے ٹینک تک بچھا دیئے۔ پھر ایک مضبوط رسا ٹینک کے پیچھے باندھا گیا اور دوسری طرف ایک ٹریکٹر اس رسے کی مدد سے ٹینک کو کھینچنے لگا۔ خاصی جدوجہد کے بعد ٹینک، لکڑی کے تختوں پر چڑھ آیا اور پھر سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

برنیز نے ان فرانسیسی نجات دہندگان کا شکریہ ادا کیا۔ ''میں تو سمجھا تھا، یہ ٹریکٹر نہیں پینزر ٹینک ہیں۔ تم نے تو ہمیں خوفزدہ کر دیا۔''

''پینزر قافلہ کئی دن پہلے یہاں سے گزرا تھا۔ شاید ان لوگوں کو آگے جانے کی بہت جلدی تھی، اس علاقے میں زیادہ تباہی نہ مچائی۔'' ایک معزز سیفر انسیسی نے جواب دیا۔ کالبورن دونوں کے درمیان ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔

ٹریکٹروں کا قافلہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔ برنیز نے قدرے ستانے کا فیصلہ کیا تا کہ ٹینک کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی جائے۔ تھکن کی وجہ سے بھی ان کا برا حال تھا کوئی آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ کسی بھاری مشینری کی گڑگڑاہٹ انہیں سنائی دی۔ جلد ہی ایک ٹینک کیریئر ان سے کچھ فاصلے پر سامنے آ

کر رک گیا۔ ان کے ٹینک کی بتیاں پوری طرح روشن تھیں اور سامنے آ کر رکنے والی گاڑی کی بھی۔ برنیز نے فوراً ٹینک میں سے اپنا مشینی پستول نکالا اور سڑک کے دوسری جانب کھیتوں میں یہ کہہ کر گھس گیا۔ ''تم دونوں! ادھر چوکس رہو، میں ذرا ان سے نمٹتا ہوں۔''

فصلوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ٹینک کیریئر کے پہلو پر پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ اس پر ایک خراب ٹینک لدا ہے اور شاید یہ لوگ پیچھے کسی ورکشاپ میں جا رہے ہیں۔ اس کا اندازہ تھا۔ اس پر دو یا تین یا تین سے زیادہ چار سپاہی ہوں گے اور ان سے نمٹنا کوئی مشکل نہیں، بشرطیکہ وہ سیدھے نشانے میں آ جائیں ایک جرمن سپاہی ریوالور تانے گاڑی سے اترا اور سڑک پر فصلوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ ممکن ہے اس کی موجودگی کا راز فاش ہو چکا ہو۔ یہ سوچ کر برنیز نے اپنے آپ کو زمین سے چپکا لیا۔ پھر ایک سپاہی اور اترا اور اس کے پیچھے تیسرا سپاہی بھی نیچے آ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ برنیز کی طرف گھورتے رہے، پھر احتیاط سے گاڑی کی ہیڈ لائٹوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ معلوم نہیں ان کا ارادہ کیا تھا، برنیز نے موقع غنیمت جانا اور دوڑ کر سڑک عبور کر لی اور گاڑی کے دوسری سمت پہنچ گیا اس نے قدرے کھٹکا سا کیا۔ تینوں جرمن سپاہی چوکنے ہو گئے اور آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ ان میں سے ایک سپاہی نے ریوالور تان لیا اور سڑک سے اتر کر برنیز کی تلاش شروع کر دی برنیز اپنی جگہ سے کھسک گیا اور تاثر یوں دیا جیسے وہ کھلے میدان میں لیٹ کر تماشا دیکھنے لگا۔ جرمن سپاہی دبے پاؤں دلدل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک وہ نیچے دھنسنے لگا پہلے ہی ہلے میں وہ گھٹنوں تک دھنس گیا، جوں جوں اپنے آپ کو نکالنے کی کوشش کرتا، مزید دھنس جاتا..... آہستہ آہستہ اس کی کمر بھی چھپ گئی، سینہ اور گردن..... وہ چیخنے لگا اس کا ایک ساتھی مدد کے لئے دوڑا، لیکن اس کا حشر دیکھ کر پیچھے کھڑا رہا۔ اگلے چند لمحوں میں اس کا سر بھی غائب ہو گیا۔ دلدل نے ایک جرمن سپاہی کو نگل لیا تھا۔ دوسرا سپاہی خوفزدہ ہو کر سڑک کی طرف بھاگا اور تیسرے ساتھی کو جا کر اس سانحے سے آگاہ کرنے لگا۔ باتیں کرتے کرتے وہ ادھر ادھر پوزیشن بدل رہے تھے۔ جب وہ برنیز کے مشینی پستول کی زد میں آئے تو اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ابھی وہ زمین پر گرنے نہ پائے تھے کہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا وہاں کوئی چوتھا آدمی بھی تھا جسے سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کسی بھی حالت میں گاڑی سے نہ

اترے اور حالات خراب ہوتے دیکھے، تو گاڑی کو لے بھاگے۔ برنیز نے فوراً نالی کا رخ ڈرائیور کے کیبن کی طرف کر دیا اور قریباً آدھا میگزین خالی کر دیا۔ پھر وہ انتظار کرنے لگا۔ گاڑی کا انجن اسی طرح اسٹارٹ تھا لیکن اس نے کوئی حرکت نہ کی وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھا۔ کیبن کا دروازہ کھولا تو ایک لاش ساتھ ہی لڑھک کر زمین پر گر پڑی۔ برنیز نے انجن بند کر دیا اور دوسرے دونوں جرمنوں کو دیکھا۔ وہ بھی آخری سانس لے چکے تھے سارجنٹ برنیز کے پاس اس وقت ماٹلڈا ٹینک کے علاوہ ایک صحیح سالم جرمن ٹینک کیریئر بھی موجود تھا۔

برنیز نے واپس آ کر پوری صورت حال رینالڈ اور کالبورن کو سمجھائی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ کیریئر سے خراب جرمن ٹینک اتار کر دلدل میں دھکیل دیا جائے اور ماٹلڈا ٹینک اس پر چڑھا کر آگے سفر جاری رکھا جائے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جرمن فوجی اس کیریئر کو دیکھ کر دھوکے میں آ جائیں گے، چنانچہ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد وہ یہ سب کچھ سرانجام دینے میں کامیاب ہو گئے۔ روانگی سے پہلے انہوں نے جرمن فوجیوں کے فولادی ہلمٹ سر پر رکھ لئے۔ اب تو قریب سے دیکھنے پر بھی پتہ نہ چل سکتا تھا کہ یہ لوگ برطانوی ہیں۔ ٹینک کے اوپر ترپال ڈال دی گئی۔ برنیز اور رینالڈ اگلے حصے میں بیٹھ گئے اور کالبورن کو ٹینک کی گن پوزیشن سنبھالنے کا حکم ملا تا کہ وقت پڑنے پر فائر کھولا جا سکے۔

ابھی انہوں نے ایک میل سفر طے کیا ہوگا کہ پیچھے سے ایک کار آتی دکھائی دی۔ ''کیا یہ جرمن اسٹاف کار ہے؟'' برنیز کے ذہن میں یہ سوال کھبلایا کار قریب آئی اور اس میں سوار شخص نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا پھر اس کی رفتار کم ہونے لگی یہ لوگ انجانے خوف سے لرز اٹھے۔

کار رک چکی تھی۔ دروازہ کھول کر سول کپڑوں میں ملبوس ایک نوجوان فرانسیسی باہر نکلا۔ یہ مانڈل کا بھتیجا جیکوئس تھا جو تھوڑی دیر کے لئے انہیں اس فارم پر ملا تھا مانڈل نے بتایا تھا وہ مہم جو شخص ہے اور جنگی خبروں کی ٹوہ لگانے کے لئے دن رات دشمن کی فوجوں کے عقب میں پھرتا رہتا ہے۔ کہیں شگاف میں سے برطانوی صفوں میں سے بھی ہو آتا ہے۔

برنیز اسے دیکھ کر متعجب سا ہوا۔ ''تم ادھر کہاں؟ تم تو ابوائل گئے تھے۔

''ہاں، ایک اندوہناک سانحہ ہوگیا ہے۔ جرمنوں نے میری بہن کو گولی سے اڑا دیا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آواز کانپ رہی تھی اور برنیز کو اس پر یقین کرنا پڑا۔

''یہ کیسے ہوا؟''

''جرمن اسے محض اتفاقی حادثہ کہتے ہیں۔ ان کے ترجمان نے مجھے یہی بتایا تھا۔ لیکن وہ انہیں کے ہاتھوں ہلاک ہوئی۔ وہ ابوائل کے چوک میں کھڑی تھی کہ جرمن ٹینک آن پہنچے کسی نے کھڑکی میں سے ان پر فائر کیا۔ جرمنوں نے جواب میں بے تحاشا گولیاں چلائیں۔ میری بہن اسی وقت دم توڑ گئی۔''

''مجھے بہت افسوس ہے جیکوئس۔'' برنیز نے کہا۔ ''لیکن یہ تو بتاؤ ادھر کیا کرنے آئے ہو؟''

''شاید میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرا والد لیمانٹ میں رہتا ہے میں اس حادثے کی اطلاع کرنے جارہا ہوں.....'' قدرے توقف سے وہ کہنے لگا۔ ''پھر میں جرمنوں کو ہلاک کروں گا۔''

''مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ اکٹھے کوئی آپریشن کریں گے۔''

''ہم مزید خطرات مول نہیں لے سکتے، پہلے ہی ایک کینیڈین پائلٹ کو لفٹ دے رکھی ہے۔''

''میری پیشکش اور ہے۔'' جیکوئس نے کہا۔ ''تم لوگ ان راستوں سے واقف نہیں، اس لئے میں اپنی کار میں آگے آگے چلتا ہوں اور کہیں خطرے والی بات ہوئی، تو تمہیں خبردار کردوں گا۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم ہمارے اور دشمن کے کراس فائر کی زد میں آجاؤ گے۔''

''میں اس سے نہیں ڈرتا۔'' جیکوئس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''تم کلیس کی سڑک پر جارہے ہو اور یہ بڑا خطرناک راستہ ہے۔ میں ایک اور سڑک سے واقف ہوں جس پر جرمن نقل وحرکت برائے نام ہوتی ہے۔ اور وہ بھی کلیس پہنچادے گی، بلکہ ہے بھی مختصر راستہ۔''

بڑی ہچکچاہٹ کے بعد برنیز مان گیا۔ جیکوئس کی کار ان کے آگے آگے تھی۔ آہستہ آہستہ ان کا درمیانی فاصلہ ایک میل سے بھی زیادہ ہوگیا۔ وہ بلاخوف وخطر آگے بڑھتے رہے، لیکن ایک موڑ پر رینالڈ نے بڑی مشکل سے بریکیں لگائیں۔ کچھ فاصلے پر جیکوئس کی کار سڑک کے درمیان الٹی پڑی تھی اور وہ خود بھاگم بھاگ ان کی طرف اڑا چلا آرہا تھا۔

برنیز نے رینالڈ کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اتنی دیر میں جیکوئس بھی وہاں پہنچ گیا۔ ''میں بخیریت ہوں۔ آگے ایک روڈ بلاک ہے میں نے اسے دیکھ کر کار واپس موڑنا چاہی تو انہوں نے فائر کھول دیا۔ جلدی میں کار الٹ گئی اور میں جان بچا کر بھاگ آیا۔'' اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''جلدی سے پیچھے ٹینک پر چڑھ کر لیٹ جاؤ۔ ٹینک کی نالی تمہیں کور مہیا کرے گی۔'' برنیز نے کہا۔ ''ہم یہاں سے ضرور گزریں گے۔ رینالڈ، گاڑی کی رفتار چالیس میل فی گھنٹہ کر دو۔ قسمت ہمارے ساتھ ہے۔ وہ جرمن ٹینک کیریئر کو اچھی طرح پہچان لیں گے اور خود بخود راستہ دے دیں گے۔ اگر انہوں نے بیریئر اوپر نہ اٹھایا، تو پھر اسے روند کر آگے نکلنا ہوگا۔''

رینالڈ نے کوئی جواب دیئے بغیر اپنے آپ کو اسٹیرنگ کے اوپر جھکا لیا اور گاڑی کی رفتار آہستہ آہستہ تیز کر دی۔ جرمنوں نے ابھی تک ان پر فائر نہ کھولا تھا۔ یہ ان کی اپنی گاڑی تھی اور اسی وجہ سے وہ فریب میں آ چکے تھے صرف پچاس گز کے فاصلے پر روڈ بلاک تھا سڑک کے کنارے ایک ٹینک شکن توپ نصب تھی۔ ایک آدمی سائیکل لئے کھڑا تھا۔ دو فوجی، توپ پر ڈیوٹی دے رہے تھے۔ رینالڈ عین سڑک کے درمیان میں جا رہا تھا۔ فاصلہ کم ہوتا چلا گیا۔ چالیس، تیس، بیس اور دس فٹ۔ اچانک اس نے اسٹیرنگ قدرے بائیں گھمایا۔ جرمن ٹینک کیریئر، چھبیس ٹن وزنی مائلڈ ٹینک کے ساتھ، سائیکل سوار، سنتری اور ٹینک شکن توپ کو روندتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس نے گاڑی پھر سڑک کے درمیان کر دی برنیز اپنے ڈرائیور کی چابک دستی اور حاضر دماغی پر عش عش کر اٹھا۔ وہ اتنی دیر تک دم سادھے بیٹھا رہا، جب اس نے محسوس کیا کہ روڈ بلاک پار کر آئے ہیں تو اس نے ایک سادہ حکم دیا۔ ''رفتار تیز تر کر دو۔''

☆☆☆

جنرل سٹارچ، لیمانٹ کے فارم ہاؤس میں تیزی سے داخل ہوا۔ یہاں اس کا عارضی ہیڈ کوارٹر قائم تھا۔

''میئر، تم کہاں ہو؟'' اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ''وہ رہے تم! یہ کیا عجیب معاملہ ہے! میں نے سنا ہے تم نے میرے احکام کے برعکس ہدایات جاری کی ہیں۔''

''صرف عبوری طور پر جناب''! میئر نے پھرتی سے جواب دیا۔

''ہمیں فیصلہ کئے ابھی گھنٹو تو ہوا..... یہ فیصلہ کہ صبح چار بجے حملہ کیا جائے گا۔ ڈنکرک جانے والی دوسری سڑک پر صرف تین فٹ پانی کھڑا ہے اور ہمارے پینرز ٹینک اس میں سے بآسانی گزر جائیں گے۔''

میئر نے ایک پیغام، سٹارچ کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے پڑھے بغیر پوچھا۔ ''تم اسے دیکھ چکے ہو، بتاؤ اس میں کیا لکھا ہے؟''

''تمہارے جانے کے بعد جی ایچ کیو سے یہ پیغام وصول ہوا تھا اور اسی بنا پر میں نے عبوری احکام مشروط طور پر جاری کئے کہ تمہارے واپس آنے پر ان کی توثیق ہوگی۔''

''آخر اس میں لکھا کیا ہے۔''

''اس میں کہا گیا ہے ہم نہر پر رک جائیں۔ جنرل وان باخ، بلجیم میں سے برطانوی توسیع فورس پر حملہ آور ہوگا۔ میرا خیال ہے جنرل رنڈسٹیٹ، ٹینکوں کی طرف سے مطمئن نہیں، اسی لئے اس نے ہمیں رکنے کا حکم دیا۔''

جنرل سٹارچ نے پیغام اس کے ہاتھوں سے چھین لیا اور اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ ''اس میں تو ایسی کوئی بات درج نہیں۔''

سٹارچ ذرا توقف سے بولا! مجھے ابھی پتہ چلا ہے زیر آب سڑک دشمن کی زد سے باہر ہے۔ میں نے ایک گشتی دستہ بھیجا تھا، اسے کہیں مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔''

''ظاہری طور پر تو حالات موافق دکھائی دیتے ہیں۔'' بالآخر میئر کو بادل نخواستہ سر جھکاتے ہی بنی۔

جنرل کے چہرے پر ایک پراعتماد مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ ''ڈنکرک کا راستہ ابھی کھلا ہے۔ طلوع آفتاب سے دو گھنٹے بعد ہمارے ٹینک شہر کے اندر ہوں گے..... ذرا تصور کرو پوری برطانوی توسیعی فورس (اڑھائی لاکھ فوجی) ہمارے رحم و کرم پر ہوگی۔''

''ہم اس کے ساتھ بھی کوئی چکر چلا لیں۔ کہہ دیں گے اس سے پہلے موصول شدہ تازہ ترین حکم

میں پیش قدمی کی ہدایت واضح طور پر درج تھی۔ ہم یہی کریں گے اور آگے بڑھ کر آخری بندرگاہ ڈنکرک پر قبضہ جمالیں گے۔'' جنرل سٹارچ نے کہا۔

''میں نے وائرلیس آپریٹر سے کہا ہے اس کی وضاحت طلب کرے۔''

''وضاحت کے احکام منسوخ کردو۔''

میسر نے فوراً فون اٹھایا اور اپنا حکم منسوخ کردیا۔

''آخر تمہیں ایسی تشویش کیا لاحق ہے؟'' سٹارچ نے میسر کے جذبات پڑھتے ہوئے کہا۔ ''ہوائی اڈے پر اسلحے کا بھاری ذخیرہ ہے نا؟''

''ہمارے پاس کافی اسلحہ ہے، کمی کی شکایت نہ ہوگی۔'' سٹارچ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تم ایڈوانس ہیڈ کوارٹر کو فوری طور پر حملے کی اطلاع کردو۔ بہتر یہ ہے کوئی تیز رفتار جیپ بھیج دو۔ جب تک جیپ وہاں پہنچے گی، ہمارے ٹینک زیر آب سڑک پر حرکت میں آچکے ہوں گے۔''

میر کے ڈیسک پر رکھا ہوا ٹائم پی ۰۱۔۲۱ رات کا وقت ظاہر کررہا تھا۔

☆☆☆

برنیز خاصی دیر سے کسی اندرونی کش مکش میں مبتلا تھا۔ اس کی چھٹی حس کسی آنے والے خطرے سے خبردار کررہی تھی۔ اس نے اپنی دوربین سامنے سڑک پر مرکوز کی۔ پھر اسے ذرا دائیں طرف گھمایا۔ ایک گڑھے میں الٹی ہوئی جیپ دکھائی دی۔ وہ حیران تھا کیا معاملہ ہے؟ اس کے پہیے ابھی تک گھوم رہے تھے اس نے رینالڈ کو حکم دیا گاڑی سڑک کے ایک جانب کھڑی کردے۔ وہ خود نیچے اترا اور محتاط قدموں سے الٹی ہوئی جیپ کی طرف بڑھا۔ وہ جب واپس آیا تو اس کے چہرے پر اضطراب کی کیفیت اور نمایاں ہوگئی تھی۔

''کیا معاملہ ہے؟'' رینالڈ نے پوچھا۔

''بڑی دلچسپ شے ہاتھ لگی ہے۔ یہ جرمن ایڈوانس ہیڈ کوارٹر کے نام جنگی حکم نامے کی نقل ہے شاید جیپ ادھر جارہی تھی ٹائی راڈ ٹوٹنے سے یہ لڑھک کر گڑھے میں گر پڑی۔ حکم نامے میں لکھا ہے چودھواں پینزر ڈویژن صبح چار بجے ڈنکرک پر حملہ کرے گا اور مزے کی بات یہ ہے کہ حملے کا آغاز جیکوئس کے

آبائی قصبے لیمانٹ سے ہوگا۔''

جیکوئس اچھل پڑا۔''لیمانٹ!''

''ہاں'' برنیز نے جواب دیا۔''اب ہم کلیس نہیں، لیمانٹ جائیں گے۔ شکر ہے بروقت ہمیں ایک ہدف میسر آ گیا ہے یہاں ہماری صلاحیتوں کا امتحان ہونے والا ہے۔ ہم ہر ممکن کوشش کریں گے کہ حملے کا آغاز ہی نہ ہو سکے۔

برنیز نے گھڑی کی طرف دیکھا جو اس نے کالبورن سے مستعار لی تھی۔ اس وقت بارہ بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے۔

☆☆☆

وہ لیمانٹ کے نواح میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اپنا ٹینک اتار لیا اور جرمن کیریئر اسٹارٹ کر کے ایک گڑھے میں دھکیل دیا۔ برنیز نے گھڑی دیکھی۔ ۵۴۔۲۱ کا وقت تھا۔ کالبورن نے توپ اور بیسا میشن گن سنبھال رکھی تھی۔ سوراخ میں برنیز اور جیکوئس کھڑے تھے۔ جیکوئس نے اسے بتایا وہ قصبے کے جنوبی حصے کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس لئے انتہائی محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ برنیز نے پوچھا ٹینک کو پارک کرنے کی بہترین جگہ کونسی ہے تا کہ قصبے میں داخل ہونے سے پہلے اچھی طرح ریکی کر لی جائے۔ جلد ہی ایک شکستہ سی حویلی کے قریب پہنچے۔ اس کے سامنے دو تین برباد شدہ ٹرک پڑے تھے۔ یہ فرانسیسی فوج سے تعلق رکھتے تھے۔ کالبورن نے خاص طور پر ان کی جانچ پڑتال کی۔ ایک ٹرک میں دھماکہ خیز بارود وافر مقدار میں موجود تھا۔''اس سے اوٹاوا جیسا بڑا شہر اڑایا جا سکتا ہے۔'' اس نے کہا۔''میں بچپن سے دھماکوں میں دلچسپی لے رہا ہوں۔ یہی جنون مجھے برطانوی فضائیہ میں لے آیا۔''

برنیز اس دوران میں جیکوئس کے ساتھ مل کر قصبے کی ریکی کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ جیکوئس کا کہنا تھا انہیں اس کے باپ کے گھر چلنا چاہئے جو لیمانٹ کے وسط میں ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ وہاں سے ایک ہوائی اڈہ بھی صاف نظر آتا ہے۔ ممکن ہے جرمنوں نے اڈے پر ٹینک ڈویژن یا گولیہ بارود جمع کر رکھا ہو۔

☆☆☆

برنیز نے ایک بار پھر گھڑی دیکھی۔ رات کے دو بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے۔ انہوں نے ریکی مکمل کر لی تھی پورا قصبہ تقریباً اجاڑ پڑا تھا۔ لوگوں نے جرمنوں کے خوف سے گھر بار چھوڑ دیئے تھے۔ جیکوئس کو وہ ماحول وحشت خیز سا لگا جہاں اس نے بچپن میں پرورش پائی تھی۔ وہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ اس کی گلیوں میں کھیلتا رہا تھا، مگر آج اس کالی رات کو اسے کوئی ساتھی نظر نہ آ رہا تھا اس نے کئی گھروں میں دستک دی، مگر ویرانوں میں صدائے بازگشت کے سوا اسے کوئی جواب نہ ملا۔

مزید جانچ پڑتال سے پہلے وہ ایک بار واپس چلے آئے۔ برنیز نے کالبورن اور رینالڈ کو بتایا کہ وہ جیکوئس کے گھر جا رہے ہیں۔ اشارے سے اس کا حدود اربعہ بھی واضح کر دیا۔ پھر انہیں ہدایت کی کہ وہ خاموش بیٹھے رہیں اور کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کریں کیونکہ وہ اپنے سفر کے آخری مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں اور اس موقع پر وہ کسی مصیبت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

وہ احتیاط سے قصبے میں داخل ہو گئے پہلے وہ ایک دو منزلہ مکان کے سامنے کسی جرمن سنتری کو دیکھ چکے تھے۔ وہ اب وہاں موجود نہ تھا، بلکہ ایک خالی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ برنیز کے ذہن میں تجسس نے سر ابھارا اور وہ اس مکان کی طرف بڑھنے لگا۔ جیکوئس چند قدم پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ برنیز کو مکان کے عقبی روشندان میں سے روشنی دکھائی دی۔ اس نے اپنے آپ کو زمین پر گرا لیا اور رینگ کر عقبی دیوار کی طرف بڑھا۔ سوائے ہلکی سی سرسراہٹ کے کوئی آواز پیدا نہ ہو رہی تھی۔ اچانک اسے اپنے سامنے خندق دکھائی دی۔ اس نے آخری لمحے زمین سے بالکل چمٹ جانا چاہا، لیکن اس کا سر پھر بھی قدرے بلند رہا۔ دفعتہً اسے زمین و آسمان گردش کرتے محسوس ہوئے۔ کسی نے رائفل کا بٹ اس زور سے اس کے سر پر دے مارا کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

جب وہ جاگا، تو اسے جسم میں بیماری احساس ہوا۔ اس کے دماغ میں ہتھوڑے سے برس رہے تھے اس نے بڑی مشکل سے آنکھوں کی پلکیں اوپر اٹھائیں، شاید وہ سکے کی بنی ہوئی تھی۔ چندھا دینے والی روشنی اس کی آنکھوں میں داخل ہوئی۔ وہ دوبارہ آنکھیں بند کرنے مجبور ہو گیا۔ انگریزی میں کوئی بولا۔

''سارجنٹ برنیز، سارجنٹ برنیز، بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم ٹھیک ہو رہے۔''

برنیز نے ایک جھٹکے سے قدرے آنکھیں کھولیں۔ لیمپ کے پیچھے ایک کرسی پر تیس سال کا جرمن افسر براجمان تھا۔ اس نے پپوٹے چاروں طرف گھمائے، لیکن جیکوئس کہیں دکھائی نہ دیا۔ ''فرانسیسی بچہ ان کے ہاتھ نہیں آسکا۔'' اس نے سوچا۔ ''وہ گاؤں میں چھپ گیا ہوگا!''

برنیز دل ہی دل میں جرمن کو مطعون کرنے لگا، کیونکہ اسے ایک کرسی پر بٹھا کر اس کے ہاتھ پیچھے اس کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ وہ ذرا بھی حرکت کرنے کے قابل نہ تھا ایک اور باوردی افسر اس کے عقب سے نمودار ہوا۔ اس نے باریک نوکیلی سوئیاں میز پر پھیلا دیں اور انہیں ایک آلے میں اس طرح کسنے لگا کہ وہ مضبوطی سے جکڑی گئیں۔ تشدد کے اس ہتھیار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر برنیز کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ برنیز سوچ رہا تھا یہ سب اسے حواس باختہ کرنے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ کرسی پر براجمان افسر بولا۔ ''میں میجر برگ ہوں اور تم یقیناً سارجنٹ برنیز ہو۔'' اس نے ایک برطانوی پے بک میز پر سے اٹھا کر ہوا میں لہرائی۔ ''تم حیران ہو گے میں صاف ستھری انگریزی کیسے بول لیتا ہوں، تو یہ اس وجہ سے ہے کہ میں لندن میں فوجی اتاشی رہ چکا ہوں۔'' پھر اس کا لہجہ بدل گیا، اس نے کرخت آواز میں پوچھا۔ ''تمہاری یونٹ کونسی ہے اور برطانوی فوج ہمارے عقب میں کہاں حملہ آور ہوگی؟''

برنیز نے اپنا نام، رینک اور نمبر بتایا اور پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا منہ زبردستی کھلوایا گیا۔ دوسرے افسر نے ایک موٹا فولادی ڈنڈا اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ برنیز نے اسے حلق سے نیچے اترتا محسوس کیا۔ افسر نے ڈنڈا باہر نکال لیا۔ برنیز نے خون تھوکا، تو ایک ٹوٹا دانت بھی باہر گر پڑا۔

''مجھے اس کا تعارف کروا دینا چاہئے۔'' برگ نے کہا۔ ''یہ کیپٹن ولیم ہے۔ عموماً ہم نرمی سے پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ تشدد کا مرحلہ بعد میں آتا ہے اس وقت ہمارے پاس وقت کم ہے اس لئے مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے، پہلے مرحلے ہی میں گسٹاپو کے اس کیپٹن سے تمہارا واسطہ پڑنے والا ہے۔''

برنیز نے دوبارہ اپنا نام، رینک اور نمبر بتا دیا۔ ''جنیوا کنونشن کے تحت میں یہی معلومات تمہیں بہم پہنچانے کا مکلف ہوں۔'' اس کے ہونٹ ایک بار پھر سل گئے۔ کیپٹن ولہم سوئیوں کی ترتیب دینے میں محو

رہا۔

''لیکن تم جاسوس ہو!'' برگ نے کہا۔ ''اسے وہ کپڑے دکھاؤ جو اس نے گرفتاری کے وقت پہن رکھے تھے۔''

ولہم نے کرسی کے نیچے سے ایک بنڈل نکالا۔ برنیز خوف سے لرز گیا۔ شاید یہ جیکوئس کے ہوں گے، لیکن بنڈل میں سے اسے ایک جیکٹ اور نیلی پتلون دکھائی دی۔ یہ لباس کھیتوں میں کام کرنے والا عام فرانسیسی مزدور پہنتا ہے۔ جیکوئس کے کپڑے ان سے مختلف تھے۔

''میں نے زندگی بھر ایسے کپڑے نہیں پہنے۔''

''کیپٹن ولہم تصدیق کر سکتا ہے کہ جب تم بے ہوش تھے، تو اس وقت تمہارے جسم سے اتارے گئے۔ تمہارے پاس ثبوت کا کوئی ذریعہ نہیں۔'' پھر برگ نے اس کی پے بک میز کی دراز میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہارا آخری ثبوت تھا، تم اس سے بھی محروم ہو گئے..... اب تم ایک جاسوس ہو اور تمہارے ساتھ کوئی بھی سلوک کیا جا سکتا ہے۔''

کیا برگ اس کا مذاق اڑا رہا تھا؟ وہ مائلڈ اٹینک اور اپنے ساتھیوں سے صرف پانچ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اس نے اپنا ہدف چن لیا تھا۔ وہ چودھویں پینزر ڈویژن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ لیکن قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو وہ مقصد کو پانے سے چند لمحے قبل دشمن کی قید میں چلا گیا۔ برگ واقعی اس کی ہنسی اڑا رہا تھا۔

''ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں، سارجنٹ برنیز!''

''ہاں، ہم میں سے کسی کے پاس بھی نہیں۔''

''میرے سوالوں کا جواب جلدی دو۔ تمہاری یونٹ کہاں ہے؟ برطانوی فوج کا پلان کیا ہے؟'' برگ نے قرے توقف سے کہا۔ ''ولہم، برنیز جواب نہیں دیتا۔''

ولہم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے سوئیاں اوپر اٹھا لیں۔ ان کے نوکیلے سرے برنیز کے کڑے جسم میں چبھنے کے لئے بے تاب تھے۔ برنیز نے کمرے کا بغور جائزہ لیا اس نے اپنے آپ کو ہلا جلا کر دیکھا، اس

کا آزاد ہونا مشکل تھا۔ برگ کی کرسی کے پیچھے کھڑکی تھی جس کے پردے گرے ہوئے تھے، لیکن ان میں سے پتہ چل رہا تھا کہ باہر چاند طلوع ہو چکا ہے۔ ولہم نے اس کی طرف نپے تلے قدم اٹھائے، برنیز نے نئی صعوبت کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی تمام تر قوت ارادی کو مجتمع کر لیا۔

☆☆☆

رینالڈ کی نظر سنتری اور خالی موٹر سائیکل پر پڑی۔ قصبے میں داخل ہونے کے بعد اسے پہلی بار زندگی کے آثار دکھائی دیئے تھے۔ اس نے سنتری کی نظروں سے بچنے کے لئے سڑک چھوڑ دی اور ایک بغلی راستہ اختیار کیا جو اسے کشادہ باغ میں لے گیا۔ اسے بہترین آڑ میسر تھی۔

فوج میں آنے کے بعد پہلی بار اس نے دو حرکتیں ایسی کی تھیں جو اسے پریشان کر رہی تھیں اس نے ایک تو حکم کی سرتابی کی تھی اور دوسرے کسی افسر کی منظوری کے بغیر حرکت میں آ گیا تھا۔ برنیز نے اسے سختی سے ہدات کی تھی وہ کسی حالت میں بھی ٹینک نہ چھوڑے لیکن برنیز کے واپس نہ آنے کی بنا پر اس پر یہ خیال بری طرح حاوی ہو گیا کہ اسے کچھ نہ کچھ ہو گیا ہے۔ یہی سراغ لگانے کے لئے اس نے خطرہ مول لیا تھا۔ پھر حکم کی سرتابی کا احساس اس کے ضمیر کو جھنجھوڑنے لگتا۔ وہ سوچتا واپس چلے جانا چاہئے، برنیز ناراض ہو جائے گا پھر خیال آیا، نہیں میں اس کا پتہ کر کے واپس جاؤں گا۔ خاصی دیر تک تذبذب میں پڑا رہا، آخر واپس جانے ہی کا فیصلہ ہوا۔ میں پہلے راستے سے نہیں جاؤں گا۔ سنتری کی نظر پڑ سکتی ہے ممکن ہے یہ راستہ زیادہ محفوظ ہو۔"

درختوں کی شاخوں اور پتوں سے چاند کی روشنی چھن چھن کر نیچے پڑ رہی تھی اور اسی نیم اجالے میں وہ محتاط قدم اٹھا رہا تھا، اچانک اس کی نظر ایک دو منزلہ مکان پر پڑی جس کے عقبی روشندان اور کھڑکی میں لیمپ کی روشنی جھلملا رہی تھی۔ "برنیز ہوتا، تو ضرور اس عمارت کا کھوج لگا کے جاتا۔" اس کے دل سے آواز آئی۔

وہ کھڑکی کی طرف بڑھا۔ پنجوں کے بل اوپر اٹھتے ہوئے اس نے اندر جھانکا اس وقت کیپٹن ولہم

سوئیاں لے کر برنیز کی کرسی کے پیچھے آ چکا تھا۔ رینالڈ نے اپنے سارجنٹ کو بے یارو مددگار دیکھا، تو وہ انتہائی طیش میں آ گیا۔ وہ اسے رہا کرانے کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔

وہ باغ میں الٹے پاؤں واپس ہوا، اس کا ہاتھ مضبوطی سے چاقو کے دستے پر تھا پھر وہ اس دیوار سے چپک کر دو منزلہ مکان کے صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا، جہاں سنتری پہرہ دے رہا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا سنتری کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ رینالڈ نے زندگی کا خوفناک ترین فیصلہ کیا۔ سنتری ٹہلتا ٹہلتا اس کی طرف آیا، تو وہ چیتے کی طرح اچھل کر اس کی طرف بڑھا اور پوری قوت سے چاقو اس کے سینے میں گھونپ دیا۔ ایک اندوہناک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور پھر وہ زمین پر لوٹ پوٹ رہا تھا۔

رینالڈ نے سنتری کی رائفل پکڑ لی اور اس کمرے کی طرف دوڑ لگائی جہاں برنیز کسی بھی لمحے موت کے منہ میں پہنچنے والا تھا۔ رینالڈ جانتا تھا یہ سوئیاں زہر میں بجھی ہوئی تھیں اور جونہی برنیز کے جسم میں داخل ہوں گی، موت اسے نگل لے گی ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا۔

ولہم اور برگ نے اپنے سنتری کی چیخ سنی، تو کس یا نجانے خطرے کا احساس کر کے انہوں نے اپنے پستول، ہولسٹر سے نکال لئے۔ ولہم باہر دروازے کی طرف بھاگا۔ رینالڈ پہل کر چکا تھا گولیوں کی بوچھاڑ نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا۔ رینالڈ اس کی موت کی تصدیق کئے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، برگ پر تڑتڑ گولیاں برسائیں۔ وہ پھرتی سے میز کے نیچے ہو گیا رینالڈ ایسے زاویئے سے فائر کر رہا تھا کہ اگر نالی کو ذرا سا بھی نیچے کرتا تو برنیز زد میں آ سکتا تھا۔ برنیز نے صورت حال بھانپ لی اور ایک زبردست جھٹکے سے کرسی سمیت اپنے آپ کو زمین پر گرا لیا۔ رینالڈ کا کام آسان ہو گیا۔ اس دوران میں برگ بھی فائر کر چکا تھا جو رینالڈ کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل گئے۔ زاویہ بدل کر رینالڈ نے برگ کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ خون کا فوارہ اس کے سر سے ابل پڑا۔

وقت ضائع کئے بغیر رینالڈ نے برنیز کی رسیاں کاٹ دیں دونوں جلدی سیبا ہر بھاگے۔ برنیز آگے تھا اور رینالڈ پیچھے۔ کیپٹن ولہم ابھی ہوش میں تھا، لیکن اس کا پستول ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا

اپنا شکار دیکھ کر اس نے پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر اندھا دھند رینالڈ پر فائر داغے..... گولیاں اس کے پیٹ میں لگیں اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ برنیز ہوشیار ہو گیا اور پینترا بدل کر ولہم پر جھپٹا۔ اس نے فوجی بوٹ سے برگ کے سر پر شدید ضرب لگائی اور پھر اس کا پستول چھین کر پورا اسی پر خالی کر دیا۔ ولہم کا بھیجا باہر ابل پڑا۔

برنیز نے رینالڈ کی طرف توجہ دی اس کی حالت غیر ہوئی جاتی تھی، اس وقت اسے اٹھا کر لے جانا بھی مشکل تھا، وہ زخمیوں سے پہلے ہی الرجک تھا خدا کو منظور ہوا، تو تم بھی منزل پالو گے۔ اس نے رینالڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اب ایک ایسا آپریشن کرنا ہے جو جنگی تاریخ میں انقلاب لا سکتا ہے، اس لیے تمہیں ساتھ لے جانے سے قاصر ہوں۔ تم یہاں ایک کمرے میں لیٹ رہو۔ زندہ وطن پہنچ گئے تو پھر ملیں گے..... خدا حافظ۔''

☆☆☆

ماٹلڈا ٹینک کا عملہ، گھٹ کر صرف دو آدمیوں تک رہ گیا۔ تین بج کر بیس منٹ پر وہ حرکت میں آنے کے لئے تیار ہو گئے۔ کالبورن نے گن پوزیشن لی اور ٹینک کمانڈر، ٹینک کے آخری سفر پر خود اسے چلا رہا تھا۔

''کیا خیال ہے تمہارا، یہ منصوبہ کام دے گا۔'' برنیز نے انجن سٹارٹ کرنے سے پہلے پوچھا۔

''اگر یہ چاہتے ہو کہ چند فائر کر کے گولے بارود کا ذخیرہ اڑا دو، تو یہ کوشش ناکام ثابت ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ ٹینک وہاں گھسیڑ دیا جائے اور پھر دور بیٹھ کر آتش گیر مادے کا دھماکہ کر دیا جائے۔''

''لیکن دھماکہ وقت سے پہلے ہو گیا تو؟'' برنیز نے تشویش کا اظہار کیا۔

''کرنٹ دینے سے پہلے اگر یہ سوئچ آن نہ کیا، تو دھماکہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لو۔ میں دوبارہ بتائے دیتا ہوں سوئچ آن کئے بغیر دھماکہ نہیں ہو گا۔''

برنیز کی گمشدگی کے دوران میں کالبورن نے تباہ شدہ ٹرکوں کے قریب پڑا ہوا تھام دھماکہ خیز مادہ، ٹینک کے اندر مجھ دیا اور پھر دھماکہ کرنے کے لئے دیر لوازمات بھی پورے کر دیئے تھے۔ اب ان کا

پروگرام یہ تھا کہ لیمانٹ کے اڈے پر کھڑے ہوئے پنیرز ٹینکوں اور گولہ بارود کے ذخیرے کو اڑا دیا جائے تاکہ جنرل سٹارچ طے شدہ منصوبے کے مطابق ڈنکرک پر چڑھائی نہ کر سکے۔

''تو اب ہمیں چلنا چاہئے۔'' برنیز نے کہا۔

تین منٹ بعد ٹینک، قصبے کی گلیوں اور سڑکوں پر پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ اس کی بتیاں روشن تھیں۔ کالبورن سوراخ میں کھڑا ہو کر انٹرکام پر برنیز کو ہدایات دے رہا تھا۔ ''سارجنٹ، ہم ایک چوک کی طرف بڑھ رہے ہیں، وہاں بعض عمارتوں میں روشنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے، ممکن ہے جرمن فوجی ہوں اور ہمیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔''

برنیز نے رفتار اور تیز کر دی۔ چوک میں کوئی شخص نہ تھا، لیکن جونہی وہ دائیں طرف مڑے، کالبورن نے پھر خطرے سے خبردار کیا۔ ''سامنے دو موٹر سائیکل موجود ہیں، ان کی بتیاں روشن ہیں لیکن قریب کوئی آدمی دکھائی نہیں دیتا۔'' برنیز نے رفتار مزید بڑھا دی کالبورن کے اعصاب تن گئے۔ ٹینک، موٹر سائیکلوں کے قریب گزر گیا۔

کالبورن کی آواز انٹرکام پر لرزی۔ ''ایک موٹر سائیکل ہمارے تعاقب میں ہے۔''

برنیز نے سوچا۔ ''کاش! انٹرکام دوطرفہ ہوتا اور وہ کالبورن کو ضروری احتیاطی تدابیر سے آگاہ کر سکتا۔''

کالبورن اتنی دیر میں کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔ موٹر سائیکل قریب آئی تو اس نے ایک گرنیڈ اس پر پھینکا، دھماکہ ہوا، پھر اس نے ایک اور گرنیڈ اچھالا۔ دوسرے دھماکے کی روشنی میں اس نے موٹر سائیکل کا تباہ شدہ ملبہ دیکھا۔

''خطرہ ٹل چکا ہے۔'' انٹرکام پر اس نے برنیز کو اطمینان دلایا۔

مائلڈ اٹینک، جرمن مقبوضہ قصبے کی گلیوں اور سڑکوں پر ادھر ادھر چکر کاٹتا ہوائی اڈے کے قریب نہر کے کنارے پہنچ چکا تھا نہر کے دوسری طرف پہاڑ تھا اور اس سے پرے ہوائی اڈہ جو ان کا ہدف بننے والا تھا۔ نہر کے کنارے سڑک کے ساتھ ساتھ عمارتوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا، سب عمارتیں ویران

پڑی تھیں۔ اچانک ایک مکان کی تیسری منزل کی کھڑکی کھلی اور لالٹین کی مدھم روشنی میں کسی جرمن فوجی کا چہرہ انہیں گھورنے لگا قبل اس کے وہ مائلڈ اٹینک کو شناخت کر سکتا، کالبورن نے بیسا مشین گن کا ایک برسٹ مارا۔ جرمن کی لاش تیسری منزل سے مردہ کبوتر کی طرح نیچے لڑھک آئی۔ حرامی!'' کالبورن بڑبڑایا۔ کسی فرانسیسی عورت کے ساتھ لیٹا ہوگا!''

انہیں نہر کا پہلا پل عبور کر کے سڑک چھوڑ کر پہاڑ کے ساتھ ساتھ جانا تھا۔ سیدھے راستے سے ہوائی اڈے پر خفیہ آپریشن کرنا ممکن نہ تھا۔ تحیر (SURPRISE) کا فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں ایک تنگ سے درے کے ذریعے ہوائی اڈے میں داخل ہونا تھا۔ گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ادھر سے قریب تھا۔

پل پار کرنے کے بعد برنیز نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ۰۴۔۳ ہو رہے تھے۔ جرمن زیرو آور میں بیس منٹ باقی تھے۔

☆☆☆

پہاڑ کے گرد چکر کاٹ کر مائلڈ اٹینک ایک تنگ سے درے کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ بیس تیس گز سے زیادہ لمبا نہ تھا، لیکن چوڑائی بہت کم تھی۔ برنیز نے سامنے شیشوں میں دیکھتے ہوئے ٹینک اس میں داخل کرنے کی کوشش کی، مگر وہ بغلی چٹان سے جا ٹکرایا۔ ٹینک، درے میں داخل نہ ہو سکا۔ اس نے پھر کوشش کی، یہ بھی ناکام ثابت ہوئی۔ اب وہ ٹینک کو قدرے پیچھے لے گیا اور درے کے بالکل سیدھ میں کر دیا، پھر اسٹیرنگ کو مضبوط سے تھام لیا تاکہ پہیے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہوں۔ ایک دم رفتار تیز کر دی۔ زبردست رگڑ کے بعد ٹینک درے میں داخل ہو گیا اور آنکھ جھپکنے میں پار پہنچ گیا۔ آغاز صبح کی دھند میں ہوائی اڈہ دکھائی دے رہا تھا۔ ہزاروں ٹینک کھڑے تھے، کچھ حرکت کر رہے تھے اور کچھ حرکت کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ ان کے بالکل سامنے اسلحے کا ڈمپ تھا اور اس سے قریب ٹینک مرمت کرنے کی ورکشاپ تھی۔ یہاں ایک ٹینک کے گرد کچھ لوگ جمع تھے۔

برنیز نے سانس روک لیا۔ اس کی گھڑی صبح کے ۸۴۔۳ بجا رہی تھی۔ جرمن حملے میں صرف بارہ

منٹ باقی تھے۔ اس نے ٹینک کو پوری رفتار دے دی خاردار تاریں پہیوں کے نیچے دب گئیں اور ٹینک ڈمپ کے دھانے کے سامنے رک گیا۔ جرمن ٹینک مرمت کرنے والے فوجی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ اسلحے سے لیس نہ تھے، اس لئے کچھ نہ کر سکے۔ کالبورن نے بیسا مشین گن کی ایک بوچھاڑ سے انہیں بھون کر رکھ دیا۔ برنیز نے ٹینک گھما کر ڈمپ کے اندر داخل کر دیا۔ اندر ہر قسم کا سینکڑوں ٹن اسلحہ ڈھیر کیا ہوا تھا پھر وہ جلدی جلدی باہر کی طرف دوڑے۔ کالبورن نے بیٹری اٹھا رکھی تھی اور برنیز پیچھے پیچھے تار پھیلا رہا تھا۔ وہ پہاڑ کے دہانے کے پار پہنچ کر تار کو بیٹر سے جوڑنا چاہتے تھے۔

''تین بج کر پچیس منٹ پر دھماکے کے لئے انہوں نے ضروری انتظامات کر لئے۔ برنیز نے سانس روک کر تار، بیٹری سے جوڑا۔ عین آخری موقع پر قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی۔ کوئی دھماکہ نہ ہوا۔

''مین سوئچ آن کرنا بھول گیا۔'' اس نے کالبورن کو ٹوٹی ہوئی آواز میں بتایا۔

''میں خود یہ کام کرنے جاؤں گا۔'' کالبورن نے پیش کش کی۔ وہ جانتا تھا دوبارہ وہاں جانا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے مترادف ہے۔ محافظ چوکنا ہو چکے ہوں گے۔

زیادہ سوچنے کا وقت نہ تھا۔ برنیز نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خدا حافظ کہہ کر رخصت کیا۔ کالبورن کے پاس مشینی پستول تھا وہ درے سے گزر کر اسلحے کے ڈمپ کی طرف بڑھا، تو اس نے دیکھا نامعلوم سمت سے کئی جرمن فوجی اسے گھیر رہے تھے۔ اس نے نیم دائرہ بناتے ہوئے مشینی پستول گھمایا اور ٹریگر دبا دیا۔ چار جرمن موقع پر ڈھیر ہو گئے۔ ایک جرمن لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا دوسرے برسٹ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ کالبورن دوڑ کر ڈمپ میں داخل ہو گیا ٹینک کے سوراخ کا ڈھکن کھولا اور اندر اتر کر سوئچ آن کر دیا۔ پھر اس نے ڈھکن مضبوطی سے بند کیا اور ڈمپ سے باہر نکل آیا۔ چار جرمنوں سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا۔ نشانہ لینے کا سوا ہی پیدا نہ ہوتا تھا اس نے اندھا دھند گولیاں برسائیں، لیکن خود اس پر بھی چاروں طرف سے گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔

فضا میں تباہ ہونے والے طیارے سے بچ نکلنے والا آر اے ایف کا یہ کینیڈین پائلٹ زخموں سے لہولہان لیمانٹ کے اڈے پر آخری سانس لے رہا تھا۔

برنیز نے تھوڑی دیر تک اس کا انتظار کیا وہ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تین بج کر اٹھاون منٹ پر اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ جرمن حملے کا آغاز ہونے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔ اس نے اپنی زندگی کا سب سے اہم مشن پایہ تکمیل کو پہنچانے کے لئے تاروں کو بیٹری سے جوڑ دیا.....

☆☆☆

اگلے ہی لمحے دنیا لرز اٹھی۔

پہلے دھماکے کی دو لہریں بلند ہوئی۔ ایک لہر ٹینک کے پھٹنے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور دوسری ڈمپ کے گولہ بارود کو آگ لگنے سے.....اور پھر دھماکوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ فضا میں سینکڑوں فٹ کی بلندی تک دھواں ہی دھواں تھا اور لوہے کے لال انگارہ ٹکڑے دور دور تک بکھر گئے۔ چودھواں پنیرز ڈویژن حرکت میں آنے سے دو منٹ قبل مہیب تباہی کی لپیٹ میں آ گیا۔

ہوائی اڈے سے ملحق وہ فارم تھا جہاں جنرل سٹارچ کا ہیڈ کوارٹر قائم تھا۔ میئر حواس باختہ ہو کر اپنے کمرے سے نکلا۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ جنرل سٹارچ کے کمرے میں داخل ہوا۔ فرش پر جنرل کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔ گولے کا کوئی ٹکڑا عقبی دیوار چیر کر اس کے سینے میں آ گھسا تھا۔ میئر نے جلدی سے ٹیلی فون اٹھایا۔ یہ ابھی کام کر رہا تھا۔ اس نے ایڈوانس ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا۔ لائن کے دوسرے سرے پر کرنل کیلر بول رہا تھا۔

''کیلر، میں میئر ہوں۔ جنرل سٹارچ مر چکا ہے۔ برطانی فوج نے ہم پر جنوب سے حملہ کر دیا ہے۔ ڈنکرک پر حملے کے احکام فوری طور پر منسوخ کر دو۔ کیا تم سمجھ گئے ہو.....؟ گفتگو ادھوری رہ گئی۔ فون کی لائن کہیں سے کٹ چکی تھی، لیکن میئر مطمئن تھا کہ اس کا پیغام کیلر تک پہنچ گیا ہے۔

دھماکوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گولے بارود کے ایک اور ذخیرے نے آگ پکڑ لی تھی۔ میئر پاگلوں کی طرح پناہ کی تلاش میں دوڑا۔ بم کا ایک اور ٹکڑا اس کی زخم خوردہ پیشانی پر لگا اور وہ چکرا کر گر پڑا.....

☆☆☆

لیفٹیننٹ جین ڈیورنڈ، چودھویں فرانسیسی فوج سے متعلق تھا۔ اس کی یونٹ، ڈنکرک پیری میٹر کے دفاع کے لئے ایڈوانس پوزیشن میں متعین تھی۔ ٹیلی فون کرتے کرتے اس نے اچانک اپنے برطانوی رابطہ افسر کو بلایا۔ اس کی نظر ایک ہیولے پر جمی تھی۔

ایک شخص زیرآب سڑک پر سائیکل پر سوار ان کی طرف آ رہا تھا۔ پانی کی گہرائی میں اضافہ ہو رہا تھا سائیکل آہستہ آہستہ ڈوبتی جا رہی تھی۔ دفعتہً یہ بالکل غائب ہو گی اور اس پر سوار شخص غوطے کھانے لگا۔

برطانوی رابطہ افسر، لیفٹیننٹ ملر نے دوربین کے ذریعے سائیکل سوار شخص کی وردی شناخت کر لی۔ وہ فوراً اس کی مدد کو دوڑے اور اسے نیم بے ہوشی کی حالت میں خشکی پر کھینچ لائے۔ سارجنٹ برنیز بالآخر اتحادی فوج سے رابطہ قائم کر چکا تھا اس نے دو روز ڈنکرک فیلڈ ہسپتال میں گزارے۔ پر اس نے صاف ستھرے کپڑے پہن کر اچانک ٹہلنا شروع کر دیا۔ ''میں بیمار ہرگز نہیں، صرف تھکا ماندہ ہوں۔'' یہ فقرہ اس نے اس بنا پر کہا تھا کہ صرف صحت مند افراد ہی کو ڈنکرک سے نکالا جا رہا تھا۔

جرمنوں کی شدید بمباری کے سائے میں اس نے رودبار انگلستان پار کی اور ڈوور میں وطن کی سرزمین کو چوم لیا۔

بندرگاہ میں وہ چہروں کی طرف گھورتا رہا۔ دو آدمی ایک معذور فوجی کو گاڑی میں سوار کرا رہے تھے برنیز نے چلا کر کہا۔ ''رینالڈ۔''

رینالڈ نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ دونوں مجھے لیمانٹ سے بچا کر لائے ہیں۔''

گاڑی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ملٹری پولیس کے میجر نے تیسری بار برنیز سے سوال کیا۔ ''تم کہاں جانا چاہتے ہو؟''

اور برنیز نے تین بار یہی جواب دیا۔ ''کلوچیسٹر۔''

کلوچیسٹر میں اس کی آرمرڈ یونٹ کا مرکز تھا اور وہ وہاں پہنچ کر ایک نیا ٹینک حاصل کرنا چاہتا تھا۔

کولڈز کیمپ سے فرار

۱۹۴۰ء میں چرچل کا بھتیجا گائلز رومیلی ڈیلی ایکسپریس کی طرف سے ناروک پہنچا تا کہ ان برطانوی اور جرمن جہازوں کے متعلق جامع رپورٹ تیار کر سکے جو ایک ہی بندرگاہ میں لنگر انداز تھے۔ اسی روز جرمنی نے ناروے پر حملہ کر دیا۔ رومیلی کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا اس نے روپوش ہونے کی کوشش کی مگر دوسرے برطانوی افراد کے ساتھ دھر لیا گیا۔

اسے پانچ ماہ تک باویریا کے مختلف جنگی کیمپوں میں نظر بند رکھا گیا اور اس پر انسانیت سوز مظالم توڑے گئے۔ گائلز کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی اس نے فرار ہونے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دیں۔ پہلی بار اس نے ایک عورت کا روپ دھارا اور کیمپ سے نکلنے کی کوشش کی۔ جرمن محافظوں کو بروقت پتہ چل گیا، انہوں نے اس کا نقاب الٹ دیا۔ پسینے سے شرابور گائلز تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں اسے اٹھارہ دن تک تہہ خانے میں بند رکھا گیا اور پھر کولڈز کاسل میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ قلعہ دوسری جنگ عظیم کے بدنام زمانہ جنگی کیمپ فورٹ نمبر ۹ سے بھی بدتر تھا۔ یہاں پہنچتے ہی گائلز نے پھر بھاگنے کا منصوبہ بنای۔ اب کے وہ ایک لکڑی کے صندوق میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ صندوق پر پتہ وغیرہ لکھ دیا گیا۔ یہ

صندوق ریلوے اسٹیشن پر ہی پہنچایا گیا تھا کہ سانس گھٹنے کی بنا پر گائلز بے چین ہو گیا اور کیلیں اکھیڑ کر باہر نکل آیا۔ وہ ہوا کی آمد و رفت کے لئے سوراخ رکھنا بھول گیا تھا۔ اسے گرفتار کر کے دوبارہ کیمپ میں بھیج دیا گیا اب اس نے فرار کی تیسری اور آخری کوشش شروع کر دی۔ اس کے ساتھ چند اور قیدی بھی شامل ہو گئے۔ اس فرار کی داستان گائلز کے اپنے الفاظ میں دلچسپ بھی ہے اور جوش انگیز بھی۔

☆☆☆

کیپٹن وینڈی نے ایک کیمرہ تیار کر لیا تھا اس نے ہماری پاسپورٹ سائز تصویریں اتاریں جنہیں پولیس کے اجازت ناموں پر چسپاں کرنا تھا۔ یہ اجازت نامے بھی جعلی تھے، مگر بغور دیکھنے پر بھی کوئی شک نہ ہوتا تھا۔ یہ چیزیں قلعے کے باہر کی دنیا میں ہمارے پاس ہونا انتہائی ضروری تھیں کیونکہ ان کے بغیر ایک قدم تک اٹھانا دشوار تھا جبکہ جرمن سپاہی کیڑے مکوڑوں کی طرح جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ وینڈی نے ایک کہانی بھی گھڑ دی تا کہ پوچھ گچھ کی صورت میں ہم اس کا سہارا لے سکیں۔ کہانی کچھ اس طرح تھی۔ ہم دو ولندیزی اور ایک فرانسیسی کارکن تھے ہمارا کام میونخ سمیت باویریا کے اکثر شہروں میں بیکری کی پیچیدہ مشینوں کی دیکھ بھال اور معائنہ کرنا تھا اس سلسلے میں ہیڈ آفس کی طرف سے ہمارے نام تعیناتی خطوط بھی تحریر کر لئے گئے۔ یہ کہانی قابل عمل اور سادہ تھی اس سے اکھڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اب صرف ایک مشکل درپیش تھی، وہ یہ کہ میری پتلون بالکل فوجیوں کی سی تھی البتہ قمیض کارآمد تھی۔ باقی دونوں ساتھیوں کا لباس بھی ٹھیک ٹھاک تھا کوشش کے باوجود مجھے کوئی اور پتلون نہ مل سکی۔

اب ہم ایک رسا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے اس کی مدد سے ہم نوے گز اونچی قلعے کی فصیل سے نیچے اتر سکتے تھے رسا تیار کرتے ہوئے ہر لحظہ میری یہی کوشش تھی کہ اس میں کوئی خامی نہ رہے، کیونکہ ہماری زندگی یا موت اسی پر منحصر تھی۔ اگر یہ مضبوط ہوا تو بیسیوں گز کی بلندی سے گر کر ہماری ہڈی پسلی ٹوٹ سکتی تھی۔

دوسری طرف خدشہ تھا کہ کسی محافظ نے مجھے رسا بناتے ہوئے دیکھ لیا، تو خیر نہ ہو گی اور مصائب اور مشقتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ابھی میں انہیں خیالات میں غلطاں تھا کہ میری بارک کا

دروازز زور زور سے بجنے لگا۔ میرا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اندر سے جواب نہ پا کر دروازے پر دستک اور تیز ہوگئی۔ بادل نخواستہ اٹھا اور دروازہ کھول دیا میرے سامنے مائیکل کھڑا تھا اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔

''باہر نکلو۔'' اس نے میرے کان میں کہا۔

''لیکن میں رسے سے مطمئن نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اسے مزید بٹنے کی ضرورت ہے۔''

''لعنت بھیجو اس پر، کسی طرح قلعے سے باہر تو نکلیں، یہاں کی زندگی سے باہر موت اچھی ہے۔''

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے ہم صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلے۔ قیدی کھانا کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ تمام جرمن محافظ پہلے ہی باورچی خانے پر قبضہ کر چکے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ اچھا اچھا کھانا چٹ کر جاتے اور بچا کھچا کھانا ہی قیدیوں کو مہیا کیا جاتا۔ اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کا یہ بہترین وقت تھا۔ صرف ایک محافظ صدر دروازے پر متعین تھا اور وہ بھی باورچی خانے کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ہم نے اپنا سامان لیا۔ رسے کو پہلے سے منتخب جگہ پر لٹکایا اور نیچے اترنے کے لئے تیار ہو گئے اس وقت ہماری قلبی کیفیت نا قابل بیان تھی۔ دل کی دھڑکن دو قدم کے فاصلے پر بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ ایک انجانا سا خوف دامن گیر تھا۔

میرے ایک دلنذیزی ساتھی نے پہل کی۔ یہ مائیکل تھا۔ باقی لوگوں نے نظروں ہی نظروں میں اسے خدا حافظ کہا اور وہ رسی سے گھسٹتا ہوا نیچے گہری تاریکی میں روپوش ہو گیا۔ رسے کی سرسراہٹ ختم ہوئی تو ہم نے اندازہ لگایا کہ وہ زمین پر پہنچ چکا ہے اب میری باری تھی۔ میں نیرسے کو مضبوطی سے تھاما اور فصیل سے نیچے لٹک گیا..... اگلے ہی لمحے میں غیر متوازن صورت میں نیچے جا رہا تھا ایک بار تو میرا سر فصیل کے ساتھ بری طرح ٹکرایا اس سے میری ہیجانی کیفیت میں اور اضافہ ہو گیا۔ دوسری طرف میری ہتھیلیوں پر رسے کی رگڑ نا قابل برداشت ہو رہی تھی۔ میرے ہاتھ اتنے نازک تو نہ تھے کہ وہ کسی ہنگامی صورت حال میں میرا ساتھ نہ دے سکیں، میر یہاں تو معاملہ ہی اور تھا، رسا آری کے تیز دانتوں کی طرح ہتھیلیوں کو کاٹ رہا

تھا، ان سے گوشت اڑ رہا تھا۔ درد کی شدت سے میں کلبلا کر رہ گیا۔ اب رسے کو مزید تھامے رکھنا میرے لئے قریباً ناممکن تھا۔ میری گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ آسمان، تارے، قلعہ ساری فضا ایک دوسرے میں مدغم ہو کر میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے اب میری گرفت بالکل چھوٹ چکی تھی، میں دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ پھر کمر سہلاتا ہوا اٹھا مجھے اندیشہ تھا کہ شاید میری کوئی نہ کوئی ہڈی تو ضرور ٹوٹ گئی ہو گی لیکن اپنے آپ کو صحیح سالم دیکھ کر میں قدرت کے معجزے پر حیران رہ گیا۔

اس اثنا میں مائیکل بھی میرے قریب آ گیا۔ جب اسے پتہ چلا کہ میں اترتے ہوئے اپنے ہوش و حواس قابو میں نہ رکھ سکا، تو مجھے سخت سست کہنے لگا۔

''پہلے ہی مرحلے میں ناکام ہو گئے، کس برتپر نکلے تھے؟''

میں اس کی بات سن کر خاموش ہو یا، کیونکہ وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔

اب ہمیں اپنے تیسرے ساتھی کا انتظار تھا پانچ دس منٹ گزر گئے مگر رسے کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ ہم نے سوچا شاید اس نے بزدلی دکھائی یا ممکن ہے اوپر کسی محافظ نے اسے دیکھ لیا ہو اس طرح سارے کئے کرائے پر پانی پھرنے کا اندیشہ تھا ہم نے تھوڑی دیر تک مزید انتظار کیا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور ذرا سی بیقاعدگی کسی خطرناک صورت حال کو جنم دے سکتی تھی۔

بالآخر رسے کی سرسراہٹ سنائی دی اور چند لمحوں بعد وہ آہستہ سے زمین پر آ لگا ہم نے تاخیر کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگا۔

''میں یہاں بھاگ نکلنے کے بارے میں تذبذب ہوں۔'' ابھی وہ یہی الفاظ کہہ پایا تھا کہ کچھ فاصلے پر گشتی دستے کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اگرچہ اس وقت اندھیرا تھا لیکن اس کے باوجود ہمارے تیسرے ساتھی کے چہرے پر خوف و دہشت کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے وہ انتہائی اضطراب کے عالم میں تھا۔ اچانک اس نے کہا۔

''پکڑے جانے سے بہتر ہے میں قلعے میں واپس چلا جاؤں۔'' اس نے ہمارے جواب کا انتظار کئے بغیر تیزی سے رسا پکڑا اور اوپر چڑھنے لگا۔ میں نے مائیکل سے پوچھا۔

''تم کہو، کیا ارادہ ہے؟''

''اپنے ارادے پر قائم ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

گشتی دستہ قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ ہم دونوں چپکے سے چل کھڑے ہوئے..... مائیکل کچھ زیادہ تیزی کا ثبوت دے رہا تھا وہ بار بار مجھے بھی جلد قدم اٹھانے پر اکساتا۔

''ہمارے بھاگنے کی خبر زیادہ دیر چھپی نہیں رہے گی اور جرمن سپاہی شکاری کتوں کی طرح ہمارے تعاقب میں نکل کھڑے ہوں گے۔

لیکن اس کی تشویش بالکل غلط ثابت ہوئی ہم جس انداز سے قلعے سے فرار ہوئے تھے وہ ہمارے حق میں مددار ثابت ہوا جرمنوں کو بالکل پتہ نہ چل سکا۔

ابھی خاصی رات باقی تھی ہم چلتے چلتے ہوائی اڈے کے قریب پہنچ چکے تھے ہمارے پاس ویڈی کیمرہ موجود تھا ہم نے فیصلہ کیا کہ اگر ہو سکے تو ہوائی اڈے پر جرمنوں کے گولہ بارود کے ذخیروں کی تصویریں لے لی جائیں اور انگلستان پہنچ کر شاہی فضائیہ کے حوالے کر دی جائیں تاکہ وہ مؤثر بمباری کر کے اڈے کو اڑا کر رکھ دیں۔ انگلستن پر جمن بمباروں کے اکثر حملے اسی اڈے سے کنٹرول کئے جاتے تھے اس لحاظ سے اس کی اہمیت واضح تھی۔

ہوائی اڈہ اس وقت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اکا دکا ٹمٹماتی روشنیاں نظر آ رہی تھیں ہم خاردار تاروں کی باڑ کو کسی نہ کسی طرح عبور کر کے اڈے میں داخل ہو گئے اڈے کا کچھ نقشہ ہمارے ذہن میں تھا، کیونکہ کولڈز کیمپ کی فیل سے اس کا دھندلا سا منظر ہماری آنکھوں کیسامنے رہتا تھا یہاں حفاظتی اقدامات پر زیادہ زور نہ دیا جاتا تھا، کیونکہ یہاں تک کسی جاسوس کی رسائی مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھی، کبھی کبھار برطانوی جہاز ضرور حملہ آور ہوتے تھے، لیکن وہ رن وے کے اردگرد بم گرا کر فوراً بھاگ جاتے۔

ہم ایک خندق میں چھپ کر بیٹھ گئے گولہ بارود کے ذخیرے قریب ہی تھے لیکن تاریکی کی وجہ سے تصویر لینا ممکن نہ تھا ہمارے پاس ایک ٹارچ تو تھی جس کی روشنی خاصی تیز تھی، لیکن اس کا استعمال خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ ہمیں اپنے قریب سیٹی کی آواز سنائی دی ظاہر ہے یہ چوکیدار تھا، لیکن ہمیں اس مطلق خوف

محسوس نہ ہوا کیونکہ اس کے فرشتوں کو بھی ہماری موجودگی کی خبر نہ تھی۔ دوسرے ہم نے اپنے آپ کو کچھ اس طرح ''کیموفلاج'' کر لیا تھا کہ دن کے وقت بھی کسی کی نظر ہم پر نہیں پڑ سکتی تھی ہمارا ارادہ تھا کہ ہم صبح پہلا کام فوٹو لینے کا کریں گے اور پھر مناسب موقع دیکھ کر چلتے بنیں گے۔

فضا میں گڑگڑاہٹ سنائی دی ہمارے کان کھڑے ہو گئے۔ ''یہ کیا؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''شاید برطانوی جہاز ہوں۔'' مائیکل نے کہا۔

اس کا اندازہ درست نکلا، اگلے ہی لمحے ہوائی اڈہ روشنیوں سے جگمگا اٹھا ہوائی جہاز ٹارگٹ ڈھونڈنے کے لئے روشنی کے گولے پھینک رہے تھے اور پھر دھماکوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اف توبہ! کان کے پردے پھٹے جا رہے تھے جا بجا آگ اور دھوئیں کا منظر تھا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کسی کام کی جگہ نشانہ نہیں لگا۔ اچانک ایک جہاز ہمارے اوپر سے گزرا اور ساتھ ہی ایک قیامت خیز دھماکا ہوا صرف پچاس گز کے فاصلے پر گولے بارود کا ذخیرہ آگ پکڑ چکا تھا گولے پھٹ رہے تھے اور ان کے دہکتے ہوئے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر رہے تھے۔ قیامت کا سا سماں تھا ہمیں یہ فکر لاحق تھی کہ آیا ہم ان کی زد میں آنے سے بچ سکیں گے یا نہیں؟ اچانک ایک طرف سے آگ بجھانے والی گاڑیاں سرعت سے آتی دکھائی دیں۔ یہ ہمارے اوپر سے گزر کر ہی آگے بڑھ سکتی تھیں۔ موت کی یہ نئی خوفناک شکل ہماری بیس آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگی۔ ہماری خندق کچھ زیادہ گہری نہ تھی۔ گاڑیوں کے پہیے ہمیں آسانی سے روند سکتے تھے صرف ایک صورت سجھائی دے رہی تھی، لیکن وہ بھی عدم کی طرف رہنمائی کرتی تھی اگر ہم خندق سے نکل کر بھاگنے کی کوشش کرتے تو روشنی میں ہمیں آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا اور کسی محافظ کی گولی ہمارا بھیجا اڑا سکتی تھی یا پھٹتے ہوئے گولے ہماری تکا بوٹی کر سکتے تھے۔ چاروں طرف موت کے پنجے ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔

ہم نے آنکھیں بند کر لیں اور موت کی آمد کا انتظار کرنے لگے یہ جاں گسل لمحات آج تک میری آنکھوں کے سامنے ہیں کبھی مجھے اپنی چھاتی پر شدید دباؤ کا احساس ہوتا، کبھی سانس رکتا ہوا محسوس ہوتا اور کبھی تصور ہی تصور میں اپنی لاش کا کچومر نکلا ہوا دیکھتا۔ اچانک ایک بہت بڑے دھماکے کے بعد پے در پے دھماکے ہونے لگے۔ ہم نے سوچا شاید اب مختلف گولوں نے آگ پکڑ لی اور وہ مسلسل پھٹنا شروع ہو گئے

ہیں، لیکن نہیں۔ فضا میں ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ ہم نے آنکھیں کھولیں، تو ایک نہایت جوش انگیز منظر سامنے آیا، برطانیو طیارے پلٹ پلٹ کر فائر بریگیڈ کی گاڑیوں پر حملے کر رہے تھے، تاکہ وہ ایمونیشن کے ذخیرے کی آگ نہ بجھا سکیں اور اس طرح سارا گولہ بارود جل کر خاکستر ہو جائے دوسری طرف طیارہ شکن توپوں کے نیلے پیلے اور سرخ گولے حملہ آور طیاروں کو نشانے میں لینے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ جوش اور مسرت سے ہمارے دل زور زور سے دھڑکنے لگے اور ہم نے ماحول سے بے پرواہ ہو کر زور زور سے تالیاں بجائیں اور جی بھر کر برطانوی ہوابازوں کو داد دی۔

یہ کھیل صرف تین چار منٹ تک جاری رہا۔ ہوائی اڈہ اب مکمل طور پر آگ کی لپیٹ میں تھا۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں دھڑا دھڑ اجل رہی تھیں۔ کچھ لوگ جان بچانے کی غرض سے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ہم نے افراتفری کے اس موقع کو غنیمت جانا، خندق سے نکلے اور پھٹتے ہوئے گولوں سے بچتے بچاتے اڈے سے باہر نکل گئے ہم میلوں دور نکل گئے، پیچھے مڑ کر دیکھا، تو ہوائی اڈے پر شعلے بدستور رقصاں تھے۔

صبح کاذب کا دھندلکا چھٹ رہا تھا، نہ معلوم ہم کہاں پہنچ چکے تھے۔ ہمارا رخ کدھر تھا اور ہماری منزل کونسی تھی؟ ہم ان سوالات کی پروا کئے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ میرا ساتھی ایک کھلے میدان میں پہنچ کر اچانک کھڑا ہو گیا اور ادھر ادھر یوں گھورنے لگا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا:

''میرا خیال ہے ہم سالزبرگ کے نواح میں ہیں۔''

''وہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''خطرہ تو قدم قدم پر موجود ہے، لیکن ہمیں وہاں ضرور جانا چاہئے، شاید کچھ کھانے پینے کو مل جائے۔''

مائیکل نے کھانے پینے کا نام لیا، تو مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں کولڈز کیمپ سے فرار ہو چکا ہوں۔ آہ! کتنی لذت تھی آزاد فضاؤں میں، خوشی اور مسرت کی اس دولت لازوال سے میں اس قدر سرشار تھا کہ نہ مجھے پیاس یاد تھی نہ بھوک، نہ تھکن کا سوال تھا اور نہ کوفت کا مسئلہ، ہر دم یہی دعا کر رہا تھا کاش! آزادی کے یہ کیف زا لمحات جاوداں ہو جائیں اور سرور کی یہ گھڑیاں سدا باقی رہیں۔

ہم ایک گاؤں کے قریب سے گزرے۔ لوگ ابھی نیند سے بیدار ہو رہے تھے۔ گاؤں سے آگے نکلے، تو مائیکل کہنے لگا:

''ہم دو آدمی ہیں۔ میں کمانڈر بنتا ہوں اور تم میری پیروی کرو گے۔ میرا پہلا حکم یہ ہے کہ ہم قریبی جنگل میں کچھ دیر کے لئے ستا لیں۔''

''خود ساختہ کمانڈر صاحب، میں کہیں ایک منٹ بھی نہ بیٹھ سکتا۔'' میں نے ترشروئی سے جواب دیا۔ مائیکل ولندیزی فوج میں لیفٹیننٹ تھا اور میرے ذہن میں چرچل سے رشتے کا خمار بھرا ہوا تھا، میں کیوں اس کی لیڈری تسلیم کرتا، یہ الگ بات ہے کہ اس وقت پریشان حالی اور غریب الدیاری کے اعتبار سے ہم دونوں برابر تھے۔

میں نے جواب کا انتظار کئے بغیر لمبے ڈگ بھرنے شروع کر دیئے۔ ناچار اسے بھی میرے ساتھ گھسٹنا پڑا۔ میں خوش تھا کہ میری رائے کو فوقیت حاصل ہوئی۔ مائیکل کی حالت اس وقت دیکھنے کے قابل تھی۔ تکان کے مارے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر زردی نمایاں تھی اور وہ کچھ خفت سی محسوس کر رہا تھا۔

دس گیارہ بجے کے قریب ہم سالزبرگ میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں ہر ممکن احتیاط کی ضرورت تھی۔ ہمیں اپنی شکل وصورت اور چال ڈھال سے کسی کو شبہ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہئے تھا، لیکن رات بھر صعوبت برداشت کرنے کے بعد بھلا اندرونی کرب کو چہرے پر ظاہر ہونے سے کیسے روکا جا سکتا تھا۔

ایک گشتی دستے کو سامنے دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ ان کی نظر سے بچنے کے لئے میں نے ایک ہجوم میں گھسنے کی کوشش کی ایک سپاہی نے دوڑ کر مجھے بازو سے پکڑ لیا۔

''شناختی کارڈ دکھاؤ۔'' اس نے چلا کر حکم دیا۔

میں نے ہاتھ سے مائیکل کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے پاس ہے۔

مائیکل کو پہلے ہی دستے کے دوسرے سپاہیوں نے گھیر رکھا تھا لیکن اس نے اپنے حواس بحال رکھے، کاغذات دکھائے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے لگا۔ وہ جلد ہی ان سے گھل مل گیا۔ انہوں نے اسے

سگریٹ پیش کئے، مائیکل نے شکریہ ادا کرتے ہوئے قبول کر لئے۔

دستے کے کمانڈر نے مجھ سے پوچھا۔ ''دوست، تم گھبرائے کیوں ہو؟''

اس سے پہلے کہ میں جواب دیتا، مائیکل بول پڑا۔

''یہ اعصابی مریض ہے۔ میں کسی ڈاکٹر کی تلاش میں ہوں تا کہ اس کا کچھ علاج وغیرہ ہو جائے۔ دیکھئے، اس نے چاقو سے اپنی ہتھیلیاں کیسے زخمی کر لی ہیں۔''

میں مائیکل کا طنز پی گیا، کیونکہ اس وقت عافیت اسی میں تھی، لیکن دستے کا لیڈر شاید مطمئن نہ ہوا .....اس نے پوچھا: ''کیا تم لوگ مفرور تو نہیں ہو؟''

میں نے تیزی سے جواب دیا: ''مفرور ہیں، تو کونسا جرم کیا ہے۔ دشمن کی قید سے نجات حاصل کرنا اصل آزادی ہے جو انسان کا پیدائشی حق ہے۔''

لیڈر میرے جواب پر پھڑک اٹھا: ''دوست، خوب کہی۔'' یہ کہہ کر اس نے دستے کو مارچ کا حکم دیا اور ہم نے اپنی راہ لی۔

اب ہم دونوں میں ٹھن گئی۔ میں نے تند لہجے میں کہا:

''مسٹر مائیکل، تم نے مجھے پاگل کیوں کہا؟ میں اتنی ہتک برداشت نہیں کر سکتا۔''

''تو کیا میں کہتا یہ چرچل کا بھتیجا ہے؟'' اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''جیل جانے کے اور بھی طریقے ہیں۔''

مجھ سے کوئی جواب نہ بن آیا اور ہم خاموشی سے بھیڑ کو چیر کر آگے بڑھتے رہے اب ہماری منزل سالزبرگ سے آگے فریلاسنگ کا ریلوے سٹیشن تھا۔ وہاں ہوائی حملے کے سائرن ہو رہے تھے اور لوگ قریبی پناہ گاہوں میں کود رہے تھے۔ ہم بھی ایک خندق میں چھپ گئے۔ آسمان پر طیاروں کا شور بلند ہوا، پھر دور کہیں، بم پھٹنے کی آوازیں آئیں۔ شہر کے اوپر دھوئیں کے بادل چھا گئے۔ حملہ ختم ہونے کے سائرن ہوئے تو ہم خندق سے باہر نکلے۔ فریلاسنگ کے وسط میں کچھ مکان بمباری سے ڈھیر ہو گئے تھے۔ ملبے میں آگ لگی ہوئی تھی، ہم یہاں رکے بغیر اسٹیشن کی طرف بڑھ گئے تا کہ جلد از جلد کوئی گاڑی پکڑ سکیں۔

اسٹیشن پر ٹکٹ حاصل کرنے والوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ مائیکل مجھے ایک جگہ بٹھا کر خود قطار میں لگ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک پولیس افسر کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ یا خدا، پھر کچھ گڑبڑ ہوگئی تھی۔ مائیکل قریب آیا، تو پتہ چلا کہ ہمارے دوسرے کاغذات تو درست تھے، لیکن غیر ملکیوں کے لئے ریلوے کے سفر کا اجازت نامہ ہمارے پاس موجود نہ تھا ہنگامی حالات کی وجہ سے مقامی لوگوں کے لئے ریلوے کے سفر پر بالکل پابندی عائد تھی، صرف غیر ملکی سفر کر سکتے تھے اور اور بھی خصوصی اجازت کے ساتھ، یا پھر ریلوے کے ذریعے فوج کی نقل و حرکت ہوتی تھی ہمیں اس قانون کا علم نہ تھا، ورنہ دوسرے ''کاغذات'' کے ہمراہ یہ اجازت نامہ بھی تیار کرنا وینڈی کے بائیں ہاتھ کا کمال تھا۔ اس کے بارے میں چند کلمات خیر سن لیجئے۔ وہ ایک مفرور تھا اور اب تک کوئی قلعہ یا جیل اسے اپنی چار دیواری میں مقید نہ رکھ سکی تھی۔ اس وقت کولڈز کاسل میں بھی وہ دوسرے قیدیوں کو فرار ہونے میں معاونت کے لئے موجود تھا، ورنہ کب کا یہاں سے بھاگ گیا ہوتا۔

اب پولیس افسر کا یہ حکم تھا ہم تھانے چلیں اور اپنے بارے میں اطمینان دلائیں۔ مائیکل کو حسب عادت کوئی پیش و پیش نہ تھا، لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں وہاں جانے سے خوف کھا رہا تھا۔

ریلوے سٹیشن سے کچھ فاصلے پر تھانہ تھا ہمیں وہاں لے جا کر انتظار گاہ میں بٹھا دیا گیا۔ ایک الک لمحہ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ خدا جانے اس نئی مصیبت سے ہم بچ سکیں گے یا نہیں؟ یہ سوال بار بار میرے ذہن میں ابھر رہا تھا۔

آخر گھنٹی بجی اور صرف مائیکل کو پیش ہونے کا حکم ملا۔ افسر بالا ساتھ کے کمرے میں بیٹھا تھا اور میری نظروں کے سامنے ہی تھا۔ میں مائیکل کی حرکات کو دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہا تھا وہ بہت پھرتی سے باتیں کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کبھی آگے جھکتا، کبھی پہلو بدلتا، شاید وہ یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ اسے طلبی کی کوئی پرواہ نہیں اور یہ عام سا معاملہ درپیش ہے۔

میرے بنچ کے قریب ٹائپسٹ بیٹھا تھا۔ کوئی اس سے ملنے آیا وہ جتنی دیر بیٹھا رہا مجھ پر نظریں جمائے رہا۔ یہ ایک انگریز تھا جو جرمنوں کے لئے جاسوسی کر رہا تھا۔ یہ میرا ہم جماعت تھا میں تصور ہی تصور

میں گرفتار ہو چکا تھا۔ جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ اچانک انگریز کسی بات پر ٹائپسٹ سے الجھ پڑا۔ عین اسی لمحے انتظار گاہ کا ریڈیو پروگرام روک کر اعلان کرنے لگا: ''دو آدمی کولڈز کاسل سے بھاگ نکلے ہیں، ان کا حلیہ۔''

اف میرے خدا، ایک طرف ریڈیو پر اعلان اور دوسری طرف انگریز جاسوس کی موجودگی.....اب ہماری نجات کی کوئی صورت باقی نہ تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ پولیس کو خبر کر دے گا اور ہمیں ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں گی، مگر اس وقت وہ ٹائپسٹ سے بری طرح الجھ چکا تھا۔ پولیس کے سپاہی انہیں چھڑانے کے لئے بھاگے۔ ان میں وہ افسر بھی شامل تھا جو مائیکل سے پوچھ گچھ کر رہا تھا لڑائی نے پورے تھانے میں افراتفری مچا دی تھی۔ مائیکل پولیس سے سفر کا اجازت نامہ حاصل کر چکا تھا۔ اس نے مجھے کھسکنے کا شارہ کیا اور ہم چلتے بنے۔

حالات نے قدم قدم پر ہماری موافقت کی تھی، ورنہ جرمنوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ناممکن تھا۔ جب ہم اسٹیشن پر پہنچے تو گارڈ سیٹی دے چکا تھا ہم دوڑ کر آخری ڈبے میں سوار ہو گئے۔ جرمنوں کا خوف پیچھے رہ گیا تھا، بہت پیچھے۔

☆☆☆